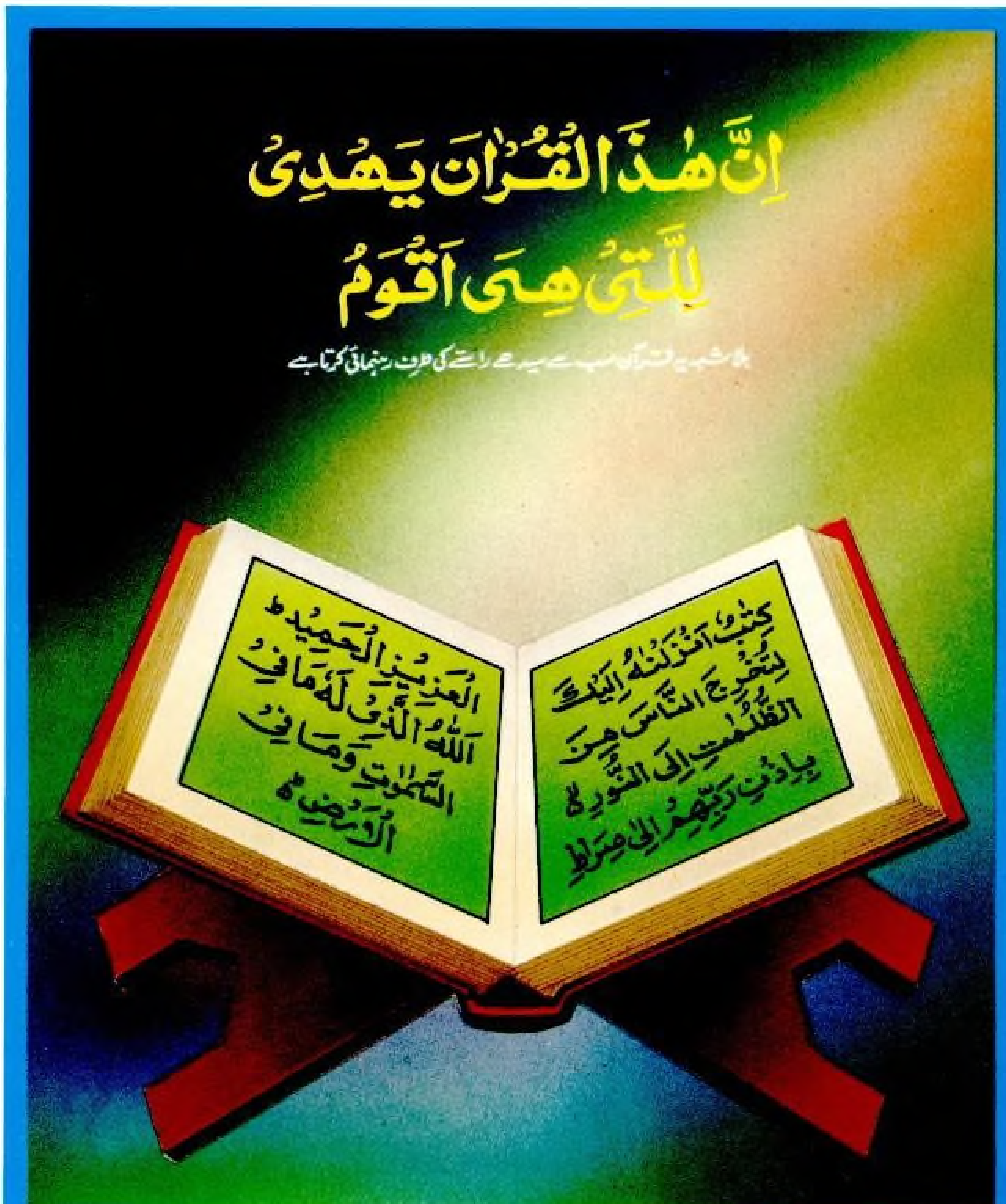
احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ O

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ ہشتم

سورۂ نجم تا سورۃ الناس

سیّد فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

جملہ حقوقِ بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن (جلد ہشتم)
مؤلف	:	سید فضل الرحمٰن
کتابت قرآن کریم	:	سید اشرف علیؒ
تعداد	:	ایک ہزار
اشاعت اول	:	فروری ۲۰۰۷ء
صفحات	:	۵۱۲

ملنے کے پتے

دارالاشاعت	اردو بازار، کراچی
فضلی بک سپر مارکیٹ	اردو بازار، کراچی، فون: ۲۲۱۲۹۹۱
اسلامی کتب خانہ،	بنوری ٹاؤن۔ کراچی، فون ۴۹۲۷۱۵۹
کتاب سرائے	فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۳۲۰۳۱۸
بیت الکتب	بالمقابل اشرف المدارس۔ گلشن اقبال۔ کراچی
مکتبہ الانور	بنوری ٹاؤن۔ کراچی
ادارۂ اسلامیات	۱۹۰، انارکلی۔ لاہور، فون: ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵
مکتبہ فیض القرآن	قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی، ۲۲۱۷۷۷۶
مکتبہ القادر	نزد جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی۔ بھاولپور

ناشر

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ فون: ۶۶۸۴۷۹۰

www.zawwaracademy.org

E-mail: syed.azizurrahman@gmail.com

فہرستِ عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ النجم

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا ایک ستارے کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ النجم ہے۔

تعارف: اس میں ۳ رکوع، ۶۲ آیتیں، ۳۶۰ کلمات اور ۱۴۰۵ احروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے اور معراج کے بعد مکہ میں نازل ہوئی۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے یہی سورت النجم نازل ہوئی جس میں سجدہ تلاوت تھا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا اور آپ کے ساتھ (وہاں موجود) تمام لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے۔ میں نے دیکھا کہ اس شخص نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کے بعد وہ کفر کی حالت ہی میں مارا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا، اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ ابولہب تھا جس نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور کہا میرے لئے یہی کافی ہے۔
(روح المعانی ۴۴/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۴۴۔ ۴۶/ ۲۷)

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات اور معراج کے احوال کا ذکر اور ان بتوں کی حقیقت کھولی گئی ہے جن کو مشرکین مکہ پوجا کرتے تھے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اثبات نبوت و رسالت اور وحی کا شک و شبہ سے بالاتر ہونا بیان کیا گیا ہے آخر میں مشرکین کے باطل عقائد مذکور ہیں۔

رکوع ۲: مشرکین کی کج فہمی اور ان کی خودستائی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: اعمال کی جواب دہی اور اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔ آخر میں قیامت کا قریب ہونا مذکور ہے۔

اثبات نبوت و رسالت

۱۔۴، وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہونے لگے، تمہارے رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بھٹکے نہ راستہ بھولے۔ وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے (بلکہ) وہ تو وہی فرماتے ہیں جو ان پر وحی کی جاتی ہے۔

نَجْمِ: ستارہ۔ جمع نجوم یہ اسم جنس ہے۔ کبھی کبھی یہ لفظ ثریا ستارے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس آیت میں بعض مفسرین نے نجم سے مطلق ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے ثریا ستارہ۔

هَوٰى: وہ گر پڑا، وہ غروب ہوگیا، وہ اوپر سے نیچے اترا، وہ گیا گزرا ہوگیا۔ هُوِیٌّ سے ماضی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا صحیح اور شکوک وشبہات سے بالاتر ہونا بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ صراط مستقیم ہے اور رضائے الٰہی کا صحیح راستہ ہے۔ نہ آپ غلط فہمی کی بنا پر راستے سے بہکے اور نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقررہ رفتار سے معین راستے پر چلتے رہتے ہیں، کبھی ادھر ادھر نہیں ہٹتے اسی طرح آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے درخشاں ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی راہنمائی ہوتی ہے۔ آیت میں جو لفظ صاحب آیا ہے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں کہ تم ان کے صدق میں شبہ کرو بلکہ یہ تو تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں تمہارے وطن میں ہی پیدا ہوئے اور تمہارے سامنے پلے بڑھے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہیں ان کی عادات و اخلاق ان کی امانت و دیانت تمہارے سامنے ہے، تمام اہل مکہ ان کو صادق وامین کہتے ہیں اب نبوت کے دعوے کے وقت تم ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے لگے، بھلا جس نے

انسانوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو،تم اس پر الزام لگاتے ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ایک حرف بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ دین کے بارے میں آپ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ وحی کی قسموں میں سے ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اس کا نام قرآن ہے اس کو وحی متلو کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے صرف معنی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں۔ اس کا نام حدیث ہے اور اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

(عثمانی ۶۱۲، ۲/۶۱۳، معارف القرآن مفتی محمد شفیع: ج ۸، ص ۱۹۳۔۱۹۴)

شب معراج میں رویت ذات باری تعالیٰ

۵۔۱۸، عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

آپ کو سخت قوت والے نے تعلیم دی، نہایت قوی نے پھر وہ (اللہ) متوجہ ہوا اور وہ افق اعلیٰ پر تھا۔ پھر وہ آپ کے قریب ہوا۔ پھر اور قریب سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی فرمانا تھی فرمائی۔ جو کچھ دیکھا اس کو (رسول کے) دل نے جھوٹ نہیں جانا۔ کیا تم آپ سے اس پر جھگڑتے ہو جو آپ نے دیکھا اور آپ نے تو اس کو ایک دفعہ اور بھی دیکھا تھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے نزدیک جنت الماویٰ

ہے جبکہ سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نہ تو (پیغمبر کی) نگاہ بہکی نہ حد
سے بڑھی۔ بیشک انہوں نے اپنے رب کے بڑے بڑے عجائب دیکھے۔

شَدِیْدُ الْقُوٰی: بڑی قوتوں والا (اللہ) واحد قُوَّۃٌ۔

مِرَّۃٍ: قوت، شدت، پختگی، مضبوط کرنا۔

اسْتَوٰی: اس نے قصد کیا، وہ متوجہ ہوا، وہ سیدھا ہوا، وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔ یہ لفظ متشابہات میں سے ہے جس کے معنی و مراد اللہ ہی جانتا ہے۔ سلف سے منقول ہے کہ استویٰ کے معنی تو معلوم ہیں لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

دَنٰی: وہ نزدیک ہوا، وہ قریب ہوا، دَنُوٌّ سے ماضی۔

تَدَلّٰی: وہ نزدیک آیا، اُتر آیا، لٹک آیا لَتَدَلِّی۔ ماضی۔

قَابَ: مقدار، اندازہ، آدھی کمان کی لمبائی۔

تُمَارُوْنَ: تم گفتگو کرتے ہو، تم بحث کرتے ہو، تم جھگڑا کرتے ہو، مُمَارَۃٌ سے مضارع۔

نَزْلَۃً: ایک دفعہ، ایک مرتبہ، مصدر مرۃ۔

سِدْرَۃِ: بیری کا درخت، یہاں وہ درخت مراد ہے جو ساتویں آسمان پر عرشِ الٰہی کے دائیں جانب ہے۔ اس سے آگے فرشتوں کی رسائی نہیں۔

زَاغَ: وہ بہکا، وہ ہٹا، وہ کج ہوا، زَیْغٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں کے بارے میں علماء ومفسرین سے دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ ان سب آیات کو واقعہ معراج کا بیان قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاواسطہ تعلیم اور رویت وقرب حق تعالیٰ کے ذکر پر محمول فرمایا اور شدید القوی، ذو مرۃ، فاستوی اور دنیٰ فتدلیٰ سب کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال قرار دیا اور اس سے آگے جو رویت اور مشاہدے کا ذکر ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی رویت مراد لی۔ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے اخیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرف رجوع کیا تفسیر مظہری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے یہی راجح ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ ان آیات کی تفسیر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات میں لیلۃ المعراج کا ذکر ہے ان میں رویت کے بارے میں جتنے الفاظ آئے ہیں ان سب میں رویت جبرئیل اور رویت حق سبحانہ وتعالیٰ دونوں کا احتمال ہے اور حضرات نے بھی ان

کی تفسیر رویت حق تعالیٰ سے کی ہے ۔ اس کی گنجائش الفاظ قرآن میں موجود ہے ۔

(معارف القرآن ٨/٢٠٤)

روح المعانی میں حضرت حسن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنی میں ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اسی طرح اوحیٰ الی عبدہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے نیز علمہ شدیدالقوی اوربالافق الاعلیٰ سے بھی اللہ تعالیٰ مراد ہے ۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں حضرت انس سے منقول ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی بلند ہوئے ، جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں حتیٰ کہ سدرہ المنتہیٰ تک پہنچ گئے اور جبار (اللہ رب العزت) کے قریب ہوئے یہاں تک کہ دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی فرمائی جس میں پچاس نمازوں کی فرضیت بھی شامل ہے ۔

(روح المعانی ٢٧/٥٢)

صوفیائے کرام بھی فرماتے ہیں ثم دنی فتدلیٰ سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور اس قریب ہونے کی کیفیت کا علم نہیں ۔ یہ ایسی صورت میں تھا جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے ۔

(روح المعانی ٢٧/٥٤)

فاوحی الی عبدہ مااوحی کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ سے جو کچھ منقول ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے جو وحی جبرئیل کو کی جبرئیل نے وہی وحی اللہ کے بندے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچادی ۔ یہ تفسیر قواعد نحو کے بھی خلاف ہے اور عقل و درایت کے بھی اس لئے کہ:

١ ۔ یوحی: یعنی سارا قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اس کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ نہیں ہے ۔ یوحی کی ضمیر ذوالحال ہے اور اس کے بعد سارے جملے حال ہیں ۔ شدید القوی اورفاستوی وھو بالافق الاعلیٰ اور ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی یہ جملے حال ہیں اور عربی نحو کا ضروری قاعدہ ہے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہئے لہذا ان تمام جملوں کا وقوع مضمون وحی قرآن کے وقت ضرور ہونا چاہئے یعنی قرآن مجید کی ہر آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت جبرئیل کا استواء اور افق اعلیٰ میں موجود ہونا اور قریب آنا اور اتنا قریب آجانا جتنا دو کمانوں کا فاصلہ ہوتا ہے لازماً ہونا چاہئے ورنہ اگر کسی آیت کے نزول کے وقت یہ حالات نہ ہوں تو حال و ذوالحال کے زمانے کی تفریق لازم آئے گی یا کچھ آیات کا نزول بغیر وحی کے

ہونا جائز قرار پائے گا اور جس مضمون کو ان ھو الا وحی یوحی میں بیان کیا گیا ہے اس کی تکذیب لازم آئے گی۔

۲۔ دوسرے اوحی کی فاعل ضمیر اور عبدہ کی مجرور دونوں سے مراد اللہ ہے اس لئے اول اوحیٰ کا فاعل بھی اللہ ہی ہوگا۔ جبرئیل نہ ہوگا ورنہ انتشار ضمائر لازم آئے گا۔

۳۔ جبرئیل کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آنا اور نازل ہونا اور اتنا قریب آجانا جتنا قوسین کا فاصلہ ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث کمال نہیں۔ آپ کا رتبہ جبرئیل سے افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان میں میرے دو وزیر ہیں جبرئیل اور میکائیل۔ (مظہری ۹/۱۰۶)

دوسری تفسیر میں علما نے ان آیات میں جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان قرار دیا ہے اور شدید القوی اور ذو مرۃ جبرئیل امین کی صفات بتائی ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ ابن کثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

پھر فرمایا کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے بھی اس کے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اے مشرکین مکہ پھر تم کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار کرتے اور ان سے ان کی دیکھی ہوئی اور یقینی چیز میں بحث وتکرار کرتے ہو۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو ایک بار نہیں بلکہ دو بار دیکھا۔ یہاں اس رویت کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی تھی۔

لغت میں بیری کے درخت کو سدرہ کہتے ہیں اور منتہی کے معنی انتہائی یا اختتام کے ہیں۔ بیری کا یہ درخت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے اسی لئے اس کو منتہیٰ کہتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالی کے احکام پہلے عرش الٰہی سے سدرۃ المنتہیٰ پر نازل ہوتے ہیں۔ پھر یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال وغیرہ بھی فرشتے اسی مقام تک پہنچاتے ہیں۔ اسی کے قریب جنۃ الماویٰ ہے جو انسان کا اصل مقام اور ٹھکانا ہے۔ یہیں آدم وحوا کی تخلیق ہوئی۔ یہیں سے ان کو زمین پر اتار گیا اور پھر یہیں اہل جنت کا مقام ہوگا۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت باری تعالیٰ ہوئی اس وقت سدرۃ کو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات نے ڈھانپ رکھا تھا اور فرشتوں کی کثرت وہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ سنہری پروانے تھے۔ اس وقت اس کی خوبصورتی، بہار اور حسن و جمال ایسا تھا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی پوری کیفیت لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نہ ادھر ادھر بھٹکی اور نہ چوکی بلکہ جو کچھ آپ نے دیکھا وہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا۔ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں یعنی عجائب ملکوتی جن کی سیر آپ نے شب معراج میں آمد و رفت کے دوران کی تھی مثلاً براق، آسمان، انبیاء، ملائکہ، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ۔ ان سب کا شمار عجائب ملکوتی میں ہوتا ہے۔

حضرت انس، حسن اور عکرمہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یعنی اپنی آنکھ سے دیکھا۔ بغوی نے عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہا اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلت کے لئے چن لیا (اور خلیل اللہ فرمایا) اور حضرت موسیٰ کو کلام کے لئے اور حضرت محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنی) رویت کے لئے۔ ترمذی نے شعبی کی روایت سے بیان کیا کہ کعب احبار نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا۔ اللہ نے اپنے کلام اور دیدار کو موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دو بار کلام کیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار دیکھا۔ (مظہری ۱۰۴، ۱۱۵/ ۹، حقانی ۱۵۔ ۱۷/ ۴، ابن کثیر ۲۴۷۔ ۲۵۳/ ۴)

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں **لا تدرکہ الابصار** جو فرمایا گیا ہے اس سے مراد احاطے کی نفی ہے یعنی نگاہیں (اس دنیا میں) اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اسی لئے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ **ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ** (ترمذی) افسوس ہے تجھ پر! (یہ تو اس وقت ہے) جب وہ اس نور سے تجلی فرمائے جو اس کا (ذاتی) نور ہے یعنی تجلی ذاتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو آخرت میں جو رویت نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں البتہ ابن عباس کی روایت کے موافق شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص درجے کی رویت حاصل ہوئی۔ اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک وسہیم نہیں۔ (عثمانی ۶۱۴/ ۲)

حضرت امام مالک نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی

نگاہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ باقی ہے پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا۔ تقریباً یہی مضمون قاضی عیاض سے بھی منقول ہے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا (فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۳) اس سے تو اس کا امکان بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا ہو، اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطے سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ عالم دنیا میں نہیں ہیں۔ (معارف القرآن ۸/۲۰۵)

حضرت ابن عباس کی روایت میں راہ مرتین آیا ہے۔ بعض روایات کے الفاظ سے اس کی مراد یہ لی جاتی ہے کہ مرۃ بقلبد و مرۃ راہ بعینہ یعنی ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی۔ یہ بھی امکان ہے کہ ایک مرتبہ کی رویت تو شب معراج کی ہو اور دوسری مرتبہ کی رویت وہ ہو جو ایک رات آپ کو حالت منام میں ہوئی اور جس کا ذکر حدیث اختصام ملاء اعلیٰ میں ہے۔ حدیث اختصام ملا اعلیٰ یہ ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب ایک بہترین صورت میں میرے سامنے متجلی ہوا حالت نوم میں اور فرمایا اے محمد! جانتے ہو ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ تو رب العزت نے اپنا دست بے مثال میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جس کی ٹھنڈک (لطافت و سکینت) میں اپنے سینے کے درمیان محسوس کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر جب سوال کیا تو میں نے جواب دیا نعم افی الکفارات والدرجات الخ (ہاں کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں)۔ (مواہب الرحمٰن ۶۴، ۶۵/ ۲۷، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۹/ ۷)

مشرکین کے باطل عقائد

۱۹۔۲۵۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

کیا تم نے لات اور عُزّیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو بھی کیا تمہارے لئے لڑکے اور اس کے لئے لڑکیاں؟ یہ تو بہت ہی بری تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داد نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری یہ لوگ صرف گمان اور نفسانی خواہش کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔ کیا انسان کو مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے سو آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اللّٰتَ: ایک بت کا نام ہے جسے اہل عرب پوجتے اور اس کے گرد گھومتے تھے۔

الْعُزّٰى: ایک بت کا نام۔

مَنٰوةَ: قبیلۂ خزاعہ کے ایک بت کا نام۔

ضِيْزٰى: بہت بھدی، بہت بے ڈھنگی، بہت ناقص۔ ضَیْزٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: عرب میں تین بت لات، عُزّیٰ اور مَناۃ زیادہ پوجے جاتے تھے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت ان کے مسکن ہیں۔ ان تین بتوں کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے بت تھے جن کو عرب کے لوگ پوجتے تھے اور ان کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ چونکہ تین کی شہرت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین ہی کا ذکر فرمایا۔ لوگ ان کے طواف بھی کرتے اور ان کے نام پر جانور بھی چڑھاتے تھے۔

۱۔ **لات**: عرب میں ایک شخص حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی قبر پر جانے لگے اور رفتہ رفتہ اسی کی عبادت کرنے لگ گئے۔ لات (تا کی تشدید کے ساتھ) گھولنے والا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس لئے ستو گھولنے کی نسبت سے اس کا نام لات مشہور ہو گیا۔ یہ ایک سفید منقش پتھر تھا جس پر قبہ بنا ہوا تھا۔ لوگ اس پر غلاف چڑھاتے تھے، اس کے نام پر جانور قربان کرتے تھے اور اس کے آس پاس کی جگہ کو حرم کی مانند حرمت و بزرگی والی جانتے تھے۔ یہ طائف میں تھا۔ قبیلہ ثقیف کے لوگ اس کو پوجتے تھے اور وہی اس کے متولی تھے۔ یہ لوگ قریش کے سوا باقی تمام

قبائل پر اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابو سفیان صخر بن حرب کو بھیجا تھا۔ انہوں نے اس کو منہدم کر کے اس کی جگہ مسجد بنا دی۔

۲۔ **عزیٰ**: مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں ایک درخت تھا جس کو غطفان کا قبیلہ پوجتا تھا۔ لوگوں میں اس کی بڑی ہیبت تھی۔ غزوۂ احد کے دن ابو سفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ عزیٰ ہمارا ہے۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوایا تھا کہ اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا کوئی والی نہیں۔ جس طرح قربانی کے جانور بیت اللہ بھیجے جاتے تھے اسی طرح عزیٰ کے نام پر بھی جانور چڑھائے جاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت خالد بن ولید کو اس کے کاٹنے کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت خالد نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

۳۔ **مناۃ**: یہ ایک پتھر تھا۔ اوس اور خزرج اور ان کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا اور مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قُدَیذ میں نصب تھا۔ اس پر ایک مجاور اور مقرر تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے سعد بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف بھیجا۔ سعد بن زید ۲۰ سواروں کو لے کر وہاں پہنچے اور اس کو ڈھا دیا۔ ان تین بتوں کے علاوہ اور بھی مشہور بت تھے۔ مثلاً:

۴۔ **ذوالخلصہ**: یہ قبائل دوس۔ خثعم اور بجیلہ کا بت تھا۔ یہ تبالہ میں تھا اور لوگ اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور بیت اللہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کے ہاتھوں فنا ہوا۔

۵۔ **فلس**: یہ جبل طئی میں قبیلہ طئی اور ان کے آس پاس کے عربوں کا بت تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔

پھر فرمایا کہ یہ مشرکین اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں۔ یہ تو بہت ہی بے جا تقسیم ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے اس کو اللہ کے لئے خاص کرتے ہو۔ یہ فرضی معبود تو صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ تو محض اپنے گمان اور اپنے نفس کی خواہشات پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے اور ان کو ایسا واضح اور سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے کہ جس پر چل کر ہر انسان دین و دنیا کی فلاح پا سکتا ہے۔ مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ کے ہاں یہ باطل معبود ان کی شفاعت کریں گے محض ان کی خام خیالی ہے۔ کسی کافر کو وہ چیز نہیں مل سکتی جس کی وہ تمنا کئے ہوئے ہے یعنی

بت اللہ کے ہاں ان کی شفاعت نہیں کر سکتے کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اس لئے بتوں کو پوجنے سے کچھ نہیں ملے گا۔ جو ملے گا اللہ ہی سے ملے گا۔ اس کے دینے اور نہ دینے میں کسی کی تمنا کا کوئی دخل نہیں۔ (ابن کثیر ۲۵۳، ۲۵۴ / ۴، مظہری ۱۱۵، ۹/۱۱۸)

مشرکین کی کج فہمی

۲۶۔۳۰۔ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿٣٠﴾

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی سفارش کسی کے کچھ کام نہیں آتی سوائے اس کے کہ اللہ ہی جس کے لئے چاہے ان کو (سفارش کی) اجازت دے اور (اس سفارش کو) پسند کرے۔ بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے زنانے نام رکھتے ہیں حالانکہ ان کو اس کا کچھ علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بیشک گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ سو آپ بھی اس سے منہ موڑ لیجئے جس نے ہماری یاد سے منہ موڑ اور صرف دنیا کی زندگی چاہی۔ یہی ان کے علم کی انتہا ہے۔ بیشک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے۔

تشریح: ان بتوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے آسمانوں میں رہنے والے مقرب فرشتوں کی شفاعت بھی کافروں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اول تو فرشتے ہوں یا کوئی اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت

نہیں کر سکتے ۔ اگر سب مل کر کریں بھی تب بھی کچھ حاصل نہیں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا خواہ وہ فرشتہ ہو یا کوئی اور وہی شفاعت کر سکے گا پس جس کے لئے اللہ شفاعت کی اجازت دے گا اور اس کے لئے شفاعت کو پسند کرے گا اسی کی شفاعت کی جائے گی، ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نہ بتوں کو سفارش کا حکم دے گا اور نہ وہ کافروں سے راضی ہے لہٰذا بتوں کی سفارش کی امید رکھنا محض وہم ہے۔

بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ۔ یہ ان کی محض جہالت ہے ۔ یہ لوگ بے اصل خیالات اور صرف اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں ۔ بلاشبہ بے اصل خیالات اور تخمینی باتیں ثابت حقیقت کے مقابلے میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتیں ۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا اور ان کے لڑکیوں جیسے نام رکھنا انتہائی بے عقلی اور فطرت سے بعید بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بڑی بے باکی ہے ۔ آپ ایسے لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیجئے جو ہماری نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں ۔ ان سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے آپ کو گھلانا بے کار ہے ۔ ان کی زندگی کا مقصد تو صرف دنیاوی فائدہ ہے اس لئے وہ ہمہ وقت اسی کے حصول میں منہمک رہتے ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے ۔ حقیقت میں یہ لوگ چوپایوں کی طرح بے عقل بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں ۔ اس لئے ان سے قبول حق کی توقع کرنا بیکار ہے ۔

ایسے لوگوں کے علم کی رسائی اور منتہائے فکر صرف دنیاوی امور تک ہے اس سے آگے ان کی فہم و عقل کی رسائی نہیں ۔ بیشک جو لوگ گمراہی میں پڑے رہے اور جو راہ راست پر رہے اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے ۔ اس لئے وہ اپنے علم محیط کے مطابق ہر ایک سے اس کے احوال کے مناسب ٹھیک ٹھیک معاملہ کرے گا ۔ (عثمانی ۲/۲۱۶)

خودستائی کی مذمت

۳۱، ۳۲۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (انجام کار) اللہ بدکاروں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔ جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں مگر ان سے کچھ لغزشیں (سرزد ہو جاتی ہیں) تو آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے سو تم اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ وہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اَسَاءُوْا: انہوں نے برا کام کیا۔ انہوں نے برائی کی ۔اِسَاءَةٌ سے ماضی۔

اللَّمَمَ: کچھ آلودگی۔ گناہ کے نزدیک جانا۔ صغیرہ گناہ۔

اَجِنَّةٌ: (پیٹ کے) بچے۔ واحد جَنِيْنٌ.

تشریح: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہی مالک و شہنشاہ حقیقی ہے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ وہ نیکی پر اچھا بدلہ اور بدی پر بری سزا دے گا اس کے نزدیک بھلے لوگ وہ ہیں جو اس کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں سے اور بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے بچتے رہتے ہیں۔ اگر کبھی بمقتضائے بشریت ان سے کوئی چھوٹا سا گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے جیسے ارشاد ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿﴾

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمہیں منع کر دیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیاں معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ یعنی جنت میں داخل کر دیں گے۔ (النساء:۳۱)

پھر فرمایا کہ تیرے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے وہ جس کے چاہے گا گناہ معاف فرما دے گا جیسے ارشاد ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ

رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جان پر اسراف کیا تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑی بخشش والا اور بڑے رحم والا ہے۔ (الزمر:۵۳)

وہ تمہیں دیکھتا اور تمہارے ہر حال کا علم رکھتا ہے۔ وہ تمہارے ہر کلام کو سنتا اور تمہارے چھوٹے بڑے اور ظاہر و پوشیدہ تمام اعمال سے واقف ہے وہ تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے لہٰذا تم اپنی پاکیزگی اور تقوی و طہارت کے دعوے نہ کیا کرو۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون تقوے والا ہے اور کس کا خاتمہ عمل صالح پر ہوگا۔ (ابن کثیر ۲۵۵۔۲۵۷/۴)

اعمال کی جوابدہی

۳۳۔۴۱، اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَاۗءَ الْاَوْفٰى ۝

کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے ایمان لانے سے منہ پھیر لیا اور تھوڑا سا دیا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کیا اس کو اس کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ اور وفادار ابراہیم کے صحیفوں میں تھا کہ کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش جلد دکھائی جائے گی۔ پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اَكْدٰى: اُس نے بند کر دیا، اس نے روک دیا، وہ پتھر کی مانند سخت نکلا۔ اِكْدَاءٌ سے ماضی۔

تَزِرُ: وہ بوجھ اٹھاتی ہے۔ وِزْرٌ سے مضارع۔

تشریح: مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اللہ کے عذاب سے ڈر کر وہ اسلام قبول کرنے کے قریب تھا کہ مشرکین اس کو ملامت کرنے لگے۔ اس نے کہا کہ اگر قیامت آ گئی جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو پھر وہاں کا عذاب کس طرح برداشت کروں گا۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔ اس پر ایک کافر نے کہا کہ اگر وہاں عذاب کی نوبت آئی تو میں ضامن ہوں۔ میں تیرے سب گناہ اپنے اوپر لیے لیتا ہوں اور تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا بشرطیکہ تو مجھے اس قدر مال دیدے۔ ولید نے وعدہ کر لیا اور مقررہ رقم میں سے کچھ رقم ادا کر دی۔ بعد میں باقی رقم سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں واعطی قلیلا واکدیٰ کے معنی یہ ہوں گے کچھ مال دیا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلام کے لئے اس کے دل میں جو نرمی پیدا ہوئی تھی وہ مشرکین کی ملامت سے پھر کفر کی قساوت و شقاوت میں تبدیل ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ غیب کی بات دیکھ کر آیا ہے کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور یہ اپنی جگہ دوسرے کو پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔ کیا اس کو ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے حالانکہ وہ قرآن سے بہت پہلے نازل ہو چکے ہیں اور ان کی باتیں لوگوں میں معروف و مشہور ہیں۔ ان صحیفوں میں یہ بات واضح طور پر بیان کر دی گئی کہ کوئی مجرم دوسرے گنہگار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی کرنا ہوگی۔ آدمی کوشش کر کے جو کچھ کماتا ہے وہی اس کا ہے کسی کی جدوجہد اور عملی کوشش ضائع نہیں ہوتی خواہ خیر ہو یا شر اس کو اس کی کوشش کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ جنت کے اندر نیک بندے کے درجے کو اونچا کر دے گا۔ بندہ عرض کرے گا۔ اے میرے رب میرے اس درجے کی بلندی کیسے ہوئی۔ اللہ فرمائے گا کہ تیرے بیٹے نے تیرے لئے مغفرت کی دعا کی تھی (اس کی وجہ سے) تیرا درجہ بلند کر دیا گیا۔

طبرانی نے الاوسط میں مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت مرحومہ امت ہے۔ اپنے ساتھ گناہ لے کر قبروں میں جائے گی اور قبروں سے بے گناہ ہو کر نکلے گی۔ مومن اس

کے لئے دعا مغفرت کریں گے جس کی وجہ سے وہ گناہوں سے پاک ہو جائے گی۔

(عثمانی ۲/۶۱۸، مظہری ۹/۱۳۰،۱۲۳)

خالق وقادر مطلق

۴۲۔۵۵۔ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی ﴿۴۲﴾ وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَ اَبْکٰی ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّہٗ
ھُوَ اَمَاتَ وَ اَحْیَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی ﴿۴۵﴾
مِنْ نُّطْفَۃٍ اِذَا تُمْنٰی ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَیْہِ النَّشْاَۃَ الْاُخْرٰی ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّہٗ
ھُوَ اَغْنٰی وَ اَقْنٰی ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّہٗ اَھْلَکَ
عَادَا ۨالْاُوْلٰی ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَا۠ فَمَآ اَبْقٰی ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ
اِنَّھُمْ کَانُوْا ھُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰی ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی ﴿۵۳﴾
فَغَشّٰھَا مَا غَشّٰی ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی ﴿۵۵﴾

اور یہ کہ آپ کے رب ہی کے پاس جانا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے اور یہ کہ اسی نے نطفے سے مذکر و مونث کا جوڑا پیدا کیا، جبکہ وہ ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا اسی کے ذمے ہے اور یہ کہ وہی غنی کرتا اور فقیر بناتا ہے اور یہ کہ وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا اور ثمود کو بھی پھر (ان میں سے) کوئی بھی باقی نہ رہا اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی، بیشک وہ بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے۔ اور (قوم لوط کی) بستیوں کو بھی الٹ دیا تھا۔ پھر ان بستیوں پر آ پڑا جو کچھ کہ آ پڑا۔ پھر تو اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلائے گا۔

اَقْنٰی: اس نے عطا کیا۔ اس نے خزانے والا بنایا۔ اس نے فقیر بنایا۔ اِقْنَاءٌ سے ماضی۔

الشِّعْرٰی: ایک ستارے کا نام، قبیلۂ خزاعہ کے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔

الْمُؤْتَفِکَۃَ: اُلٹی ہوئی، منقلب، مراد قومِ لوط کی بستیاں۔

اَھْوٰی: اُس نے پھینک مارا، اُس نے دے پٹکا۔ اِھْوَاءٌ سے ماضی۔

تَتَمَارٰی: تو جھٹلاتا ہے، تو جھگڑا کرتا ہے، تو شک کرتا ہے۔ تَمَارِیٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں یہ بھی ہے۔ اسی کی ذات پر شے کا منتہیٰ ہے سب کی حاجتیں اسی کی طرف پہنچتی ہیں اور آخر کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہی ہر ایک کو نیکی و بدی کا پھل دے گا۔ بندے جو اعمال کرتے ہیں ان کا خالق اللہ ہی ہے یہاں تک کہ ہنسی اور رونا بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس لئے غمی اور خوشی کے احوال واقعات سے دوچار کر کے وہی انسان کو ہنستا اور رلاتا ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ہر خوشی و مسرت اللہ ہی سے مانگے اور رنج و غم کے وقت اسی کو پکارے۔ موت و حیات کا خالق اللہ ہی ہے اس لئے وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی عطا کرتا ہے اور اسی نے نطفے سے جوڑا پیدا کیا یعنی نر و مادہ۔ پس جس ذات کی شان خالقیت ایسی ہو اس کے لئے قیامت کے دن انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اس لئے قیامت کے روز وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے ضرور اٹھائے گا اور وہی اپنے بندوں کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور رزق کے معاملے میں کسی کا محتاج نہیں رکھتا۔ وہ جس کو چاہتا ہے زمین، جائیداد، مویشی اور اموال دے کر مال دار بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ شعریٰ ستارے کا پروردگار بھی وہی ہے تمام اُلٹ پھیر اُسی کے دست قدرت میں ہیں۔ شعریٰ ایک بہت بڑا ستارہ اور اللہ کی مخلوق ہے، لات و عزیٰ کی طرح یہ بھی قابل عبادت نہیں۔ اہل عرب اور مشرکین اس کو پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ احوال عالم میں اس کی بڑی تاثیر ہے۔ اللہ ہی نے قوم ہود اور قوم ثمود کو ہلاک کیا اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ ان سے پہلے قوم نوح کو بھی اسی نے ہلاک کیا، بیشک یہ سب بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اسی نے بستیاں الٹ کر قوم لوط کو ہلاک کیا اور اوپر سے نامزد کنکر برسائے۔ تو اے مخاطب تو اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت میں شک کرے گا اور کس کس نعمت کو جھٹلائے گا۔ (عثمانی ۲/۶۱۸)

قیامت کا قریب ہونا

۵۶۔۶۲۔ هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾ أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

یہ نبی بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں۔ آنے والی
(قیامت) قریب آ گئی اللہ کے سوا اس (کے ٹھیک وقت) کو کوئی کھول
کر نہیں دکھا سکتا۔ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو، روتے نہیں
اور غفلت میں پڑے ہو۔ اب اللہ کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔

تشریح: اے مشرکین مکہ جس طرح سابقہ انبیاء اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے رہے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجرموں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں۔ یہ اللہ کے آخری نبی ہیں ان پر ایمان لانے میں کسی طرح تامل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ قیامت قریب آ چکی ہے۔ اس کے آنے کا صحیح وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا البتہ جب وہ آ جائے گی تو کسی کی طاقت نہیں کہ اس کو ٹال سکے۔ اس کی ہولناکیاں اور شدید مصائب اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔

کیا تم کلام خداوندی یعنی قرآن مجید پر تعجب کرتے ہو حالانکہ قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر تو تمہیں اللہ کے خوف سے رونا چاہئے تھا۔ اور اپنے بچاؤ کی تیاری کرنی چاہئے تھی۔ مگر تم تو الٹا اس پر تعجب کرتے اور ہنستے ہو اور عذاب کے خوف سے رونے کی بجائے تکبر کرتے ہو۔ قرآن اور اللہ کے احکام ہنسی مذاق کی چیزیں نہیں اس لئے ان سے غفلت واعراض اور تکبر نہیں کرنا چاہئے۔ سو اب خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ ثواب اور وعید عذاب پر یقین رکھتے ہوئے اسی کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ (مذکورہ آیات کے نزول کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا۔ (مظہری: ج ۹، ص ۱۳۴)

سورۃ القمر

وجہ تسمیہ: اس کو سورۃ القمر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کے عظیم الشان معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے۔ جو قیامت کی نشانی اور اس کے قریب آجانے کی علامت تھا۔

تعارف: اس میں تین رکوع، ۵۵ آیات، ۳۴۲ کلمات اور ۱۴۲۳ حروف ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکے میں نازل ہوئی، لیکن مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت مکیہ ہے سوائے تین آیتوں کے (ام یقولون نحن...... ادھیٰ وامرّ تک)۔ سورۃ کی ابتدا شق القمر کا عظیم الشان معجزہ بیان کر کے فرمائی گئی۔ پھر اقوامِ سابقہ کا مختصر احوال اور مجرموں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

ابو واقد اللیثی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید و بقر عید میں سورۂ ق اور سورت اقتربت الساعۃ پڑھتے تھے۔ (روح المعانی ۷۳/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۱۲۲/ ۲۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شق القمر کا واقعہ اور قومِ نوح اور قومِ عاد کی طرف سے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۲: قومِ ثمود اور قومِ لوط کی طرف سے پیغمبروں کی تکذیب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: آلِ فرعون کی طرف سے اپنے پیغمبر کی تکذیب اور مجرموں اور پرہیز گاروں کا حال مذکور ہے۔

واقعۂ شق القمر

۱، ۸۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ۝

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ
إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ
هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝

قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ اگر وہ (منکرین) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ انہوں نے تکذیب کی اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ یقیناً اُن کے پاس ایسی خبریں پہنچ چکیں جن میں (کافی) عبرت اور کامل دانائی ہے لیکن خوف دلانے والی چیزوں نے (بھی) ان کو کچھ فائدہ نہ دیا، سو آپ ان سے کنارہ کرلیں۔ جس (قیامت کے) دن بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا (اس دن) وہ آنکھیں جھکائے ہوئے قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے۔ (وہ) بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور) کافر کہیں گے کہ یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔

اِنْشَقَّ: وہ شق ہو گیا، وہ پھٹ گیا۔ اِنْشِقَاقٌ سے ماضی۔

مُسْتَمِرٌّ: قدیمی، ہمیشہ کا، مضبوط۔ اِسْتِمْرَارٌ سے اسمِ فاعل۔

مُسْتَقِرٌّ: قرار پکڑنے والا، ٹھہرنے والا۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسمِ فاعل۔

مُزْدَجَرٌ: ڈانٹ، نصیحت، منع کرنا۔ اِزْدِجَارٌ سے مصدر میمی۔

نُكُرٍ: ناگوار، انجان، نہایت ہول ناک۔

خُشَّعًا: خشوع کرنے والے، عاجزی کرنے والے۔ خُشُوْعٌ سے اسمِ فاعل۔

اَجْدَاثِ: قبریں۔ واحد جَدَثٌ۔

جَرَادٌ: ٹڈیاں۔ اسم جنس ہے۔ واحد جَرَادَةٌ۔

مُهْطِعِيْنَ: دوڑ کر آنے والے، اُمنڈ کر آنے والے۔ اِهْطَاعٌ سے اسمِ فاعل۔

عَسِرٌ: سخت، مشکل، دشوار۔ عُسْرٌ سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: ہجرت سے کوئی پانچ سال پہلے آپ ﷺ کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔ ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ مشرکین مکہ جمع ہو کر آپؐ کے پاس آئے اور آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی تو آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مشرکین کہنے لگے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیں کہ نصف ٹکڑا جبل ابی قبیس پر اور نصف حصہ جبل قعیقعان پر ہو۔ شق القمر کا مطالبہ کرنے والوں میں قریش کے بڑے بڑے سردار ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن مطلب، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث اور زمعہ بن اسود شامل تھے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر یہ معجزہ دکھا دوں تو ایمان بھی لاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئیں گے۔ یہ چاند کی چودھویں رات تھی اور آپ منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے رب عز وجل سے دعا کی کہ جو کچھ مشرکین سوال کر رہے ہیں وہ آپ کو عطا فرما دے۔ پھر آپؐ نے انگشتِ شہادت سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا جبل قعیقعان پر تھا۔ اس وقت لوگوں کی حیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ بار بار اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو دو ٹکڑے نظر آتے تھے، آپ ﷺ لوگوں سے فرما رہے تھے کہ دیکھو اور شہادت دو۔ عصر سے رات تک جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی حالت میں رہا۔ نہ صرف قریش نے چاند کو اس حالت میں دیکھا بلکہ اطراف و جوانب سے آنے والوں نے بھی شقِ قمر کی تصدیق کی کہ فلاں شب کو انہوں نے چاند کو دو حصوں میں دیکھا۔

طبرانی اور ابنِ مردویہ نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند گرہن ہوا تو منکرین کہنے لگے کہ چاند پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اس پر آیات **اقتربت الساعة .... الی مستمر** نازل ہوئیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قریب آ گئی اور اس کے قریب آنے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ چاند پھٹ گیا اور دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا دوسری طرف۔ ایسا عظیم الشان معجزہ اور نشانی دیکھنے کے بعد ان مشرکوں کو فوراً ایمان لے آنا چاہئے تھا مگر اُن کا حال یہ ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی بے رخی کرتے ہیں اور تسلیم کرنے کی بجائے اس کو بے حقیقت جادو بتاتے ہیں۔

کافروں کی پرانی عادت ہے کہ وہ وحی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں ۔ اسی لئے مشرکینِ مکہ نے بھی معجزہ اور پیغمبر کی نشانی کو دیکھ کر قدرتِ خداوندی کی تکذیب کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کی ۔ اُن کی اس بے رخی اور اعراض کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو عذابِ الٰہی سے اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اُن کو مہلت دی کیونکہ اللہ کی طرف سے ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے ۔ عذاب کا بھی وقت مقرر ہے، وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا ۔ اللہ کے علم میں اُن کی جو گمراہی اور ہلاکت ٹھہر چکی ہے وہ کسی صورت ٹلنے والی نہیں ۔

قرآنِ کریم تو حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے، جو ذرا سی نیک نیتی اور توجہ سے دل میں اُترتی چلی جاتی ہیں ۔ اس قرآن کے ذریعے ان کے پاس گزشتہ اقوام اور آخرت کی بہت سی خبریں اور احوال پہنچ چکے ہیں جن میں اُن کے لئے عبرت و نصیحت کا کافی سامان ہے لیکن ان کافروں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا، کوئی نصیحت و فہمائش ان پر اثر نہیں کرتی، اب ان بدبختوں سے ہدایت قبول کرنے کی توقع نہیں ۔ سو آپ بھی ایسے سنگ دلوں سے رُخ پھیر لیجئے اور اُس دن کا انتظار کیجئے جس دن ایک پکارنے والا، ایک ناگوار چیز یعنی حساب و کتاب کے لئے بلائے گا ۔ اس وقت ان کافروں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ۔ وہ قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے زمین پر ٹڈی دل پھیلا ہوا ہو اور وہ اپنی گردنوں کو دراز کئے ہوئے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے ۔ یہ ایسا منظر ہوگا کہ کافر پکار اُٹھیں گے کہ یہ تو بہت ہی سخت دن ہے ۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری اور حساب و کتاب کے لئے پیشی کوئی آسان معاملہ نہیں ۔ البتہ اہلِ ایمان و تقویٰ اطمینان و سکون اور فرحت و انبساط سے میزانِ عمل کی طرف جائیں گے ۔ (عثمانی ۶۲۲/۲، مظہری ۱۳۵۔۱۳۷/۹)

قومِ نوح کی تکذیب

۹۔۱۷ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ
وَازْدُجِرَ ۝٩ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝١٠ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ
السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۝١١ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ
قَدْ قُدِرَ ۝١٢ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ۝١٣ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا
جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝١٤ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝١٥

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور کہہ دیا تھا کہ (یہ تو) دیوانہ اور دھتکارا ہوا ہے، سو اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر، پھر ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین سے (پانی کے) چشمے بہادیئے اور اس کام کے لئے جو مقدر کیا گیا تھا خوب پانی جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر لیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ سب اس (نبی) کا بدلہ لینے کے لئے کیا گیا جس کی بے قدری کی گئی تھی۔ ہم نے (اس کشتی یا واقعے کو) نشانی کے طور پر باقی رکھا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ پھر دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

اُزْدُجِرَ: وہ ڈانٹا گیا، اس کو دھتکارا گیا۔ اِزْدِجَارٌ سے ماضی مجہول۔

مُنْهَمِرٍ: موسلا دھار برسنے والا، خوب برسنے والا۔ اِنْهِمَارٌ سے اسمِ فاعل۔

فَجَّرْنَا: ہم نے پھاڑا، ہم نے جاری کیا، ہم نے ملایا۔ تَفْجِيْرٌ سے ماضی۔

دُسُرٍ: کیلیں، میخیں، رسیاں۔ واحد دِسَارٌ۔

مُدَّكِرٍ: نصیحت حاصل کرنے والا، عبرت پکڑنے والا۔ اِدِّكَارٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: ان مشرکینِ مکہ سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی اپنے پیغمبر حضرت نوحؑ کو جھٹلایا اور دیوانہ کہا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ پھر جب اللہ کی طرف سے وحی آ گئی کہ قوم میں سے جو لوگ ایمان لانے والے تھے وہ ایمان لا چکے۔ اب آئندہ ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا، تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! میں تو عاجز و بے بس ہو گیا ہوں۔ یہ لوگ مجھ پر غالب آ گئے ہیں۔ اب تو ہی میرا انتقام لے اور میری مدد فرما۔ سو اللہ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور آسمان سے طوفانی بارش برسائی اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ پھر زمین سے اُبلنے والے اور آسمان سے برسنے والے دونوں پانی

اسی طرح مل گئے کہ قوم نوح اس میں غرق ہوگئی اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک بھی کسی کو پناہ نہ ملی۔ اس طرح قوم نوح کی غرقابی کا فیصلہ جو اللہ کے ہاں مقدر تھا، نافذ ہوگیا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو ایک کشتی پر سوار کر کے اس طوفان سے بچالیا۔ یہ کشتی جو تختوں اور میخوں سے بنائی گئی تھی ہماری حفاظت اور نگرانی میں چل رہی تھی۔ ہر نبی اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت تھے لیکن قوم نے اس نعمت کا کفران کیا جو اللہ نے ان کو نوح کی صورت میں عطا کی تھی، اس لئے اللہ نے اس ناشکری پر قوم کو غرق کر دیا اور حضرت نوحؑ کو کشتی پر سوار کر کے بچالیا۔

ہم نے اس واقعے کو نشانی بنا کر ہمیشہ کے لئے باقی رکھا تاکہ اللہ کے پیغمبروں کی نافرمانی اور انکار کرنے والے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ کیا کوئی اس میں غور و فکر کر کے نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو حفظ کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ اس سے پہلے یہ بات کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ پوری کتاب جیسے توریت یا انجیل یا زبور، زبانی یاد ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی ہی کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورے قرآن کو ایسا حفظ کر لیتے ہیں کہ ایک زبر زیر کا فرق نہیں آتا، چودہ سو برس سے ہر زمانے، ہر طبقے اور ہر خطے میں ہزاروں، لاکھوں حافظوں کے سینوں میں یہ قرآن محفوظ ہے۔ آیت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے اپنے مضامینِ عبرت و نصیحت کو ایسا آسان کر کے بیان کیا ہے کہ جس طرح بڑے بڑے عالم، فلسفی اور حکیم اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اسی طرح عام آدمی بھی اس کے عبرت و نصیحت کے مضامین پڑھ کر اس سے متاثر ہوتا ہے۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۲۳۰/ ۸، مظہری ۱۳۷، ۹/۱۳۸)

قومِ عاد کی تکذیب

۱۸، ۲۲ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

قومِ عاد نے (بھی) تکذیب کی، سو دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا،

بے شک ہم نے ایک دائمی نحوست کے دن میں اُن پر ایک تند ہوا بھیجی جو
لوگوں کو اس طرح اُکھاڑ پھینک رہی تھی کہ گویا وہ جڑ سے اُکھڑے ہوئے کھجور
کے درخت ہیں۔ سو دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ بے شک ہم نے
قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

صَرْصَرًا: تیز آندھی جس میں سخت آواز ہو۔ سخت ٹھنڈک۔

تَنْزِعُ: وہ اُکھاڑ پھینکتی ہے، وہ چھین لیتی ہے، وہ گرا دیتی ہے۔ نَزْعٌ سے مضارع۔

اَعْجَازُ: (درختوں کے) تنے۔ واحد عَجُزٌ۔

مُنْقَعِرٍ: جڑ سے اُکھڑا ہوا۔ اِنْقِعَارٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: قومِ نوح کی طرح قومِ عاد بھی سرکشی پر اُتر آئی تھی۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، سو دیکھ لو کہ نزولِ عذاب سے پہلے میں نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا تھا اور جس کا وہ تمسخر اور ہنسی اُڑایا کرتے تھے وہ ان کے لئے کیسا ہولناک ثابت ہوا، پھر جب عذاب آیا تو سب ہلاک ہو گئے اور اُن کی ہلاکت و تباہی کی عبرت ناک تاریخ قیامت تک نمونۂ عبرت بنا دی گئی۔

بے شک ہم نے ان پر اُکھاڑ پھینکنے والی تند و تیز ہوا بھیجی تھی۔ یہ دن اُن کے لئے بہت ہی منحوس تھا کہ اس دن شروع ہونے والی سخت آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور ان کو تہ و بالا کرتی رہی۔ اس نے چھوٹے بڑے اور بچے بوڑھے کسی کو نہ چھوڑا، سب کو ہلاک کر دیا۔ یہ آندھی لوگوں کو اس طرح اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہی تھی کہ گویا وہ جڑ سے اُکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں۔ اُن کو کھجور کے تنوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ وہ لوگ نہایت تنومند اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے۔ وہ زمین پر ایسے پچھڑے ہوئے تھے گویا کہ کھجور کے درخت اُکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہیں۔ میں نے تو اس قرآن کو عبرت حاصل کرنے یا یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، جو چاہے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے یا اس کو زبانی یاد کرے۔

قومِ ثمود کی تکذیب

۲۳، ۲۴۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ
اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾
إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ
أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ
فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا، وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایک ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ہے اور تنہا ہے۔ تب تو ہم ضرور گمراہی، اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت اُتری بلکہ وہ تو بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے۔ اس کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور خود پسند ہے، بے شک ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجیں گے، سو (اے صالح) تم انہیں دیکھتے رہنا اور صبر سے کام لینا اور اُن کو بتا دینا کہ ان کے درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے، ہر ایک اپنی باری پر آیا کرے۔ پھر انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے دست درازی کی اور (اُونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک چیخ (کا عذاب) بھیجا تو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی روندھی ہوئی باڑھ ہو اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کر دیا تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

سُعُرٌ: آگ بھڑکانا، جنون، دیوانگی۔

اَشِرٌ: بڑائی مارنے والا، بہت زیادہ اترانے والا۔ اَشَرٌ سے صفت مشبہ۔

اِرْتَقِبْهُمْ: تو اُن کا انتظار کر۔ اِرْتِقَابٌ سے امر۔

اِصْطَبِرْ: تو صبر کر۔ تو قائم رہ۔ اِصْطِبَارٌ سے امر۔

تَعَاطٰی: اس نے دست درازی کی، اس نے وار کیا، اس نے پکڑا۔ تَعَاطِیْ سے ماضی۔

عَقَرَ: اس نے کونچیں کاٹ دیں، اس نے پاؤں کاٹ دیئے، اس نے ذبح کر دیا۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

هَشِيْم: بھس، روندا ہوا، ریزہ ریزہ۔

مُحتَظِرِ: کانٹوں کی باڑ لگانے والا۔ اِحتِظَارٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: قومِ ثمود نے بھی اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ جب ان کو انکار اور تردید کی کوئی دلیل نہیں ملی تو کہنے لگے، کہ کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہماری طرح کا آدمی ہے اور اکیلا ہے اور کوئی بھی اس کے تابع نہیں ہے۔ اگر ہم نے اس کی تابع داری اختیار کرلی تو یہ ہماری بڑی غلطی اور دیوانہ پن ہوگا۔ آخر اس پر کیوں وحی نازل کی گئی حالانکہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو وحی کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ حقیقت میں یہ سچا نہیں ہے، بلکہ نبوت کا دعویٰ کرکے یہ ہم سے بلند مرتبہ بننا چاہتا ہے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عن قریب جب عذاب نازل ہوگا تو یہ لوگ جان لیں گے کہ کون جھوٹا اور بڑائی مارنے والا ہے۔ پھر جب قومِ ثمود نے نبوت کے ثبوت کے لئے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا اور خود ہی اس کی صورت بھی تجویز کردی کہ پتھر کی ایک چٹان کے اندر سے ایک دس ماہ کی حاملہ سرخ اونٹنی برآمد کردو تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح سے فرمایا کہ ہم ان کی آزمائش کے لئے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں، سو آپ ان کے انجام کا انتظار کیجئے اور صبر کیجئے اور ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ کنویں کا پانی ان لوگوں اور اونٹنی میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ ایک دن تمام پانی اونٹنی کے لئے ہے اور ایک دن تمام پانی قوم کے لئے ہے۔ ہر فریق اپنی اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔ پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا جس نے آکر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی جس سے وہ روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ یا کٹی ہوئی کھیتی کے سوکھے ہوئے پتوں کی مانند ہوگئے جو اُڑ کر بے نام ونشان ہوجاتے ہیں۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو عبرت ونصیحت حاصل کرنے یا زبانی یاد کرنے کے لئے آسان کردیا ہے۔ سو جو چاہے اس سے عبرت ونصیحت حاصل کرے یا اس کو زبانی یاد کرے۔

قومِ لوط کی تکذیب

۳۳، ۴۰۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ
اٰلَ لُوْطٍ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ
مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا
عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾
فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ
مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

قومِ لوط نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی، سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ ہم نے اپنے فضل سے ان کو اخیر شب میں بچالیا۔ جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ البتہ لوط نے تو ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا بھی لیکن انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے اور انہوں نے لوط کے مہمانوں کو (برے ارادے سے) لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کردیں کہ لو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔ بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

حَاصِبًا: پتھر برسانے والی تیز ہوا۔ سخت آندھی۔ حَصْبٌ سے اسمِ فاعل۔

تَمَارَوْا: انہوں نے گفتگو کی، انہوں نے بحث کی، انہوں نے جھگڑا کیا۔ تَمَارِیٌ سے ماضی۔

طَمَسْنَا: ہم نے بے نور کردیا، ہم نے مٹادیا۔ طَمْسٌ سے ماضی۔

تشریح: قومِ لوط نے بھی اپنے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کی، جنہوں نے قوم کو اللہ کی نافرمانی پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ اس بدبخت قوم کی بداعمالیوں کی سزا میں ہم نے اُن پر ایسے پتھروں کی بارش کی جن پر اُن کے نام لکھے ہوئے تھے، اور محض اپنے فضل سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کو رات کے آخری حصے میں بستی سے نکال کر عذاب سے بچالیا۔ شکر گزاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

بے شک اللہ کے رسول نے تو پہلے ہی اُن کو ہمارے عذاب سے خبردار کردیا تھا مگر انہوں نے اس خبردار کرنے میں شک وشبہ اور جھگڑا کیا۔ پھر جب اللہ کے فرشتے مہمانوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور قوم کو خبر ہوئی تو وہ اپنے بے ہودہ جذبات کی تسکین کے لئے ان پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اگرچہ گھر کا دروازہ بند کردیا تھا تاکہ یہ بدبخت، مہمانوں تک نہ پہنچ سکیں مگر وہ دروازہ توڑنے کے درپے ہوگئے۔ جب کسی طرح باز نہ آئے تو اللہ نے

ان کو بالکل اندھا کر دیا۔ اب ان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دیواریں ٹٹولتے ہوئے باہر نکلے۔
پھر فرمایا کہ اب میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اندھا کرنے کے بعد صبح سویرے ہی ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُوپر سے ان پر پتھر برسائے گئے۔
بے شک ہم نے اس قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کوئی بھی اس سے عبرت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

آلِ فرعون کی تکذیب

۴۱،۴۶۔ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝

البتہ آلِ فرعون کے پاس بھی ڈرانے والے آئے تھے، انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے بھی اُن کو بڑی زبردست گرفت سے قابو میں لے لیا۔ اے اہلِ مکہ! کیا تم میں جو کافر ہیں وہ ان کافروں سے بہتر ہیں یا پہلی کتابوں میں تمہارے لئے نجات لکھ دی گئی ہے یا وہ کہتے ہیں کہ ہم (بدلہ لینے کے لئے) زبردست جماعت ہیں۔ عن قریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی بلکہ قیامت (کی گھڑی) اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے۔

مُقْتَدِرٍ: ہر طرح کی قدرت والا، قابو والا۔ اِقْتِدَارٌ سے اسمِ فاعل۔
مُنْتَصِرٌ: بدلہ لینے والا، طاقت ور۔ اِنْتِصَارٌ سے اسمِ فاعل۔
یُهْزَمُ: وہ شکست دیئے جائیں گے، اُن کو ہرایا جائے گا۔ هَزِيْمَةٌ سے مضارع۔
اَدْهٰی: بہت سخت، بڑی آفت، سخت رُسوا کرنے والا۔ دَهْیٌ سے اسمِ تفضیل۔
اَمَرُّ: بہت تلخ، ناگوار۔ مَرَارَةٌ سے اسمِ تفضیل۔

تشریح: ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا تھا لیکن فرعون اور اُس کی قوم نے تمام معجزوں اور نشانیوں کو جھٹلایا۔ اس پر ہم نے بھی اُن کو اپنی ایسی سخت گرفت اور عذاب میں پکڑ لیا کہ وہ اس سے بچ کر نہ نکل سکے اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا۔

اے مشرکینِ مکہ! کیا تم میں کے کافر گزشتہ کافروں سے کچھ بہتر ہیں کہ اس بنا پر عذاب سے بچ جائیں گے یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں عذاب الٰہی سے امان لکھی ہوئی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کفر اور پیغمبروں کی تکذیب کرے گا تب بھی اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ظاہر ہے ایسی کوئی بات نہیں تو پھر کیا یہ لوگ ایسی مضبوط جماعت ہیں کہ یہ ہر اُس طاقت سے بدلہ لیں گے جو اِن پر کسی قسم کی گرفت کرے گی، نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ عن قریب یہ سب شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت ان کو اپنی قوت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ بدر میں یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان سب کے عذاب پانے کا وقت مقرر ہو چکا ہے جو قیامت کا دن ہے۔ بلاشبہ قیامت بہت بڑی آفت اور سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔ اس کے عذاب و شدت کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

مجرموں اور پرہیز گاروں کا حال

۴۷۔۵۵۔ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ
عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾
وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ
صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ
مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

بے شک گناہ گار بڑی گمراہی اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں، جس دن وہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (تو اُن سے کہا جائے گا کہ) آگ میں جلنے کا مزہ چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز ایک مقررہ اندازے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم بس ایسا یک بارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ ہم تو

تمہارے جیسے بہت سے لوگوں کو غارت کر چکے ہیں، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (نامۂ اعمال میں) لکھی ہے۔ یقیناً پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ ایک اعلیٰ مقام میں صاحبِ قدرت بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔

يُسْحَبُوْنَ: وہ گھسیٹے جائیں گے، وہ کھینچے جائیں گے۔ سَحْبٌ سے مضارع مجہول۔

سَقَرَ: آگ، دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔

قَدَرٍ: مقدار، تخلیق سے پہلے اندازہ کر لینا یا امرِ مقدر جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔

لَمْحٍ: پلک جھپکنا، نظر چرا کر دیکھنا۔

اَشْيَاعَكُمْ: تمہارے ہم مذہب، تمہارے ساتھی۔ واحد شِيْعَةٌ۔

مُسْتَطَرٌ: لکھا ہوا۔ اِسْتِطَارٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: بے شک مجرمین و منکرین خواہ وہ مشرکینِ مکہ ہوں یا کوئی اور، بڑی گمراہی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے روز اُن کی یہ گمراہی اُنہیں گھسیٹ کر اوندھے منہ جہنم کی آگ میں لے جائے گی۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب جہنم کی آگ بدن کو لگنے کا مزہ چکھو۔ تب اُن کو معلوم ہوگا کہ پیغمبروں کی تکذیب کر کے انہوں نے کیسی حماقت اور پاگل پن کیا۔

بے شک ہم نے اس کائنات کی ہر چیز کو پہلے سے مقرر کردہ اندازے یعنی تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔ ہدایت ہو یا گمراہی، نیکی ہو یا بدی، تنگ دستی ہو یا فراخ دستی، سعادت ہو یا شقاوت، بیماری ہو یا تندرستی غرض ہر چیز کو ہم نے اپنی حکمت اور تقدیر کے مطابق بنایا ہے اور ہمارا حکم تو بس پلک جھپکنے کی مانند ہے یعنی چیز کو پیدا کرنے یا معدوم کرنے یا دوبارہ موجود کرنے کے لئے نہ تو کچھ وقت درکار ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کی مشقت بلکہ ہمارا اس چیز کو یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ''ہوجا'' سو وہ اُسی وقت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مُردوں کا زندہ کرنا اور قیامت کا قائم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے محض ایک دفعہ ''ہوجا'' کہنے ہی سے واقع ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب یا ہلاکت کا حکم دے تو ایک لمحے میں تمام قوم ہلاک ہو جائے گی۔

پھر فرمایا کہ اے مشرکینِ مکہ! بے شک ہم تو تم جیسی بہت سی قوموں کو جن کے پاس تم سے زیادہ ساز و سامان اور قوت و اقتدار تھا، ہلاک کر چکے ہیں تو کیا تم میں سے کوئی ان حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا نہیں۔ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں وہ سب لوحِ محفوظ میں پہلے سے درج تھا۔ اس کے ساتھ ہی کراماً کاتبین اِن کی ہر چھوٹی بڑی حرکت ان کے اعمال ناموں میں تحریر کرتے رہتے ہیں۔ جب ان کے اعمال ناموں میں درج اعمال کا لوحِ محفوظ یعنی سابقہ تقدیر سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ایک نقطے کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ ہر چھوٹا بڑا عمل دونوں جگہ بعینہٖ درج ہوتا ہے، اس لئے قیامت کے دن اُسی کے مطابق سزا و جزا ہوگی۔

ان مشرکین و منکرین کے برعکس جو لوگ کفر و شرک چھوڑ کر توحید و تقدیر پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے وہ ایسے باغوں میں ہوں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان باغوں میں ایسے پسندیدہ مقام میں عزت و اکرام کے ساتھ اپنے اس بادشاہ کے نزدیک بیٹھے ہوں گے جو تمام چیزوں کا مالک و حکمران اور ہر شے پر قادر ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

(مواہب الرحمٰن ۱۵۴۔۱۶۱/ ۲۷)

سورۃ الرحمٰن

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ الرحمن سے ہوئی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا ذکر ہے اس لئے یہ ''الرحمٰن'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو عروس القرآن بھی کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کا عروس ہے اور قرآن کا عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔ (روح المعانی ۹۶/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۱۶۲/ ۲۷)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۷۸ آیات، ۳۵۱ کلمات اور ۱۶۳۶ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے، یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ حسن، عروہ، عکرمہ، جابر اور ابن عباس کا یہی قول ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم الشان نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر اُن کی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ فقہا کے نزدیک اس سورۃ میں فبای الاء ربکما تکذبٰن کی تلاوت یا سماعت کے دوران لا بشیئ من نعمک ربنا نکذب (اے ہمارے پروردگار! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے) کہنا مسنون ہے۔ (روح المعانی ۹۷/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۱۶۲، ۱۶۳/ ۲۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ کی نعمتوں اور جنوں و انسانوں کی تخلیق کا بیان ہے۔

رکوع ۲: اللہ کی عظمت و شان کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے روز گناہ گاروں کو پہچاننے کی علامت مذکور ہے۔

رکوع ۳: خوفِ خدا رکھنے کا انعام، اہلِ جنت کے بچھونے اور اللہ کے مزید انعامات مذکور ہیں۔

اللہ کی نعمتیں

۱۔۴، اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ
رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا
الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا
لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ
ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

رحمٰن (وہی ہے جس نے) قرآن سکھایا۔ اس نے انسان کو پیدا کیا (اور) اُس کو بات کرنا سکھایا۔ سورج اور چاند حساب سے (چل رہے) ہیں، تنے اور بغیر تنے کے درخت دونوں سربسجود ہیں۔ اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو، انصاف سے تولو اور تول میں کمی نہ کرو۔ اُسی نے مخلوق کے (فائدے کے) لئے زمین کو بچھایا، اس میں میوے اور خوشے والے کھجور کے درخت ہیں اور اناج ہے جس میں بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول ہیں۔ سو (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

اَنَام: خلق۔ جن وانس جو کچھ زمین پر ہے۔

اَکْمَام: خوشے، میوے کے غلاف۔ واحد کِمٌّ۔

عَصْف: بھوسہ، چھلکا۔ واحد عَصْفَةٌ۔

رَیْحَانٌ: رزق والا، غذا والا، خوشبودار پھول۔

آلَاء: احسانات، نعمتیں، واحد اِلیٌ۔

تشریح: مشرکین مکہ رحمٰن کو نہیں جانتے تھے اور پوچھتے تھے کہ رحمٰن کیا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن وہی اللہ ہے جو تمام دنیوی اور اُخروی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید تمام دینی نعمتوں کی اصل اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ انسان کی فلاحِ دارین اسی سے وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام نعمتوں کے بیان سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد تخلیقِ انسان کو بیان کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کا اصل منشا تعلیمِ قرآن ہی ہے۔ اسی لئے اس کو قوتِ بیانیہ اور اظہارِ مدعا کی تعلیم دی تاکہ وہ اللہ کا کلام پڑھ سکے، اس کے معارف وحقائق لوگوں تک پہنچائے اور ان

کو خیر کی طرف بلائے اور برائی سے روکے۔ کافر چونکہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے تھے اسی لئے اس سورت میں ان کی تنبیہ کے لئے ۳۱ مرتبہ اللہ کی نعمتوں کو یاد دلایا گیا ہے۔ آٹھ مرتبہ تو اللہ کی آٹھ حقیقی صفات کے موافق ذکر کیا گیا۔ ان آٹھوں مقامات پر یعنی کُلَّ یَوْمٍ اللہ نے اپنی نادر صفات اور عجائب تخلیق کو بیان کیا ہے۔ سات جگہ یعنی سنفرغ لکم سے آیت یطوفون بینھا...... تک جہنم کے ابواب کی تعداد کے مطابق عذاب کی وعید اور سزا کی تخفیف مذکور ہے۔ پھر ابوابِ جنت کی تعداد کے مطابق آٹھ جگہ جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آٹھ بار جنت کی دوسری نعمتوں کا ذکر ہے۔ تاکہ جنت کی نعمتوں کی طرف رغبت ہو اور ایسی قدرت والے منعم کی نعمتوں کی ناشکری نہ کی جائے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ کوئی شخص محمد ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے، اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔ کوئی انسان ایسا کلام نہیں بنا سکتا۔ یہ اُسی رحمٰن کا کلام ہے جس نے انسان کو اپنی رحمت سے تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن ہے، سو اُسی نے اس کو قرآن کی تعلیم دی۔

چاند اور سورج کی رفتار کا حساب مقرر ہے۔ ہر ایک اپنی مقررہ رفتار اور مقررہ راستے پر چل رہا ہے۔ ان ہی کی رفتار سے گرمی سردی کے موسموں کا آنا، ماہ و سال کا امتیاز اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی مدت متعین ہوتی ہے۔ تنے اور بغیر تنے کے درخت اور سبزہ سب اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ جس طرح انسان اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اسی طرح درخت بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اسی نے اپنی قدرت سے آسمان کو اونچا بنایا اور میزان قائم کر کے عدل قائم رکھنے کا حکم دیا اور سب کو عدل کا ذمے دار ٹھہرایا تاکہ تم وزن میں حق سے تجاوز نہ کرو، ٹھیک ٹھیک وزن کرو، اس میں کمی نہ کرو۔ پہلی آیت میں طغیان یعنی حق سے زیادہ لینے کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں وزن میں کمی کرنے کی ممانعت ہے۔ دونوں آیتوں میں لفظ میزان تین دفعہ آیا ہے جس کا مقصد حکم کی تاکید ہے۔

اسی نے مخلوق کے لئے زمین کو بچھا دیا جس میں پھل اور میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھلوں کے گچھوں پر غلافت ہوتا ہے۔ پھر اس غلاف کے شق ہونے پر کھجوریں بڑی ہوتی ہیں اور پکتی ہیں۔ اسی زمین سے غلّہ اُگتا ہے جس میں دانہ بھی ہے جو انسانوں کی غذا ہے اور بھوسہ بھی جو جانوروں کی خوراک ہے اور زمین ہی سے بعض ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام نہیں آتیں بلکہ ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی ان نعمتوں میں سے

کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ (مظہری ۱۴۵۔۱۴۸، ۱۵۶/ ۹)

جن وانس کی تخلیق

۲۵،۱۴۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ
مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ﴿١٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ
وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ
يَلْتَقِيَانِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ﴿٢٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢١﴾
يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٣﴾
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾

اس نے انسان کو ٹھیکرے کی مانند کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا، سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے، سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اس نے دو دریا رواں کئے جو باہم ملے ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کرتے، سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں (دریاؤں) میں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اسی کے اختیار میں ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑوں کی طرح بلند (نظر آتے) ہیں۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

صَلْصَالٍ: بجتی ہوئی مٹی، وہ خشک مٹی جو انگلی مارنے سے بجنے لگے۔

الفَخَّارِ: ٹھیکرے، کھنکھنانے والے۔ واحد فَخَّارَةٌ۔

مَارِجٍ: آگ کی لپٹ، بھڑکتا ہوا شعلہ جس میں دُھواں نہ ہو۔

مَرَجَ: اس نے ایک دوسرے سے ملایا، اس نے آزاد چھوڑ دیا۔ مَرْجٌ سے ماضی۔

بَرْزَخٌ: پردہ، آڑ۔

الجَوَارِ:　کشتیاں، جہاز، واحد جَارِیَۃٌ۔
المُنْشَئٰتُ: اُونچی کی ہوئی (کشتیاں)۔ اِنْشَاءٌ سے اسم مفعول۔
اَعْلَام:　پہاڑ۔ واحد عَلَمٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی اور جنوں کو بھڑکتی ہوئی خالص آگ سے پیدا کیا۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ وہی دونوں مشرقوں یعنی موسمِ گرما اور موسمِ سرما میں سورج کے طلوع ہونے کی جگہ اور دونوں مغربوں یعنی گرمی اور سردی میں سورج کے غروب ہونے کے مقام کا پروردگار ہے۔ یہ اختلاف مشارق ومغارب بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ انہی کے تغیر وتبدل سے موسموں اور فصلوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے اہلِ زمین کو جو فوائد ومنافع حاصل ہوتے ہیں اُن کی کوئی حد وانتہا نہیں۔ ان عظیم الشان نعمتوں میں سے کوئی بھی نعمت ایسی نہیں کہ اس کا انکار کیا جا سکے۔

اسی نے دو دریاؤں کو باہم ملایا۔ دونوں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور وہ اپنی اپنی حد سے نہیں بڑھتے اور نہ آپس میں خلط ملط ہوتے ہیں بلکہ نمکین پانی ایک طرف بہتا ہے اور میٹھا پانی دوسری طرف، نہ نمکین پانی میٹھے پانی میں ملتا ہے اور نہ میٹھا پانی نمکین میں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریاؤں کو الگ الگ راستوں پر بہایا اور دونوں کے درمیان زمین حائل کر دی۔ ان کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر زمین کو درمیان سے ہٹا دیتے۔ یہ بھی اس کی قدرت کی ایک عظیم نشانی اور بڑا انعام ہے۔ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں۔

اسی کے قبضے اور قدرت میں وہ بڑے بڑے جہاز ہیں جو سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بلند کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ کس قدر عظیم انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صلاحیت اور عقل سے نوازا کہ وہ بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں بنا کر ان کو سمندروں میں چلائے۔ بلاشبہ نہ انسان اپنے رب کی ایسی بلند پایہ نعمتوں کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ جن ان کو جھٹلا سکتے ہیں۔

(عثمانی ۲/۶۳۱، ۶۳۰، ۲۱۱)

اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان

۲۶، ۳۰۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ
وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے صرف آپؐ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت و بزرگی والا ہے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے، آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب اُسی سے مانگتے ہیں۔ ہر روز اُس کی ایک نئی شان ہے سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

تشریح: زمین وآسمان کی تمام مخلوق فنا ہونے والی ہے، جن وانس، شجر وحجر سب موت کا مزہ چکھیں گے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی جو بزرگی اور عظمت والی ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ (القصص۔۸۸)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ختم ہونے والی ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ ذوالجلال ہے یعنی وہ اسی لائق ہے کہ اس کی عزت کی جائے، اس کا جاہ و جلال مانا جائے۔ اس کے احکام کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی سے رکا جائے۔ قیامت کے دن سب اُس کے سامنے پیش ہوں گے۔ اس دن وہ اُن کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق زبانِ حال وقال سے اپنی تمام حاجتیں اسی سے مانگتی ہے۔ کسی کو ایک لمحے کے لئے بھی اس سے استغنا نہیں۔ وہ اپنی حکمت کے موافق سب کے سوال پورے کرتا ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں جیسے ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ (محمد:۳۸)

اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم فقیر ومحتاج ہو۔

ہر وقت اس کا ایک الگ کام اور ہر روز ایک نئی شان ہے۔ اس کی شان وعظمت وکبریائی تو یہ ہے کہ وہ ہر پکارنے والے کو جواب دیتا ہے، ہر مانگنے والے کو عطا کرتا ہے، تنگ دست کو فراخ دست کرتا ہے، بیماروں کو تندرستی عنایت فرماتا ہے، غم زدوں کا غم دور کرتا ہے، بے قراروں کو قرار و آرام عنایت فرماتا ہے، مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے گناہ گاروں کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔ موت وحیات، قیدیوں کی رہائی، غلاموں کی آزادی سب اُسی کے اختیار میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ یہی اس کی شان ہے۔ پھر تم اس کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

(ابن کثیر ۴/۲۷۳،۲۷۲)

جن وانس کے لئے کوئی راہِ فرار نہیں

۳۱، ۳۶۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۬ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

اے جن وانس! ہم بہت جلد سب سے فارغ ہو کر تمہاری طرف متوجہ ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اے گروہِ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل بھاگو۔ لیکن تم (اللہ کی مدد) اور قوت کے بغیر نہیں نکل سکتے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کے شعلے اور دُھواں چھوڑا جائے گا۔ پھر تم ہٹا نہ سکو گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

تَنفُذُوْا: تم نکل بھاگو، تم باہر چلے جاؤ۔ نُفُوْذٌ سے مضارع۔

اَقْطَارِ: کنارے، اطراف۔ واحد قُطْرٌ۔

شُوَاظٌ: شعلے، لپٹ، وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔

نُحَاسٌ: دھواں، لپٹ جس میں آگ اور دھواں دونوں ہوتے ہیں، پگھلا ہوا تانبہ۔

تشریح: یہاں فارغ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی مشغولیت میں ہے بلکہ بطورِ ڈانٹ اور تہدید کے کہا گیا ہے کہ اے انس و جن! اب صرف تمہاری خبر لینے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اب صرف تمہارا ہی حساب و کتاب ہوگا اور صحیح صحیح فیصلہ کیا جائے گا اور مجرموں کو اُن کی بداعمالیوں کی سزا دی جائے گی، اور وفاداروں کو پورا پورا صلہ دیا جائے گا۔ سو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ اے جنو اور انسانو! تمہیں یہ طاقت و قدرت حاصل نہیں کہ تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل کر اللہ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بچ سکو بلکہ وہ تم سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا ہر حکم تم پر بلا روک ٹوک جاری ہے۔ جہاں جاؤ گے اسی کی حکومت ہے۔ سو قیامت کے روز قبروں سے اُٹھائے جانے کے بعد جب تم سب کو حساب و کتاب کے لئے میدانِ حشر میں لے جایا جائے گا، اس وقت اگر تم میدانِ حشر سے کہیں بھاگ جانا چاہو گے تو فرشتے اور جہنم کے کارندے تم پر آگ برسا کر، دھواں چھوڑ کر اور تمہارے سروں پر پگھلا ہوا تانبا بہا کر تمہیں واپس لے آئیں گے۔ تم نہ ان کا مقابلہ کر سکو گے، نہ انہیں دفع کر سکو گے اور نہ ان سے انتقام لے سکو گے اور نہ کوئی تمہارا ہمدرد و مددگار ہو گا جو تمہیں میدانِ حشر میں لے جانے سے روک لے۔ اے جن و انس! مجرموں کو سزا دینا کتنا بڑا انعام ہے۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں کو کس طرح جھٹلاؤ گے۔ (ابن کثیر ۴/۲۷۳، ۲۷۴)

گناہ گاروں کی علامت

۳۷، ۴۵۔ فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿۳۹﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ
فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۲﴾
هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۴۳﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَ
بَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۵﴾

پھر جب آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے نری کا چمڑہ، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اس دن نہ کسی آدمی سے اس کے گناہ کی پرسش ہوگی

اور نہ کسی جن سے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ گناہ گار اُن
کے چہروں سے پہچانے جائیں گے، پھر پیشانی اور پاؤں سے پکڑ لئے
جائیں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جس
کو گناہ گار جھٹلاتے تھے۔ گناہ گار جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان
پھریں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

وَرْدَةً: سرخ، گلابی۔ اسمِ جنس ہے۔

الدِّهَانِ: نرى، سرخ چمڑا، تیل کی تلچھٹ۔

سِيْمٰهُمْ: اُن کا حلیہ، اُن کا چہرہ، اُن کی علامت۔

نَوَاصِىْ: پیشانیاں، پیشانی کے بال۔ واحد نَاصِيَةٌ۔

حَمِيْمٍ: کھولتا ہوا پانی، نہایت گرم پانی۔

انٍ: کھولتا ہوا پانی۔ اِنیٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: جب قیامت آئے گی تو ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ آسمان پھٹ کر سرخ چمڑے کی مانند ہو جائے گا۔ اس روز جنوں اور انسانوں میں سے کسی سے اس کے گناہوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیا تھا یا نہیں کیا تھا کیونکہ یہ سب تو اللہ کے علم میں ہے اور فرشتے سب کچھ اعمال ناموں میں درج کر چکے ہیں۔ البتہ اُن سے یہ پوچھا جائے گا کہ ممانعت کے باوجود تم نے ایسا کیوں کیا اور جس کام کو کرنے کا حکم دیا گیا وہ کیوں نہیں کیا۔ ایسی باتوں سے دنیا ہی میں آگاہ کر دینا کتنا بڑا انعام ہے۔ تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

اُس دن فرشتے مجرموں کو اُن کے چہرے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ ہر مجرم کا چہرہ اُس کے جرائم کا آئینہ دار ہوگا۔ جیسے ارشاد ہے:

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آلِ عمران:۱۰۶)

اُس دن مومنوں کے چہرے روشن ہوں گے اور کافروں کے سیاہ۔

پھر مجرموں کو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا اور جہنمی زنجیروں سے باندھ کر اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اُن کی ذلت و رسوائی اور خفت و ندامت بڑھانے کے لئے اُن سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم جس جہنم کا انکار کرتے تھے اب تم اسے اپنی آنکھوں سے

دیکھ لو۔ یہ وہی جہنم ہے جسے تم زندگی بھر جھٹلاتے رہے۔ جہنم کا ایک حصہ دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں کا ہوگا اور دوسرا کھولتے ہوئے پانی کا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو۔ یہ مجرم ان دونوں کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے یعنی کبھی آگ اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ یہ اُس کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اُس نے مجرموں کے احوال تمہیں دنیا میں ہی بتادیئے تاکہ تم اُن سے اجتناب کرو اور اللہ کی اطاعت و بندگی کا راستہ اختیار کرو۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کروگے۔ (مظہری ۱۵۳۔۱۵۵/۹)

خوفِ خدا رکھنے کا انعام

۴۶۔۵۳۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِۚ۝۴۶ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِۙ۝۴۷
ذَوَاتَآ اَفْنَانٍۚ۝۴۸ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝۴۹ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ
تَجْرِیٰنِۚ۝۵۰ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝۵۱ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ
فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِۚ۝۵۲ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝۵۳

جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لئے دو باغ ہیں۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والے ہیں۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

اَفْنَان: شاخیں۔ واحد فَنَنٌ۔

فَاکِهَة: میوہ، پھل۔ جمع فَوَاکِهٌ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے عطاء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قیامت، میزان اور جنت و دوزخ کے بارے میں سوچنے لگے اور فرمایا کہ کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ کاش! میں گھاس ہوتا کہ کوئی چوپایہ مجھے آکر چر لیتا (اور مجھے دوبارہ پیدا نہ کیا جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۱۵۶/۹)

تشریح: جو شخص قیامت کے دن حساب دینے کے لئے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے، اپنے ظاہر و باطن کی نگرانی رکھتا ہے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے، فرائض بجالاتا ہے اور محرمات سے بچتا رہتا ہے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ دو جنتیں عطا کی جائیں گی۔ مقاتل نے کہا کہ ایک جنت عدن ہے اور دوسری جنت نعیم۔ یعنی مذکورہ اشخاص کو جنتِ عدن اور جنتِ نعیم میں داخل کیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک جنت اُن لوگوں کو دی جائے گی جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور دوسری جنت ان جنات کو دی جائے گی جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرنے والے ہر شخص کو جنت کے دو باغ دیئے جائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ کل جنتیں چار ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل سامان بھی چاندی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی، اُن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا۔ ان جنتیوں اور دیدارِ باری تعالیٰ میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اُس کبریائی کے پردے کے، جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے۔

یہ آیت عام ہے۔ انسانوں اور جنوں دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں سے جو ایمان لائیں اور پرہیزگاری اختیار کریں وہ جنت میں جائیں گے، اسی لئے اس کے بعد جن و انس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے۔

پھر ان دونوں جنتوں کے اوصاف کا بیان ہے کہ یہ نہایت سرسبز و شاداب ہیں۔ اُن کے درختوں کی شاخیں کثرت کی بنا پر ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں گی۔ ان میں ہر قسم کے خوش ذائقہ، عمدہ اور تیار پھل ہوں گے۔ ان دونوں جنتوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے تاکہ ان کے درختوں کو سیراب کرتے رہیں۔ ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے ہوں گے جو دیکھنے میں تو دنیا کے پھلوں کی مانند ہوں گے مگر اُن کا ذائقہ اُن سے بالکل مختلف ہوگا۔ سو تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ (ابن کثیر: ۲۷۶/۴، مظہری: ۱۵۷/۹)

اہلِ جنت کے بچھونے

۵۴۔۶۱۔ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ

دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

وہ (جنتی) تکیے لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، اوران باغوں کے پھل بالکل جھکے ہوئے ہوں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی جن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کسی جن نے، سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ (حوریں) یاقوت ومرجان ہیں۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اوراحسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

بَطَاءِنُهَا: اُن کے استر۔ واحد بِطَانَةٌ۔

جَنَا: درختوں سے چنے اور توڑے جانے والے پھل، میوہ، شہد، یہاں پھل مراد ہیں۔ اسم بمعنی مفعول۔ جمع اَجْنَاءٌ۔

دَانٍ: نزدیک، جھکنے والے۔ دُنُوٌّ سے اسمِ فاعل۔

قٰصِرٰتٌ: نیچی نظر رکھنے والیاں، پاک دامن عورتیں۔ قَصْرٌ سے اسمِ فاعل۔

يَطْمِثْهُنَّ: وہ ان (عورتوں) کے ساتھ سوتا ہے، وہ ان سے جماع کرتا ہے۔ طَمْثٌ سے مضارع۔

تشریح: اہل جنت کو ہر قسم کے پھلوں اور میووں کے علاوہ ہر قسم کے راحت وآرام کے سامان بھی عطا کئے جائیں گے۔ وہ ایسے فرشوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے، جن کے استر دبیز اور خالص ریشم کے ہوں گے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ استر ایسا ہوگا تو ابرے (اُوپر کا کپڑا) کی کیا کیفیت ہوگی۔ ان جنتوں کے پھل جنتیوں کے بالکل قریب ہوں گے۔ وہ جب چاہیں گے اور جس حال میں چاہیں گے توڑ لیں گے۔ اگر لیٹے ہوئے ہوں گے اور پھل توڑنے کی خواہش ہوگی تو لیٹے لیٹے ہی توڑ لیں گے، بیٹھنے کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر بیٹھے ہوئے پھل توڑنا چاہیں گے تو بیٹھے بیٹھے ہی توڑ لیں گے، کھڑے

ہونے کی ضرورت نہ ہوگی، درختوں کی شاخیں خود بخود جھوم جھوم کر اُن کے پاس جھکتی رہیں گی۔ ان جنتوں میں اُن کے پاس نیچی نگاہ والی حوریں ہوں گی جو اپنے خاوند کے سوا کسی پر نظر نہیں ڈالیں گی اور اُن کے خاوندوں سے پہلے کسی جن وانس نے اُن کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا، اپنے حسن و جمال اور طہارت و پاکیزگی میں یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے یاقوت و مرجان۔ پھر فرمایا کہ جس نے دنیا میں نیکی کی، آخرت میں اس کا بدلہ سلوک و احسان کے سوا کچھ نہیں۔ سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

بغوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: جانتے ہو تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب واقف ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس کو میں نے توحید کی نعمت عطا کی اس کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔ (مظہری: ۱۵۸۔۹/۱۶۰)

اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات

۶۲، ۷۱۔ وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَاۗمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿۷۴﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِــِٕيْنَ عَلٰي رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ
عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ
اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

اور ان دونوں باغوں کے سوا دو باغ اور ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں گہرے سبز ہوں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا

نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے اُبل رہے ہوں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اُن میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیک سیرت خوب صورت عورتیں ہوں گی، سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ حوریں ہوں گی جو خیموں میں محفوظ ہوں گی، سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے، جن کو اس سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ سبز مسندوں اور عمدہ نفیس فرشوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت اور عظمت و بزرگی والا ہے۔

مُدْهَامَّتٰنِ: دو گہرے سبز، دو سیاہی مائل سبز۔ اِدْهِيمَامٌ سے اسمِ فاعل و اسمِ مفعول۔

نَضَّاخَتٰنِ: دو جوش مارنے والے، دو بہت پانی والے۔ نَضْخٌ سے مبالغہ۔

رُمَّانٌ: انار۔ واحد رُمَّانَةٌ۔

خَيْرٰتٌ: نیک عورتیں، خوب سیرت عورتیں۔ واحد خَيْرَةٌ۔

حِسَانٌ: حسین، خوب صورت۔ واحد حَسَنٌ و حَسِيْنٌ۔

مَقْصُوْرٰتٌ: محفوظ کی ہوئی عورتیں، چھپائی ہوئی عورتیں۔ قَصْرٌ سے اسمِ مفعول۔

خُضْرٍ: سبز، ہرے، واحد اَخْضَرُ۔

عَبْقَرِيٍّ: نادر، عجیب، ہر نفیس اور اعلیٰ چیز۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں جنتوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں جو پہلی دو جنتوں سے کم مرتبے کی ہیں۔ چونکہ اول الذکر دونوں جنتوں کا مرتبہ مؤخر الذکر جنتوں سے اعلیٰ تھا۔ اس لئے چاروں جنتوں کا ذکر ایک ساتھ نہیں کیا بلکہ اول درجے کی جنتوں کا ذکر پہلے کیا، پھر دوسرے درجے کی جنتوں کی صراحت کی۔ پہلی دونوں جنتیں مقربین خاص کے لئے ہیں اور دوسری دو جنتیں اُن کی پیروی کرنے والوں کے لئے یا اصحب الیمین کے لئے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ پہلی دو جنتیں سونے کی ہیں اور سابقین اولین کے لئے ہیں اور دوسری دو جنتیں اُن کی پیروی کرنے والوں کے لئے ہیں اور چاندی کی ہیں۔

بعض نے کہا کہ دو جنتیں کم درجے کی نہیں ہیں بلکہ وہ پہلی دو جنتوں کے بالمقابل یعنی سامنے ہیں۔ بغوی نے کہا کہ کسائی نے من **دونهما** کا ترجمہ کیا ہے۔ان دونوں کے سامنے۔ دونوں کے مقابل اور ضحاک کا قول ہے کہ دو جنتیں سونے کی ہیں اور دوسری دونوں یاقوت کی۔ لہٰذا یاقوت کی جنتیں سونے کی جنتوں سے کم مرتبہ نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے من **دونهما** سے مراد کم مرتبہ نہیں بلکہ سامنے اور مقابل ہے۔

دونوں باغ گہرے سرسبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔ اور ان میں فوارے کی مانند دو اُچھلتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ ان باغوں میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں (اتنا بڑا) انار دیکھا کہ جیسے اونٹ جس پر پالان کسا ہوا ہو۔ سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

ان باغوں میں اچھے اخلاق کی حامل نہایت خوب صورت اور پاکیزہ عورتیں ہوں گی جو خیموں میں ٹھہری ہوئی ہوں گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رُکے رہنے میں ہے۔ جنتی آدمیوں سے پہلے ان حوروں کو کسی نے ہاتھ بھی نہ لگایا ہوگا۔ یہ جنتی سبز رنگ کے مخملی اور نہایت نرم بچھونوں، اور بہترین منقش تکیوں پر انتہائی راحت اور اطمینان وسکون سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے، وہ عظمت وکبریائی والا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے یعنی اُس کی عبادت کی جائے، اُس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس کا شکر کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے، اُسے بھلایا نہ جائے۔ (مظہری: ۱۶۰۔۱۶۴/۹)

سورۃ الواقعہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام سورۃ الواقعہ ہے کیونکہ اس میں قیامت واقع ہونے کا بیان ہے۔ اس کو سورۃ الغنا بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس سورت میں تین رکوع، ٩٦ آیات، ٣٩٨ کلمات اور ١٧٠٣ حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ اس میں احوالِ قیامت، حشر و نشر اور جزا و سزا کا بیان ہے۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے اس کو کبھی فقر و فاقہ پیش نہیں آئے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ واقعہ سورۃ الغنا ہے، سو تم اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ سورۃ الغنا سے مراد یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا کبھی محتاج و فقیر نہ ہوگا۔

الدیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو سورۃ الواقعہ سکھاؤ کیونکہ یہ سورۃ الغنا ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ٢٤٠، ٢٤١/ ٢٧، روح المعانی ١٢٨، ١٢٩/ ٢٧)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ١: قیامت کا یقیناً واقع ہونا، سابقین مقربین اور ابرار کے احوال کا بیان ہے۔

رکوع ٢: اہلِ دوزخ کا حال، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور کھیتی کا اُگانا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ٣: قرآن کی حقانیت کا بیان اور منکرین کو چیلنج دیا گیا ہے کہ تم قریب المرگ آدمی کی روح کو نکلنے سے روک کر یا نکلنے کے بعد اس میں لوٹا کر دکھاؤ۔ پھر آخرت کی یقینی جزا و سزا کا بیان ہے۔

قیامت کا یقیناً واقع ہونا

۱-۱۲، إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ
رَّافِعَةٌ ۝ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝
فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثًّا ۝ وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۝ فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ
مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۝
وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝

جب قیامت واقع ہو جائے گی جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں وہ (کسی کو) پست کر دے گی (اور کسی کو) بلند۔ جب زمین بڑے زور سے لرزنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور غبار ہو کر اُڑنے لگیں گے اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے۔ سو دائیں طرف والے، کیا خوب ہیں دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے، کیا ہی برے ہیں بائیں طرف والے اور آگے والے تو آگے والے ہی ہیں، وہی (اللہ کے) مقرب ہیں۔ وہ نعمتوں سے معمور جنتوں میں ہوں گے۔

خَافِضَةٌ: پست کرنے والی، جھکا دینے والی، ذلیل کرنے والی۔ خَفْضٌ سے اسمِ فاعل۔

رُجَّتِ: وہ ہلائی گئی، وہ لرزی۔ رَجٌّ سے ماضی مجہول۔

بُسَّتِ: وہ ریزہ ریزہ کر دی گئی، وہ آہستہ آہستہ چلائی گئی۔ بَسٌّ سے ماضی مجہول۔

هَبَاءً: گرد، غبار، جمع اَهْبَاءٌ۔

مُنْبَثًّا: منتشر، بکھرا ہوا، اُڑتا ہوا۔ اِنْبِثَاثٌ سے اسمِ فاعل۔

اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ: داہنی طرف والے۔ بڑے نصیب والے۔ جن کو دائیں سمت میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔

اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ: بائیں طرف والے، مراد دوزخی۔ جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ بائیں ہاتھ کو عرب شومی کہتے ہیں۔ ملک شام کو شام اور یمن کو یمن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملک

شام کعبے سے بائیں جانب اور یمن کعبے سے دائیں جانب واقع ہے۔

تشریح: قیامت کا واقع ہونا یقینی امر ہے، جیسے ارشاد ہے:

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ (الحاقہ: ۱۵)

اس دن واقع ہونے والی یعنی قیامت واقع ہو کر رہے گی۔

جب قیامت واقع ہوگی تو اُس کے وقوع کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کو کسی تدبیر یا حیلے سے ٹال سکے گا۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گی۔ اس وقت ہر کافر و منکر کے سامنے یہ حقیقت کھل جائے گی کہ قیامت کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کہا تھا وہ بالکل حق تھا۔ پھر وہ بعض کو جو دنیا میں اللہ کے دشمن اور مغرور تھے، پست اور ذلیل کر دے گی۔ جب قیامت برپا ہوگی تو زمین لرزنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر پراگندہ غبار اور روئی کے اُڑتے ہوئے گالوں کی مانند ہو جائیں گے۔

اُس دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک گروہ عرش کے دائیں طرف ہوگا۔ ان کا نامۂ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان کو دائیں طرف کے راستے سے جنت میں لے جایا جائے گا۔ یہ جنتیوں کا عام گروہ ہوگا۔ کیا ہی خوب ہیں داہنی طرف والے۔ دوسرا گروہ عرش کے بائیں جانب ہوگا۔ ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا اور ان کو بائیں طرف کے راستے پر چلا کر جہنم میں لے جایا جائے گا۔ یہ سب جہنمی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ کیا ہی بدنصیب ہیں بائیں طرف والے۔ تیسرا گروہ عرش کے سامنے ہوگا۔ یہ خاص الخاص لوگ ہوں گے جو اصحابِ یمین سے بھی زیادہ وقعت اور خاص قرب کے مالک ہوں گے اور اہل جنت کے سردار ہوں گے۔ ان میں رسول، انبیا، صدیق، شہدا اور صالحین ہوں گے۔ یہ سب مقربین خدا ہوں گے اور نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ تعداد کے اعتبار سے یہ لوگ دائیں ہاتھ والوں سے کم ہوں گے۔ پس جس نے دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی اور نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھتا رہا تو آخرت میں بھی وہ اللہ کی نعمتوں کی طرف سبقت کرے گا کیونکہ آخرت کی جزا عمل کی مناسبت سے دی جائے گی۔ (ابن کثیر: ۲۸۲، ۲۸۳/۴، مظہری: ج ۹، ص ۱۶۵، ۱۶۷)

سابقین مقربین کے احوال

۱۳-۲۶، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۭ عَلٰي سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۙ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ
بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ڏ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ لَّا يُصَدَّعُوْنَ
عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ وَلَحْمِ
طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۭ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ
الْمَكْنُوْنِ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا
لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝

ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ سونے کے مرصع تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اُن کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ آب خورے اور آفتابے اور پاکیزہ شراب کے جام (لئے ہوئے) جس سے نہ سر میں درد ہوگا نہ عقل میں فتور آئے گا اور ان کی پسند کے میوے (لئے ہوئے) اور پرندوں کا گوشت جس کی وہ خواہش کریں اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ اُن کے اعمال کا صلہ ہوگا۔ وہ وہاں نہ کوئی بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ بس (وہاں) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

ثُلَّةٌ: ایک بڑا گروہ، ایک بڑی جماعت۔

سُرُرٍ: تخت۔ واحد سَرِیْرٌ۔

مَوْضُوْنَةٍ: وہ کپڑا جس پر سونے کے تاروں سے کام کیا گیا ہو، جڑی ہوئی، ٹکی ہوئی۔ وَضْنٌ سے اسم مفعول۔

مُخَلَّدُوْنَ: کسی چیز کا ہمیشہ رہنا۔

اَکْوَابٌ: پانی پینے کا برتن، کوزے، آب خورے۔ واحد کُوْبٌ۔

اَبَارِیْق: لوٹے ۔ واحد اِبْرِیْق ۔

کَأْس: ایسا جام جو لباب بھرا ہوا ہو۔ جمع کُئُوْس ۔

مَعِیْن: بہتا ہوا، آبِ رواں، جاری چشمہ۔ عَیْنٌ و مَعْنٌ سے اسمِ مفعول ۔

یُصَدَّعُوْنَ: ان کو دردِ سر ہوگا ۔ تَصْدِیْعٌ سے مضارع مجہول ۔

یُنْزِفُوْنَ: وہ مدہوش ہوں گے، وہ خبطی ہوں گے ۔ اِنْزَافٌ سے مضارع ۔

الْمَکْنُوْن: چھپایا ہوا، پوشیدہ ۔ کَنٌّ سے اسمِ مفعول ۔

تشریح: سابقین مقربین جن کا ذکر اوپر گزرا، اُن کی بڑی تعداد تو اگلے لوگوں میں سے ہوگی اور اُن کی کچھ تعداد پچھلے لوگوں میں سے بھی ہوگی۔ آیت میں اوّلین و آخرین سے کیا مراد ہے تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اگلے لوگوں سے مراد وہ سب اُمتیں ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک ہیں اور پچھلوں سے مراد امتِ محمد ﷺ ہے۔ ابن ابی قاسم نے یہ تفسیر مجاہد اور حسن بصری سے نقل کی ہے۔ پس پہلی امتوں میں سے جو لوگ سابقین ہیں وہ ایک بڑی جماعت ہیں۔ اور آخرین یعنی امتِ محمدیہ میں سے قلیل ہیں۔ دوسری تفسیر جس کو ابن کثیر، قرطبی، روح المعانی اور مظہری وغیرہ نے ترجیح دی ہے یہ ہے کہ اولین و آخرین دونوں طبقے اسی امت محمدیہ کے ہیں۔ اولین اس امت کے قرونِ اولیٰ کے لوگ ہیں جن کو حدیث میں خیر القرون کہا گیا ہے اور آخرین قرونِ اولیٰ کے بعد والے لوگ ہیں۔ پس آیت میں ثلة من الاولین سے اسی امت کے قرونِ اولیٰ کے لوگ مراد ہیں اور قلیل من الآخرین سے بعد کے لوگ مراد ہیں، کہ ان میں سابقین مقربین کی تعداد کم ہوگی۔

مسدد نے اپنی مسند میں اور ابن المنذر، طبرانی اور ابن مردویہ نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوبکرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت ثلة من الاولین و ثلة من الآخرین کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں اسی امت (محمدیہ) میں سے ہوں گی۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم پسند کرو گے کہ اہل جنت میں تم ایک چوتھائی ہو۔ ہم نے عرض کیا جی ہاں! پھر آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں اُمید کرتا ہوں کہ (کل) جنتیوں میں تم نصف ہو گے۔

ترمذی، بیہقی اور حاکم نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اَسّی تمہاری اور چالیس باقی امتوں میں سے۔

یہ سابقین مقربین ایسی مسندوں اور تختوں پر تکیہ لگائے نہایت سکون و اطمینان سے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے جن پر سونے کے تاروں کا جڑاؤ ہوگا۔ اُن کے پاس ایسے خدمت گار لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے۔ ان لڑکوں کے پاس ایسی شرابِ طہور کے جام ہوں گے جو صاف و شفاف چشمے سے بہتے ہوئے پانی کی مانند ہوگی۔ اس کو پینے سے نہ اُن کے سر میں درد ہوگا اور نہ اُن کی عقل میں کسی قسم کا فتور واقع ہوگا۔ اُن کو اُن کی پسند کے پھل اور میوے اور پرندوں کا گوشت دیا جائے گا۔ وہ جس پرندے کی خواہش کریں گے وہ بھنا بھنایا اُن کے سامنے آجائے گا۔ اس کے علاوہ اُن کے لئے بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی جو سیپ میں محفوظ رکھے ہوئے چمک دار موتیوں کی مانند ہوں گی۔ یہ سب لذّتیں اور راحتیں اُن اعمالِ صالحہ کا بدلہ ہوگا جو وہ دنیا میں اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے۔ یہ لوگ جنت میں کوئی لغو، بے ہودہ اور خلافِ طبع کلمہ نہیں سنیں گے۔ حقارت و برائی کا ایک لفظ بھی اُن کے کان میں نہیں پڑے گا۔ وہ صرف سلام سلام کی آواز سنیں گے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۴۹۔۲۵۲/ ۲۷، مظہری: ج ۹، ص ۱۶۷۔۱۷۰)

ابرار کے احوال

۲۷۔۴۰۔ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۲۷﴾ فِىْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ﴿۲۸﴾
وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ
كَثِيْرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؕ﴿۳۴﴾
اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ﴿۳۷﴾
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ﴿۴۰﴾

اور دائیں طرف والے۔ کیا کہنا ہے دائیں طرف والوں کا۔ بیری کے درختوں میں رہیں گے، جن میں کانٹے نہیں ہوں گے، اور تہ بہ تہ کیلے اور لمبے لمبے سائے ہوں گے، بہتا ہوا پانی اور بکثرت میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی ممانعت ہوگی اور بلند فرش ہوں گے۔ ہم نے ان (حوروں) کو خاص طور پر بنایا۔ پھر ہم نے ان کو کنواریاں بنایا۔ (وہ) محبوبہ

ہیں، ہم عمر ہیں (اور) دائیں طرف والوں کے لئے ہیں۔ اُن کا ایک بڑا
گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

مَخْضُوْدٍ: بغیر کانٹے کا، کانٹا دور کیا ہوا۔ خَضْدٌ اسمِ مفعول۔

طَلْحٍ: کیلے، کیلے کا درخت۔ واحد طَلْحَۃٌ۔

مَنْضُوْدٍ: تہ بہ تہ، جمایا ہوا۔ گھنا۔ نَضْدٌ سے اسمِ مفعول۔

مَسْكُوْبٍ: گرتا ہوا، بہتا ہوا۔ سَكْبٌ و سُكُوْبٌ سے اسمِ مفعول۔

اَبْكَارًا: کنواری لڑکیاں۔ واحد بِكْرٌ۔

عُرُبًا: سہاگ والیاں، محبوبہ، پسندیدہ۔ واحد عُرُوْبٌ۔

اَتْرَابًا: ہم عمر عورتیں۔ ہمجولیاں۔ واحد تِرْبٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ابرار کا حال بیان کیا ہے کہ ان پر انعامات کا یہ عالم ہوگا کہ وہ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں بیری کے درخت ہوں گے، جن میں کانٹے نہیں ہوں گے۔ اور وہاں تہ بہ تہ کیلے ہوں گے۔ ان درختوں میں پھلوں کی ایسی کثرت ہوگی کہ اُن کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھکی جارہی ہوں گی اور وہاں خوب لمبا لمبا اور پھیلا ہوا سایہ ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا، اس لئے وہاں نہ سورج آئے گا اور نہ گرمی ستائے گی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں ہمیشہ ایسا وقت رہے گا جیسا صبح صادق کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے کے درمیان رہتا ہے۔

ان باغوں میں ہموار زمین پر پانی بہہ رہا ہوگا جس کی روانی کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اہل جنت کے پاس بکثرت طرح طرح کا لذیذ پھل ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی انسان کے دل میں اُن کا خیال گزرا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا
مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا

جب وہ وہاں پھلوں سے روزی دیئے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہمیں
پہلے بھی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ بالکل ہم شکل ہوں گے۔ (البقرۃ ۲۵)

لیکن جب وہ جنت کے پھل کھائیں گے تو ان کا ذائقہ بالکل مختلف ہوگا۔ جو جنتی بھی ان پھلوں کو توڑنا چاہے گا وہ لیٹے، لیٹے اور کھڑے ہوئے ہر حال میں توڑ لے گا۔ یہ پھل کبھی منقطع نہیں

ہوں گے بلکہ ہمیشہ رہیں گے اور اہلِ جنت کو ان پھلوں کو توڑنے سے کبھی نہیں روکا جائے گا۔

اہلِ جنت کے فرش بلند و بالا، نرم گدگدے اور راحت و آرام دینے والے ہوں گے۔ وہاں ایسی عورتیں ہوں گی جن کو ہم نے اس طور پر بنایا ہے کہ وہ کنواریاں ہیں۔ وہ اپنی ظرافت و ملاحت اور حسنِ صورت وحلاوت کی وجہ سے اپنے شوہروں کی محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں اور دائیں طرف والوں کے لئے ہیں۔ ان اصحب الیمین کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے بھی ہوگا۔ (ابن کثیر ۲۸۸۔۲۹۰/۴)

اصحب الشمال کا حال

۴۱۔۵۶، وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۝ وَّ
ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ
ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۝ وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۝
وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۥ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝
اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۝
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۥ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا
الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ
مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ
شُرْبَ الْهِیْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝

اور بائیں طرف والے، کیا ہیں بائیں طرف والے، گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش۔ بے شک اس سے پہلے یہ لوگ ناز و نعمت میں تھے اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اگلے اور پچھلے سب جمع کئے جائیں گے، ایک مقررہ دن کے وقت۔ اے گمراہو، جھٹلانے والو! پھر تمہیں یقیناً زقوم کا درخت

کھانا ہوگا، اُسی سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور پینا بھی پیاسے اُونٹوں کا سا۔ قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

سَمُوْمٍ: گرم ہوا، لُو، تیز بھاپ۔

حَمِيْمٍ: انتہائی گرم، کھولتا ہوا پانی۔ جمع حَمَائِمٌ۔

يَحْمُوْمٍ: سیاہ دھواں، بے حد کالا دھواں۔ اسم ہے۔

مُتْرَفِيْنَ: دولت مند، خوش حال۔ اِتْرَاف سے اسمِ مفعول۔

الْحِنْثِ: گناہ، قسم توڑنا، مصدر بھی ہے، اسم بھی۔ جمع اَحْنَاثٌ۔

الْهِيْمِ: پیاسا اُونٹ۔ هُيَامٌ سے صفتِ مشبہ۔

نُزُلُهُمْ: اُن کی دعوت، اُن کی مہمانی، اُن کی آؤ بھگت۔

تشریح: بائیں طرف والے بھی کیسے بدنصیب ہیں کہ قیامت کے روز اُن پر مصائب و شدائد کی کوئی حد نہ ہوگی۔ یہ لوگ دہکتی ہوئی آگ، کھولتے ہوئے گرم پانی اور ایسے سائے میں ہوں گے جو گہرا سیاہ ہوگا۔ نہ وہ جسم کو ٹھنڈا لگے گا اور نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہوگا۔ اُن کو ایسے شدید عذاب میں اس لئے مبتلا کیا جائے گا کہ اس سے پہلے وہ دنیا میں بڑی عیش و راحت میں تھے، اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کرنے کی بجائے بغاوت و سرکشی اور نافرمانی میں حد سے بڑھتے گئے، رسولوں اور اُن کی تعلیمات کو جھٹلاتے رہے، قیامت کو بھی محال جانتے تھے، اس کی تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو پھر ہم کیسے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی زندہ کئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کو بتا دیجئے کہ سب اگلے پچھلے لوگوں کو نئے سرے سے پیدا کر کے حساب فہمی اور جزا و سزا کے لئے ایک مقررہ وقت پر ایک میدان میں جمع کیا جائے گا۔ اس وقت تم خود دیکھ لوگے کہ تمہیں کس طرح دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا گیا ہے۔ اے گمراہو، اے اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والو! پھر تمہیں زقوم کھلایا جائے گا اور تمہارے لئے اس کے سوا کوئی غذا نہ ہوگی، اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا گرم پانی پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اُونٹ پی رہا ہو۔ قیامت کے روز یہی اُن کی دعوت ہوگی۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

۵۷۔۶۲۔ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ
تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ
وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پھر تم (دوبارہ زندہ ہونے کو) کیوں سچ نہیں مانتے۔ بھلا جو منی تم (رحم میں) ڈالتے ہو، کیا اس کو تم تخلیق کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی نے تم میں موت کو مقدر کیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تمہاری طرح اور لوگ پیدا کر دیں اور تمہیں ایسی حالت میں بنا دیں جس کو تم جانتے بھی نہیں اور تمہیں پہلی دفعہ کی پیدائش تو یقیناً معلوم ہی ہے۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

مَسْبُوْقِيْنَ: پیچھے چھوڑے ہوئے، عاجز۔ سَبْقٌ سے اسم مفعول۔

نُنْشِئَكُمْ: ہم تم کو پیدا کریں گے۔ اِنْشَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اُس وقت پیدا کیا جب سرے سے تمہارا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور ظاہر ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب فنا ہونے کے بعد جب تم کچھ نہ کچھ تو باقی رہو گے ہی تو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے۔ جب تم ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو دوسری مرتبہ پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو۔ اگر بالفرض تم اس کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں تو پھر بتاؤ کہ جو منی تم عورت کے رحم میں ٹپکاتے ہو، اس سے بچہ تم بناتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں تمہارا کوئی دخل نہیں۔ پیدا کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ وہی رحمِ مادر میں نطفے سے علقہ (دم بستہ) علقہ سے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) پھر اُس کی ساخت، ہڈیوں اور جوڑوں کو مرتب کرنا اور اس میں روح ڈالنا، یہ سب اُسی کی قدرت اور اختیار میں ہے۔

پھر فرمایا کہ زندگی اور موت کے مالک بھی ہم ہی ہیں۔ جس طرح اپنی مشیت کے مطابق ہم نے تمہارے لئے رزق تقسیم کر رکھا ہے اسی طرح ہم نے تمہاری موت کو بھی تقسیم کر دیا ہے۔ اسی

لئے تم میں سے کسی کی عمر لمبی ہوتی ہے، کسی کی بہت کم اور کسی کی درمیانی۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کا وقت مقرر کردیا جس سے تم آگے پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور نہ کوئی ہمیں عاجز کرسکتا ہے کہ موت سے بھاگ جائے یا موت کے وقت کو بدل دے اور نہ ہم اس بات سے عاجز ہیں کہ تمہارے بدلے کوئی اور قوم لے آئیں جو تم جیسی ہو اور تمہیں نئے سرے سے ایسی صورت میں پیدا کردیں جس سے تم بالکل بے خبر ہو۔ یقیناً تم پہلی مرتبہ پیدا ہونے کو جانتے ہو، پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ پہلی مرتبہ تخلیق کرنے والا، تخلیقِ ثانی پر بھی قادر ہے۔ کیونکہ دوسری تخلیق تو پہلی تخلیق سے بہت آسان ہوتی ہے۔ (مظہری ۱۷۷، ۹/۱۷۸)

کھیتی کا اُگانا

۶۳۔۷۴، أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾
بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ
أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ
أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى تُورُونَ ﴿٧١﴾
ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَآ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَٰهَا
تَذْكِرَةً وَمَتَٰعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (کھیتی) کو چورا چورا کردیں اور تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا بلکہ ہم تو محروم ہی رہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا کردیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا بتاؤ وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی نے اُسے نصیحت کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے، سو (اے مخاطب) تو اپنے رب کے نام کی تسبیح کر، جو بہت بڑا ہے۔

تَحْرُثُوْنَ: تم بوتے ہو، تم بیج بکھیرتے ہو۔ حَرْثٌ سے مضارع۔

حُطَامًا: ریزہ ریزہ، چورا چورا۔

تَفَكَّهُوْنَ: تم تعجب کرتے ہو، تم باتیں بناتے ہو۔ تَفَكُّهٌ سے مضارع۔

مُغْرَمُوْنَ: تاوان زدہ، قرض دار۔ اِغْرَامٌ سے اسمِ مفعول۔

اُجَاجًا: تلخ، کڑوا، کھاری پانی۔

تُوْرُوْنَ: تم سلگاتے ہو، تم روشن کرتے ہو۔ اِيْرَاءٌ سے مضارع۔

مُقْوِيْنَ: مسافر۔ اِقْوَاءٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: جو کچھ تم بوتے اور زمین میں بیج ڈالتے ہو، تو کیا اُن بیجوں کو اُگانا تمہارے بس میں ہے۔ نہیں بلکہ ہم ہی اُن کو اُگاتے اور اُن کو پھل پھول دیتے ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد بھی ہم ہی ان کی نشو ونما کرتے ہیں ورنہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو سُکھا کر ریزہ ریزہ کر دیں اور اُن کا نام ونشان بھی نہ رہے اور تم ہاتھ ملتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم پر آفت آ گئی، بڑا نقصان ہو گیا۔ نفع تو ایک طرف پونجی بھی گئی۔

پھر اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ یہ ہمارا کتنا بڑا انعام اور ہماری قدرت کی کیسی واضح دلیل ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس شیریں پانی کو کھارا بنا دیں اور تم اِس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پی سکو۔ پھر تم ہمارا شکر کیوں نہیں کرتے کہ ہم نے میٹھے پانی کے اتنے عظیم ذخیرے تمہارے قبضے میں دے دیئے ہیں۔

اب ذرا یہ بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو کیا اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے، جس سے یہ آگ پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً وہ درخت ہماری ہی قدرت سے پیدا ہوا ہے۔ ہم ہی نے اس درخت کو آخرت کی یاد دلانے کا سامان بنایا کہ اس کو دیکھ کر آخرت کی آگ کے دہکنے اور شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، یہ درخت مسافروں کے لئے بھی نافع ہے کہ وہ جنگلوں میں سفر کے دوران اس آگ سے نفع اُٹھاتے ہیں مثلاً کھانا پکانا، روشنی حاصل کرنا، موسم سرما میں حرارت حاصل کرنا وغیرہ۔ سوا ے مخاطب تو اپنے عظیم الشان رب کے نام کی تسبیح کر اور اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔

قرآن کی حقانیت

۷۵۔۸۲۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾
تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾

سو، میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔ یہ بڑی عزت والا قرآن ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیا تم اس کو سرسری بات سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

مَكْنُونٍ: چھپایا ہوا۔ پوشیدہ۔ کَنٌّ سے اسم مفعول۔

مُدْهِنُونَ: سستی کرنے والا، سرسری سمجھنے والا۔ اِدْهَانٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: میں ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات یا اوقات کی پختہ قسم کھاتا ہوں۔ بلاشبہ یہ ایک بہت ہی بڑی قسم ہے، اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جارہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ کہ جو قرآن محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ بہت ہی قدرومنزلت اور بڑی عظمت و بزرگی والا ہے۔ یہ لوحِ محفوظ میں درج ہے اگر لایَمَسُّہٗ میں لا کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ اس کو فرشتوں کے سوا کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ صحیح یہ ہے کہ لایَمَسُّہٗ کی ضمیر لوحِ محفوظ کی طرف راجع نہیں بلکہ قران کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لئے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک ہوں، بے وضو نہ ہوں۔

یہ قرآن کوئی شعر و سخن یا جادو نہیں اور نہ شیاطین اس کو لے کر اُترتے ہیں جیسا کہ مشرکین کہا کرتے تھے، بلکہ یہ تو اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ سب باطل اور بالکل مردود ہے۔ جس طرح اس کی کائنات میں کسی جگہ کوئی عیب اور نقص نہیں اسی طرح اس کا کلام بھی ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہے۔ اے اہل مکہ! تم ایسے پاک کلام کا انکار کیوں کرتے ہو۔ تم نے تو اس میں اپنا حصہ بس اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ اس کی تکذیب کرتے رہو۔ یہ تو بڑی بدبختی اور بدنصیبی ہے۔ کیا کسی نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔

منکرین کو چیلنج

۸۳۔۸۷ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝

سو جس وقت جان حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھتے رہ جاتے ہو۔ ہم اس (مرنے والے) کے تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔ پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں (کسی کے مملوک نہیں) ہو تو اس (روح) کو لوٹا کیوں نہیں لیتے، اگر تم سچے ہو۔

تشریح: مشرکین و منکرین کی طرف سے قیامت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی جان اور روح خود اُن کے قبضے میں ہے۔ ان آیتوں میں اُن کے اس باطل خیال کی تردید کے لئے ایک قریب المرگ انسان کی مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ جب اُس کی روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب اس کے اس حال کو دیکھتے ہیں تو بتقاضائے محبت وہ چاہتے بھی ہیں کہ اس کی روح نہ نکلے اور وہ زندہ رہے مگر وہ سب مرنے والے کی جان بچانے سے عاجز و بے بس ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے اس وقت ہم تمہارے مقابلے میں اس مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم اس قرب کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اگرچہ تم سب مل کر اُس کی اس زندگی کی حفاظت چاہتے ہو مگر تم کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ تمہیں اس پر کچھ بھی قدرت و اختیار نہیں۔ ہم اپنے علم و قدرت کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریب ہیں اور وہ ہمارے زیرِ تصرف اور ہماری مشیّت و حکم کے تابع ہے۔ ہم اس کی روح نکالنے کا جو وقت مقرر کر چکے ہیں اس کو کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں زندہ نہیں کیا جا سکتا اور تم اپنی قوت و بہادری کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور گرفت سے باہر ہو تو مرنے والے کی روح کو نکلنے سے روک لو یا نکلنے کے بعد اس میں لوٹا دو۔ اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور تم یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تو پھر تمہارا اپنے آپ کو اللہ کی گرفت سے باہر سمجھنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنا نہایت بے عقلی ہے۔ (معارف القرآن / مفتی محمد شفیع: ۲۸۸، ۲۸۹/ ۸)

مرنے کے بعد یقینی جزا یا سزا

۸۸-۹۶۔ فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ۙ وَجَنَّتُ

نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَٰمٌ لَّكَ
مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُكَذِّبِينَ
ٱلضَّآلِّينَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾ إِنَّ
هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

پھر اگر وہ (مردہ) مقربین میں سے ہے تو (اس کے لئے) راحت اور روزی اور نعمتوں والی جنت ہے۔ اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے تو (اُس سے کہا جائے گا) کہ تیرے لئے سلامتی ہے کہ تو دہنی طرف والوں میں سے ہے۔ اگر وہ مکذبین، گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اُس کی ضیافت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ بے شک یہ سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔ سو تو اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو بہت بڑا ہے۔

رَوْحٌ: آرام، رحمت، فیض، مصدر ہے۔

رَيْحَانٌ: رزق والا، غذا والا۔ جمع رِيَاحِينُ۔

تشریح: جس طرح دُنیا کی زندگی کا ایک روز ختم ہو جانا یقینی امر ہے، اُسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا اور اُس کے نتیجے میں جزا یا سزا پانا بھی یقینی ہے۔ قیامت کے دن جزا وسزا کے اعتبار سے مخلوق کے تین گروہ ہوں گے اور ہر ایک کی جزا الگ ہوگی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ یہاں دوبارہ اس کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مرنے کے بعد وہ شخص مقربین یعنی سابقین میں سے ہے تو اس کے لئے راحت ہی راحت اور آرام ہی آرام ہے۔ اگر وہ سابقین مقربین میں سے نہیں ہے مگر اصحاب الیمین یعنی عام مومنین صالحین میں سے ہے تو بھی جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور اگر وہ اصحاب الشمال یعنی کفار و مشرکین میں سے ہوا تو جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے اس کو سابقہ پڑے گا۔

پھر فرمایا کہ جس جزا وسزا کا اُوپر ذکر ہوا ہے وہ حق اور بالکل یقینی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔ سوائے مخاطب تو اپنے عظیم الشان رب کے نام کی تسبیح کر اور اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ (معارف القرآن/ مفتی محمد شفیع: ۸/۲۸۹)

سورۃ الحدید

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پچیسویں آیت میں حدید یعنی لوہے کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الحدید مشہور ہو گیا۔

تعارف: اس میں چار رکوع، ۲۹ آیات، ۵۴۴ کلمات اور ۲۴۷۶ حروف ہیں۔ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنیہ ہے۔ بعض دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں بھی شریعت کے بنیادی احکام اور عقائدِ توحید کی تحقیق و تفصیل اور ایمان و تقویٰ کی دعوت کا بیان ہے۔

احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں عرباض بن ساریہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے المسبحات پڑھا کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان مسبحات میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔ (روح المعانی، ۱۶۴/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۳۲۰، ۳۲۱/ ۲۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: موت و حیات کا اختیار اور اللہ کی چند صفات کا بیان ہے۔ پھر لوگوں کو دعوتِ ایمان دی گئی ہے۔

رکوع ۲: ملکیت خاصہ و کاملہ، ایمان و اعمال کی روشنی اور اہل کتاب کی قساوتِ قلبی کا بیان ہے۔ آخر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب مذکور ہے۔

رکوع ۳: حیاتِ دُنیوی کی بے ثباتی، صبر و قناعت کی تعلیم اور کتاب و میزان کا نازل کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۴: رہبانیت کی بدعت اور اتباعِ رسولؐ کے ثمرات بیان کئے گئے ہیں۔

موت وحیات کا اختیار

۱۔۳، سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اوّل ہے وہی آخر، وہی ظاہر و پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز زبانِ حال یا قال سے اُس کی تسبیح میں مشغول ہے۔ وہ بڑی عزت و حکمت والا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی کبریائی اور شانِ حکیمی کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے سامنے ہر ایک پست و عاجز و لاچار ہے۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے اور وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اور وہی ان سب کا نظام چلا رہا ہے۔ اس کی ملکیت و حاکمیت میں کوئی شریک نہیں۔ اسی کے قبضے میں زندگی اور موت ہے، وہی فنا کرتا ہے اور وہی پیدا کرتا ہے۔ وہی سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سب پر تصرف کرنے والا ہے۔ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور کوئی طاقت اس کے حکم کو روک نہیں سکتی۔ وہی ایسا اول ہے کہ اس کی کوئی ابتدا نہیں یعنی وہ ازل سے ہے۔ وہی ایسا آخر کہ اس کی کوئی انتہا نہیں یعنی وہ ابدی ہے کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی لیکن وہ باقی رہے گا، جیسے ارشاد ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی، جو عظمت و بزرگی والی ہے۔ (الرحمٰن ۲۶، ۲۷)

وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔ وہ ایسا علیم ہے کہ اس کی نظر و علم سے ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے۔ ہر شے کا وجود، اس کا ظہور، اُس کی بقا اور اُس کے زمانۂ بقا کے تغیرات اور جملہ احوال اُسی کے علم میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی چند صفات

۴۔۶۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۭ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اُسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو اُوپر چڑھتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور وہ دل کی باتوں تک کو جانتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور عرش پر قرار پکڑا۔ وہ خوب جانتا ہے ہر اُس چیز کو جو زمین میں داخل ہوتی ہے، جیسے بیج، بارش کے قطرے، معادن جو زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے ہیں، مدفون خزانے اور مردے وغیرہ۔ وہ ان چیزوں کو بھی خوب جانتا ہے جو زمین سے باہر نکلتی ہیں جیسے کھیتی، نباتات، پودے اور بخارات وغیرہ۔ قیامت کے روز مُردے بھی اسی زمین سے برآمد ہوں گے۔

وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں سے اُترتا ہے جیسے بارش، اُس کی مقدار، زمانہ اور

جگہ، فرشتے جو آسمانوں سے احکام اور تکوینی اُمور لے کر اُترتے ہیں وغیرہ۔ اور جو کچھ آسمانوں میں چڑھتا ہے جیسے لوگوں کی رُوحیں اور اعمال و احوال، فرشتے جو بندوں کے اعمال لے کر آسمانوں میں جاتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ غرض جو چیز بھی آسمان سے اترتی ہے اور جو آسمان پر جاتی ہے وہ سب اس کے علم میں ہے اور اسی کے حکم کے مطابق ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اور جس حال میں ہو وہ ہر وقت اور ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے، اور کسی وقت بھی تم سے غائب نہیں۔ وہ تمہارے تمام اعمال و افعال کو دیکھ رہا ہے، اور اعمال کے مطابق ہی تمہیں بدلہ دے گا۔

آسمان و زمین کی سلطنت اُسی کی ہے، جیسے ارشاد ہے:

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ (اللیل ۱۳)

دُنیا اور آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے۔

تمام اُمور اُسی کی طرف لوٹتے ہیں، وہی ہر کام کا فیصلہ کرتا ہے اور وہی ہر عمل کی جزا و سزا دیتا ہے۔ اُس کی بارگاہ میں اعمال اسی لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ وہ اُن کی جزا یا سزا دے۔ وہی رات کو گھٹا کر دن کو بڑا کر دیتا ہے اور دن کو کم کر کے رات کو طویل کر دیتا ہے۔ سب کچھ اُسی کی قدرت میں ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت دن اور رات کی مقدار میں ایک لحہ بھر بھی تغیر نہیں کر سکتی۔ وہ دلوں کی پوشیدہ باتوں، ارادوں اور وساوس و خطرات سے بھی خوب واقف ہے۔ (مظہری ۹/۱۷۸)

دعوتِ ایمانی

۷۔۹۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ
فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ وَ
مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا
بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾
هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾

اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں جانشین بنایا۔ سو تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں اور (اللہ کی راہ

میں) خرچ کریں تو اُن کے لئے بڑا ثواب ہے۔ تمہیں کیا ہوا کہ اللہ پر ایمان
نہیں لاتے۔ حالانکہ (اللہ کا) رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت
دے رہا ہے اور اگر تمہیں یقین ہو تو وہ (اللہ) تم سے پختہ عہد بھی لے چکا ہے۔
وہی اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
نکال کر روشنی کی طرف لائے۔ بے شک اللہ تم پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہی نجات اور ابدی حیات کا ذریعہ ہے لیکن ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے بعد اچھے کام بھی کرنے چاہئیں۔ انہی میں سے ایک عمدہ کام خلقِ خدا کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اگرچہ تمام مال اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہی اُس کا حقیقی مالک ہے مگر اُس نے انسان کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس مال کا تمہیں وارث بنایا ہے اس کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہاں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں گزشتہ لوگوں کا قائم مقام بنایا ہے۔ پہلے اس مال کے وہ مالک و متصرف تھے، اب اُن کی جگہ تم اس کے مالک و متصرف ہو اور آئندہ تمہاری جگہ اس مال کی ملکیت اور اس میں تصرف کا اختیار ان لوگوں کو ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ سو ایسی فانی چیز کو ضروری اور مناسب جگہ خرچ کرنے سے گریز کرنا نادانی ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا تو اللہ کے ہاں اُن کے لئے بڑا اجر و ثواب ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ واضح دلائل اور نشانیوں کے ساتھ تمہیں دعوتِ ایمان دے رہے ہیں اور خود اللہ نے بھی تم سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا۔ اگر تم اپنے خیال میں اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کہ ایمان لانے کا یہ سب سے بہتر وقت ہے۔ دلائل موجود ہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو چکی ہے اور قرآن نازل ہو چکا ہے۔ اسی لئے ایمان لانے کا اس سے بہتر کون سا وقت ہوگا۔ رسول کی وساطت کے بغیر اللہ پر ایمان لانا اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ آیت میں میثاق سے یا تو وہ عہدِ ازلی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے پیدا ہونے سے پہلے وجود میں آنے والی تمام ارواح کو جمع کر کے اپنی

ربوبیت کے بارے میں لیا تھا، جو قرآنِ کریم میں الست بربکم قالوا بلیٰ کے الفاظ سے آیا ہے یا اس سے وہ عہد مراد ہے جو سابقہ انبیا اور اُن کی اُمتوں سے لیا گیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جو اپنے بندے محمد ﷺ پر کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے آئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفیق اور مہربان ہے کہ وہ تمہیں کفر وانکار اور نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ تم کفر کی تاریکی سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آ جاؤ۔ (مظہری: ۱۸۸۔۱۹۰/۹)

ملکیتِ خاصہ و کاملہ

۱۰۔۱۱۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث تو اللہ ہی کی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ اُن سے بڑا ہے جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے۔ پھر اللہ اس کو اس کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے عمدہ بدلہ ہے۔

تشریح: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ حقیقت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ میراث اس ملکیت کو کہتے ہیں جو سابقہ مالک کے انتقال کے بعد اس کے زندہ رہنے والے وارثوں کو ملتی ہے۔ یہ ملک جبری ہوتی ہے۔ مرنے والا چاہے یا نہ چاہے یہ

ملکیت وارث کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ملکیت کو میراث کہنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آج تم اپنے آپ کو جن چیزوں کا مالک سمجھتے ہو، اُن سب کا حقیقی مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اگرچہ بعض اشیا اس نے عارضی طور پر تمہاری ملکیت میں دے رکھی ہیں۔ قیامت کے روز تمہاری یہ ظاہری ملکیت بھی ختم ہو جائے گی اور تمام چیزوں کی ملکیتِ خاصہ وکاملہ حقیقتاً اور ظاہراً اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اس لئے اس وقت مال کی جو ظاہری ملکیت تمہیں حاصل ہے اگر تم اس مال میں سے اللہ کے نام پر خرچ کردو گے تو اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں مل جائے گا اور تمہاری خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہو جائے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ یُخۡلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۳۹﴾

جو کچھ تم (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے، اللہ تمہیں اس کا بہترین بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (سبا ۳۹)

اور ارشاد ہے:

مَا عِنۡدَكُمۡ یَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (نحل:۹۶)

جو کچھ مال تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

مسلمانوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو فتح مکہ یا صلحِ حدیبیہ سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ دوسرے وہ جو فتحِ مکہ کے بعد ایمان لائے، جہاد میں شریک ہوئے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں قسم کے لوگ برابر نہیں بلکہ ثواب کے اعتبار سے پہلا گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا ہوا ہے۔ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، خاص طور پر جو ابتدائی ایام میں ایمان لائے، اُن کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اُس کے نتیجے میں مشرکین کی ایذا رسانی جیسے حالات تھے۔ ایسے حالات میں اسلام وایمان کا اظہار کرنا اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھر بار کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ ظاہر ہے جن لوگوں نے ان حالات میں اسلام قبول کر کے اپنی جانوں اور اموال کو خطرے میں ڈالا، اُن کی قوتِ ایمان اور اخلاصِ عمل کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔ آیت کے آخر میں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰی فرما کر باہمی فرقِ مراتب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام

کے دونوں طبقوں سے جنت و مغفرت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

پھر فرمایا کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خلوص کے ساتھ اس کو بہت عمدہ قرض دے تا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب بڑھا چڑھا کر بدلہ اور عزت و کرامت والا ثواب عنایت فرمائے۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ،۲۹۶۔۲۹۹/۸)

ایمان و اعمال کی روشنی

۱۲۔۱۵۔ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ
قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ
بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ
الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى
وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ
لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ
النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(قیامت کے) دن تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ (اُن سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے لئے ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ اس دن منافق مرد اور عورتیں مومنوں سے کہیں گے، ذرا ٹھہرو، ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لے لیں۔ اُن سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو۔ پھر اُن کے

درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر کی طرف تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف (جدھر کافر ہوں گے) عذاب ہوگا۔ منافق (مومنوں کو) پکار کر کہیں گے۔ کیا تم ہمارے ساتھ نہ تھے۔ وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور (ہم پر) مصیبت آنے کا انتظار کرتے تھے اور تم شک کرتے رہے (تمہاری بے جا) آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں رکھا، یہاں تک کہ حکمِ الٰہی آ پہنچا اور اللہ کے بارے میں دغاباز (شیطان نے) تمہیں دھوکے ہی میں رکھا۔ سو آج تم سے نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ (اب) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے اور (یقیناً) وہ برا ٹھکانہ ہے۔

نَقْتَبِسْ: ہم روشنی حاصل کریں۔ ہم فائدہ اُٹھائیں۔ اِقْتِبَاسٌ سے مضارع۔

سُوْرٍ: دیوار، فصیل، شہرپناہ۔ جمع اَسْوَارٌ۔

تَرَبَّصْتُمْ: تم نے انتظار کیا، تم نے راہ دیکھی۔ تَرَبُّصٌ سے ماضی۔

اِرْتَبْتُمْ: تم شبہے میں پڑے، تم شک میں پڑے۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

اَمَانِیُّ: جھوٹی آرزوئیں، تمنائیں۔ واحد اُمْنِیَّۃٌ۔

تشریح: قیامت کے روز جب لوگ میدانِ حشر سے پلِ صراط پر جائیں گے تو ہر طرف اندھیرا ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن مردوں اور عورتوں کو ایمان و عملِ صالح کا نور عطا کیا جائے گا جو اُن کے آگے اور اُن کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا اور اُن کو جنت کی طرف جانے کا راستہ دکھائے گا۔ جس درجے کا ایمان و عملِ صالح ہوگا، اُسی درجے کا نور ملے گا۔ فرشتے مومنوں سے کہیں گے کہ تمہیں ایسے باغوں کی بشارت ہو، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے، اہل جنت کو فنا ہوگی اور نہ وہاں کی نعمتیں کبھی ختم ہوں گی۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

ابنِ جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو بقدرِ اعمال نور عطا کیا جائے گا۔ ان میں سے بعض کا نور پہاڑ کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجور کے درخت کے برابر اور بعض کا کھڑے ہوئے انسان کے قد کے برابر۔ سب سے کم نور جس گناہ گار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوگا اور کبھی بجھ جائے گا۔

اس کے برعکس کافروں اور منافقوں کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوگی ۔ اُس روز جب اہل ایمان منافقوں سے آگے نکلے جا رہے ہوں گے تو منافق مرد اور عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے تمہارے ساتھ چلیں ۔ اس وقت ان منافقین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے اسی تاریک مقام کی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے آئے تھے اور وہیں روشنی تلاش کرو ۔ یہ جواب سن کر منافقین تقسیمِ نور کے مقام پر لوٹ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہیں پائیں گے ۔ پھر وہ لوٹ کر مسلمانوں کی طرف جائیں گے تو مسلمانوں اور اُن کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی ۔ جس میں ایک دروازہ ہوگا ۔ اس دیوار کے ایک طرف جہاں مومن ہوں گے، رحمت ہوگی اور دوسری طرف جہاں منافق ہوں گے، عذاب ہوگا ۔

منافق یہ سوچ کر کہ ہم تو دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہا کرتے تھے، اُن کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے، اب اس مصیبت کے وقت ہمیں اندھیرے میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو ۔ اُس وقت اہلِ ایمان ان کو جواب دیں گے کہ بے شک ظاہر میں تو تم ہمارے ساتھ تھے لیکن تم نے تو اپنے آپ کو فتنوں میں ڈال کر رکھا تھا، مسلمانوں کی ذلت و ناکامی کے منتظر اور اُن کی طرف شک سے میں پڑے ہوئے تھے، تمہاری تمناؤں اور شیطان نے تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا ۔ سوائے منافقو! آج نہ تمہیں کسی فدیے یا عوض کے بدلے میں چھوڑا جائے گا اور نہ کافروں کو ۔ اب دوزخ کی آگ ہی تم سب کا ٹھکانہ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، وہی تم سب کی رفیق اور ساتھی ہے ۔ کسی اور سے رفاقت کی توقع نہ رکھو ۔

(مظہری: ۱۹۲۔۱۹۷ / ۹، عثمانی: ۶۴۶۔۶۴۷ / ۲)

اہلِ کتاب کی قساوتِ قلبی

۱۶۔۱۷، اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا
نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد سے اور جو دین حق نازل ہوا ہے، اُس کے سامنے جھک جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں، جن کو اُن سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر جب اُن پر ایک طویل زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں۔ جان لو کہ اللہ ہی زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے۔ ہم نے تو تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دیں تا کہ تم سمجھو۔

یَأْنِ: وہ آیا۔ اَنیٌّ اور اِنیٌّ سے مضارع۔

اَمَدُ: مدت، زمانہ دراز۔ جمع آمَادٌ۔

قَسَتْ: وہ (دل) سخت پڑ گئے۔ وہ سیاہ ہوگئی۔ قَسْوَۃٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمانوں کے دل سُست پڑ گئے تھے، کہ نزولِ قرآن کے تیرہویں سال کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ نے یہ عتاب فرمایا۔

ابن مبارک نے الزہد میں بروایتِ سفیان بیان کیا کہ اعمش نے کہا صحابہ پر ہجرت سے پہلے اپنی جگہ بڑی تنگ حالی اور تکلیف تھی۔ جب مدینے ہجرت کر کے آ گئے تو یہاں آرام و سکون ملا، اس وجہ سے بعض کاموں میں سُستی کرنے لگے، اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

(روح المعانی: ۱۷۹/۲۷)

تشریح: یہاں مومنوں کو مکمل خشوع اور عملِ صالح کے لئے مستعد رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور خشوعِ قلب ہی پر تمام اعمال کا دارو مدار ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر، وعظ و نصیحت، آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سن کر اُن کے دل نرم ہو جائیں، وعظ و نصیحت قبول کریں، اللہ کے احکام بجالائیں اور ممنوعات سے اجتناب کریں۔ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی روش اختیار نہیں کرنی چاہئے جنہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور اس کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت کر دیا، اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال کر اپنی رائے سے فیصلے کرنے لگ گئے، اپنے علما اور درویشوں کی بے سند باتوں کو دین میں داخل کر لیا اور نیکیاں چھوڑ کر برائیوں میں منہمک ہو گئے۔ ان بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے اُن کے دل سخت کر دیئے۔ اب اللہ کے احکام سن کر اُن کے دل نرم نہیں ہوتے، کوئی وعظ و نصیحت اُن پر اثر نہیں کرتی، کوئی وعدہ و وعید اُن کے دل کو اللہ کی

طرف مائل نہیں کرتا، بلکہ اُن میں سے اکثر لوگ فاسق اور بدکار ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ

پھر ہم نے اُن کی عہد شکنی کی وجہ سے اُن پر لعنت کردی اور ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کردیا، وہ (توریت کے) الفاظ کو اُن کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ اس نصیحت میں سے ایک بڑا حصہ بھول گئے جو اُن کو کی گئی تھی۔ (المائدہ:۱۳)

پھر فرمایا کہ جان لو کہ جس طرح اللہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ دلوں کی سختی کے بعد اُن میں نرمی پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ گمراہیوں کی تہ میں اُتر جانے کے بعد اللہ ہی راہِ راست پر لاتا ہے۔ جس طرح بارش خشک زمین کو تر کرکے سرسبز بنادیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ دلوں کو زندہ کردیتی ہے، اور اُن کی ظلمت و تاریکی کو دور کرکے اُن کو منور کردیتی ہے۔ ہم نے تمہارے لئے بہت سی نشانیاں کھول کھول کر بیان کردی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ (ابنِ کثیر: ۳۱۰، ۴/۳۱۱)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر

۱۸-۱۹۔ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے خوش دلی سے اللہ کو قرض دیا، اُن کو دوچند (اجر) دیا جائے گا اور اُن کے لئے عمدہ بدلہ ہے۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کو اُن کا اجر اور نور ملے گا۔ اور جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، وہی دوزخی ہیں۔

تشریح: جو مرد و عورت، فقیروں، مسکینوں، محتاجوں اور حاجت مندوں پر اپنے حلال مال میں سے

نیک نیتی کے ساتھ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو اس کا بدلہ بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔ دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے علاوہ اُن کے لئے آخرت میں بے حساب ثواب اور بڑا اجر ہے۔

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر پورے اخلاص کے ساتھ ایمان و یقین رکھنے والے ہی صدیق اور شہید ہیں۔ انہی کے لئے اجر ہے اور انہی کو نور دیا جائے گا جو اُن کے اعمال کے مطابق ہوگا اور اُن کے سامنے رہے گا۔ یہ لوگ نہایت سکون واطمینان اور اور اعزاز واکرام کے ساتھ اس روشنی میں جنت کی طرف جائیں گے۔ البتہ اہل ایمان میں سے جو گناہ گار سزا کے لئے جہنم میں جائیں گے تو ان کو سزا کے بعد شفاعت یا رحمتِ خداوندی کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

صدیق سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی تمام خبروں کو سچا جانتے اور اُن کی تصدیق کرتے ہیں۔ مجاہد نے اسی آیت کی روشنی میں کہا کہ جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لایا وہ صدیق اور شہید ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا کہ صدیق کا ایک خاص مفہوم بھی ہے کہ جو لوگ کمالاتِ نبوتؐ کے وارث ہوں اور اتباع نبوت کی وجہ سے اُن کے اندر اوصافِ نبوت پیدا ہو گئے ہوں، اُن کو صدیق کہا جاتا ہے۔ آیت

مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ (النساء:٦٩)

سو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور وہ انبیاء، صدیقین، شہدا اور نیک لوگ ہیں۔

مذکورہ آیت میں صدیق کے یہی معنی مراد ہیں۔ اس اعتبار سے ہر مومن کو صدیق نہیں کہا جا سکتا بلکہ خاص اوصاف رکھنے والوں کو ہی صدیق کہا جاتا ہے۔

شہدا وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دینے والے ہیں یا قیامت کے دن تمام امتوں پر گواہ ہوں گے جیسے ارشاد ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء: ٤١)

پھر کیا ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور اے نبی (ﷺ) ہم آپ کو بھی ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ شہدا سے مراد اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے ہیں ۔ ابن جریر نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے سب مومن شہید ہیں ۔ پھر آپ نے آیتِ مذکورہ تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر و انکار کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو وہی لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ دوزخ انہی کے لئے بنائی گئی ہے ۔ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ ان کو دوزخ سے کبھی نہیں نکالا جائے گا۔

حیاتِ دنیوی

۲۰۔۲۱۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

خوب جان لو کہ دُنیا کی زندگی محض لہو ولعب ، آرائش ، آپس میں فخر کرنا اور مال واولاد کی کثرت طلب کرنا ہے ، جیسے بارش کہ اُس کی پیداوار کسانوں کو بھی معلوم ہوتی ہے ۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے ، سو تم اس کو زرد دیکھتے ہو ، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو (کافروں کے لئے) شدید عذاب ہے اور (مومنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں ۔ تم اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف دوڑو ، جس کی وسعت آسمان وزمین کی مانند ہے ، جو اُن کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ۔ یہ اللہ کا فضل

ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

غَیْثٍ: بارش۔ جمع غُیُوْثٌ۔

یَهِیْجُ: وہ خشک ہوتا ہے، وہ پک جاتا ہے، وہ تیار ہوتا ہے۔ هَیْجٌ و هَیَجَانٌ سے مضارع۔

حُطَامًا: ریزہ ریزہ، چورا چورا۔

تشریح: اہلِ دنیا کو لہو ولعب، زینت و فخر اور مال و اولاد کی بہتات و کثرت کی چاہت کے سوا کچھ غرض نہیں۔ انسان اپنی تمام زندگی ان ہی چیزوں میں مصروف و منہمک رہ کر گزار دیتا ہے۔ بچپن کھیل تماشے میں گزار دیتا ہے اور جوانی، بناؤ سنگھار میں۔ جب عمر کچھ پختہ ہوتی ہے تو مال و اولاد، عزت و جاہ، نام و نمود اور اپنی ساکھ بنانے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اور جائز و ناجائز ہر طریقے سے مال جمع کرتا ہے تاکہ اولاد کے کام آئے، عزت بڑھے اور قوم و برادری میں بلند مقام حاصل ہو۔ پس انسان اسی تگ ودو میں اپنی تمام عمر برباد کر دیتا ہے اور کبھی سوچتا تک نہیں کہ جس دنیا کے حصول کے لئے اس نے اپنی ساری عمر وقف کی اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اُس کی نعمتوں اور راحتوں کا انجام کیا ہے حالانکہ دنیا کی مثال بارش کی سی ہے، جب برستی ہے تو اس سے کھیتی اور طرح طرح کی نباتات اُگتی ہیں، جب وہ خوب ہری بھری اور لہلہانے لگتی ہیں تو کاشت کار اس کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے پھر وہ زرد ہو کر خشک ہونے لگتی ہے اور آخرکار بالکل خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے اور منتشر ہو کر ناپید ہو جاتی ہے۔ یہی حال دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کا ہے۔ یہ چند روزہ بہار ہے جس سے فریب کھا کر انسان اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ موت کے بعد کوئی چیز کام آنے والی نہیں سوائے عملِ صالح کے۔ جو شخص دنیا سے ایمان و عملِ صالح لے کر گیا اس کے لئے اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے اور جو ایمان کی دولت سے تہی دست رہا اور کفر و عصیان کا بوجھ لے کر گیا، اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ یہ دنیا اور اس کا سامان اور متاع تو سراسر دھوکے کا سامان ہے، اس کی لذتیں فانی اور ناپائیدار ہیں۔ اس لئے انسان کو دنیا میں منہمک ہو کر آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف مسابقت کرو جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کے برابر ہے۔ مسابقت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عمر، صحت اور قدرت و طاقت کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اس لئے نیک اعمال میں سُستی اور ٹال مٹول نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بیماری یا عذر آ کر کام کے قابل نہ چھوڑے یا موت ہی آ جائے۔ لہٰذا موت اور بیماری کے آنے سے پہلے پہلے

ایسے اعمال کا ذخیرہ کر لو جو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔ مسابقت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ یہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ کوئی بھی شخص اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ محض اللہ کے فضل و احسان سے داخل ہوگا کیونکہ آدمی کے عمر بھر کے اعمال تو اُن نعمتوں کا بھی بدل نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اس کو مل چکی ہیں۔ اللہ بڑے ہی فضل والا ہے جو بندوں کو اپنے انعامات سے نوازتا ہے۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۳۱۴۔۳۱۷/ ۸)

صبر و قناعت کی تعلیم

۲۲۔۲۴۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا
فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ (۲۲)
لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ (۲۳) الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ
النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ (۲۴)

کوئی مصیبت زمین پر نہیں آتی اور نہ تمہاری ذات پر، مگر قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ بے شک یہ بات اللہ پر آسان ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر غم نہ کرو اور جو کچھ وہ عطا کرے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ اترانے والوں اور بڑائی مارنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرے تو اللہ بھی بے نیاز (اور) سزاوار حمد ہے۔

نَبْرَاَ: ہم نے پیدا کیا، بَرْءٌ سے مضارع۔

تَاْسَوْا: تم افسوس کرو، تم غم کھاؤ۔ اَسیً سے مضارع۔

تَفْرَحُوْا: تم فرحت پاؤ، تم خوش ہو جاؤ، تم اتراؤ۔ فَرْحٌ سے مضارع۔

مُخْتَال: تکبر کرنے والا، غرور کرنے والا۔ اِخْتِيَالٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: یہ حقیقت خوب سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھلائی کسی کی تقدیر میں لکھ دی ہے وہ اس کو

حاصل ہو کر رہے گی اور جو چیز اُس کے مقدر میں نہیں، وہ کبھی بھی ہاتھ نہیں آ سکتی۔ لہٰذا اگر کوئی نفع یا خیر کی چیز حاصل نہ ہو سکے تو اس پر غمگین و مضطرب نہیں ہونا چاہئے اور نہ نعمتوں کے ملنے پر غرور و تکبر کی ضرورت ہے۔ بلکہ دل میں یہ اعتقاد پختہ کر لینا چاہئے کہ جو آفت یا مصیبت ملک میں یا کسی شخص کی جان پر آتی ہے مثلاً قحط، خشک سالی، زلزلہ، بیماری، مال کا نقصان، اموات وغیرہ، وہ سب لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی اور اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں اور ان کا واقع ہونا یقینی ہے۔ ان سب واقعات و حوادث کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اُن کا اندازہ کر لینا، ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے تفصیل کے ساتھ لوحِ محفوظ میں لکھ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ یہ سب اس لئے بتایا جا رہا ہے کہ تم دنیوی نعمتوں کے فوت ہو جانے پر ان کا غم نہ کرو بلکہ ان پر صبر کرو اور اللہ نے جو نعمتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں، ان پر غرور و تکبر نہ کرو بلکہ شکر کرو۔ یہاں غم سے فطری غم مراد نہیں بلکہ اس سے وہ غم مراد ہے جو اللہ کے حکم، راضی ہونے اور صبر کرنے سے مانع ہو۔ اسی طرح فرح سے فطری مسرت نہ ہونا مراد نہیں بلکہ وہ مسرت مراد ہے جو آدمی کے اندر غرور اور تکبر پیدا کرد ے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اُس کی عطا کردہ نعمتوں پر غرور و تکبر کرے اور دوسروں پر فخر جتانے لگے۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل پر آمادہ کرتے ہیں، ان کا طرزِ عمل یقیناً اللہ اور اس کے احکام سے روگردانی ہے۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑے گا اس کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی روگردانی اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے اللہ بے نیاز ہے۔ کوئی اُس کی حمد کرے یا نہ کرے وہ ہر وقت اور ہر حال میں سزاوارِ حمد ہے۔

کتاب و میزان نازل کرنا

۲۵۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب

اور ترازو نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں شدید لڑائی ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوی ہے، زبردست ہے۔

الْقِسْطِ: انصاف، عدل، برابری، اسم ہے۔ جمع اَقْسَاطٌ۔

الْحَدِيْدَ: لوہا۔

بَأْسٌ: قتال، لڑائی، جنگ، آفت۔

تشریح: ہم نے اپنے پیغمبروں کو معجزے اور کھلے کھلے احکامات دے کر دنیا میں بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو اُتاری تاکہ لوگ کتاب سے ہدایت کی باتیں سیکھیں اور ان پر عمل کر کے نجاتِ اُخروی حاصل کریں اور ترازو کے ذریعے عدل وانصاف قائم کریں، کسی کی حق تلفی نہ کریں اور افراط وتفریط سے بچیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے منکرینِ حق کی سرکوبی کے لئے لوہا عطا کیا تاکہ جو لوگ آسمانی کتاب سے راہِ راست پر نہ آئیں اور دنیا میں عدل وانصاف نہ کریں تو ان کی گوشمالی کے لئے لوہے کے ہتھیار بنا کر استعمال کئے جائیں۔ پس لوہے سے لڑائیوں میں استعمال ہونے والے ہتھیار بھی بنتے ہیں جیسے تلوار، نیزے، تیر اور زرہیں اور آج کل کے جدید ہتھیار وغیرہ اور زرعی وصنعتی آلات، کھانا پکانے کے برتن، توے، لکڑی چیرنے کے آرے، کلہاڑی، کدال اور پھاوڑے وغیرہ بھی بنائے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اللہ کو دیکھے بغیر ان ہتھیاروں کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار بنتے ہیں اور دین کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ بے شک اللہ بڑی قوت و غلبے والا ہے۔ وہ جس کو ہلاک کرنا چاہے اس کو ہلاک کر سکتا ہے۔ وہ تمہاری مدد واعانت کا محتاج نہیں بلکہ اس نے جہاد تو صرف اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں، ان کو اعلیٰ مقام عطا کئے جائیں ورنہ غلبہ ونصرت تو اسی کی طرف سے ہے۔

رہبانیت کی بدعت

۲۶۔۲۷، وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا
النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۲۷

بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب قائم رکھی۔ سو ان میں سے کچھ تو ہدایت یافتہ ہوئے اور اکثر نافرمان۔ پھر ان کے بعد ہم اپنے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور ان کی اتباع کرنے والوں کے دلوں میں شفقت اور مہربانی پیدا کر دی اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کی تھی، ہم نے ان پر واجب نہیں کی تھی، لیکن انہوں نے رضائے الٰہی کے لئے اس کو اختیار کیا تھا۔ سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔ پھر بھی ہم نے ان میں سے ایمانداروں کو اُن کا اجر دیا اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

قَفَّيْنَا: ہم نے پیچھے بھیجا، ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا۔ تَقْفِيَةٌ سے ماضی۔

رَاْفَةً: رحم کرنا، ترس کھانا، نرمی کرنا، مصدر ہے۔

رَهْبَانِيَّةَ: دنیا ترک کرنا، گوشہ نشینی اختیار کرنا۔

تشریح: ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا اور ان دونوں بزرگوں کی نسل میں نبوت اور کتاب جاری رکھی۔ پس جتنے انبیا اور آسمانی کتابیں دنیا میں آئیں گی وہ سب ان ہی دونوں پیغمبروں کی اولاد میں ہوں گی۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی وہ شاخ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دی گئی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں جتنے انبیا مبعوث ہوئے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ان کے بعد جب اُن کی اولاد میں رسول آئے تو ان کی امتوں میں سے بعض تو راہِ راست پر آ گئے اور ان

میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہی رہے۔ ان کے بعد بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کے لئے اپنے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجا۔ اصولی اعتبار سے سب کی تعلیم ایک ہی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ سے پہلے اور انبیائے بنی اسرائیل کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی، ہم نے ان کے دلوں میں شفقت و رحمت اور محبت و نرمی پیدا کر دی۔ اس لئے وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والوں نے خود ہی رہبانیت کو ایجاد کیا اور اللہ کی رضا کے لئے اختیار کیا تھا حالانکہ یہ اللہ نے ان پر واجب نہیں کی تھی پھر وہ اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ پھر ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو اجر دیا جو ایمان پر قائم رہے اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہے۔ ان میں سے بکثرت لوگ نافرمان ہیں۔ اسی لئے دل میں یقین رکھنے کے باوجود خاتم الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔

اتباعِ رسول ﷺ کے ثمرات

۲۸۔۲۹، يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دہرا اجر دے گا اور تمہیں ایسا نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے تاکہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل پر ان کو کچھ بھی اختیار نہیں اور یہ کہ فضل تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

شانِ نزول: مقاتل کا بیان ہے کہ جب آیت اولٰئک یوء تون اجرھم مرتین (القصص: ۵۴) نازل ہوئی تو (مسلم) اہلِ کتاب نے تمام صحابہ پر فخر کیا اور کہنے لگے کہ ہمیں دو گنا اجر ملے گا اور تمہیں اکہرا۔ صحابۂ کرام کو مسلم اہلِ کتاب کا یہ فخر کرنا ناگوار گزرا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تمام مومنوں کے لئے مسلم اہلِ کتاب کی طرح دوگنا اجر ہونے کی صراحت فرما دی۔

(مظہری: ۹/۲۰۵)

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول خاتم الانبیاء پر ایمان لاؤ۔ اس کے نتیجے میں اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عنایت فرمائے گا۔ ایک اجر حضرت موسیٰ اور توریت یا حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر محمد ﷺ اور قرآن کو سچا ماننے کا اور تمہیں ایسا نورِ ہدایت عطا فرمائے گا جس سے تمہاری دنیوی زندگی بھی منور و مزین ہوگی اور آخرت میں بھی یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا۔ قیامت کے روز تم اس کی روشنی میں پل صراط پر چلو گے اور اللہ تمہاری مغفرت بھی فرما دے گا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ خطاب ان عیسائیوں کو ہے جو آپ کے زمانے میں موجود تھے اور بعض کے نزدیک اس سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ اوپر شانِ نزول میں بتایا گیا ہے کہ اس آیت میں مسلم اہلِ کتاب کی طرح تمام مومنوں کے لئے دوگنا اجر کا وعدہ کیا ہے۔ اس اعتبار سے یایھا الذین امنوا کے مخاطب تمام صحابہ کرامؓ ہوں گے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا نہ ہوں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا کہ اس آیت یایھا الذین امنو میں اہلِ کتاب کو خطاب نہیں بلکہ تمام مومنوں کو ہے۔

پھر فرمایا کہ اہلِ کتاب کو جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ کی مشیت کے بغیر اس کے فضل کا کوئی حصہ اپنے اختیار سے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اس کا فضل اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح اہلِ کتاب میں سے آپ کی نبوت پر ایمان لانے والوں کو دوگنا اجر و ثواب دینا بھی اسی کا فضل و انعام ہے۔ وہ جس کو چاہے اپنے انعام سے نوازے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انعام کو روک لے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و انعام والا ہے (مظہری: ۲۰۵۔۲۰۷/۴)

سورۃ المجادلہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں اس مجادلے کا ذکر ہے جو اوس بن الصامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے ظہار کر لینے پر کر رہی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام المجادلہ ہو گیا۔ اس کو سورۃ قد سمع اور الظہار بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۲/ ۲۸)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۲۲ آیات، ۴۷۳ کلمات اور ۲۷۷۱ حروف ہیں۔ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ کلبی کی روایت میں اس کی ایک آیت (۷) مایکون من نجویٰ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن: ۱/ ۲۸)

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے، ابتدا میں اس جھگڑے کا بیان ہے جو خولہ بنت ثعلبہ کو اپنے سے پیش آیا تھا کہ اُن کے خاوند اوس بن صامت نے ظہار کر کے اُن کو اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا اور خولہ شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ اس کے بعد آپ کی مجلس میں حاضری کے آداب و احکام، یہود کی بے ہودگی اور منافقوں کے احوال کا بیان ہے۔ سورت کے آخر میں ایمان کی اصل بنیاد اور اساس کا ذکر ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: خولہ بنتِ ثعلبہ کا واقعہ اور ظہار کے کفارے کا بیان ہے۔ آخر میں اللہ کی حدود سے تجاوز کی ممانعت ہے۔

رکوع ۲: منافقین کی سرگوشیاں اور مجلس کے آداب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: ابتدا میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے۔ پھر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے غلبے کا اعلان ہے۔

خولہ بنتِ ثعلبہ کا واقعہ

۱۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

(اے نبی! ﷺ) یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ (ﷺ) سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی، اور اللہ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ (سب کچھ) سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

تُجَادِلُکَ: وہ تجھ سے جھگڑتی ہے۔ مُجَادَلَۃٌ سے مضارع۔

تَحَاوُرَکُمَا: تم دونوں کی گفتگو، تم دونوں کے سوال اور جواب۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: حاتم نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی انہوں نے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ خدا جو اُونچی نیچی آواز کو سنتا ہے۔ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ اپنے خاوند کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا ورنہ اکثر باتیں اسی گھر میں ہونے کے باوجود میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں۔ اپنے شوہر کی شکایت کرتے ہوئے انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میری جوانی تو اُن کے ساتھ کٹی، بچے اُن سے ہوئے، اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی، بال بچوں کے قابل نہیں رہی تو میرے شوہر نے مجھ سے ظہار کرلیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنی شکایت کرتی ہوں۔ خولہ ابھی جگہ سے بھی نہیں ہٹی تھی کہ جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اُترے۔ (ابن کثیر: ۴/۳۱۸)

تشریح: حضرت خولہ کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا۔ انہیں کبھی کبھی جنون سا ہو جاتا تھا۔ اسی حالت میں وہ اپنی بیوی سے ظہار کرلیتے تھے۔ پھر جب ٹھیک ہوجاتے تو ایسے ہوجاتے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس دن جب اُنہوں نے ظہار کیا تو حضرت خولہ مسئلہ پوچھنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ پھر اللہ سے شکایت کی۔ اس واقعے سے حضرت خولہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید طلاق ہوگئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی شکایت کے ازالے کے

لئے اسی وقت یہ آیت نازل فرمائی کہ اے پیغمبر ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کی شکایت سن لی جو اپنے شوہر کے معاملے میں آپ ؐ سے جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے اپنے رنج وغم کا اور مصیبت و پریشانی کا شکوہ کر رہی تھی۔ اللہ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا جبکہ خولہ کہہ رہی تھی: یارسول اللہ ﷺ اُس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اب میں کس طرح زندگی گزاروں کہ اس کے یہ کہنے سے کہ ''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے'' میں اس پر حرام ہوگئی اور آپ کہہ رہے تھے کہ اس معاملے میں اللہ کی طرف سے مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور دیکھتا ہے اس لئے اس نے ایک مصیبت زدہ عورت کی التجا کو سن کر اُس کی پریشانی سے نجات کا راستہ پیدا کر دیا۔

ظہار کا کفارہ

۲۔۴۔ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ
اِلَّا الّٰۗىِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا
وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ
يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ
تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ
فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں تو وہ اُن کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں، بلکہ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔ یقیناً وہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہیں تو وہ ایک غلام آزاد کر دیں قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ اس لئے کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ پھر جس کو (غلام) میسر نہ ہو تو دو ماہ متواتر

روزے رکھے قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جو روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ اس لئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یُظٰهِرُوْنَ: وہ ظہار کرتے ہیں، وہ بیوی کو ماں کہہ دیتے ہیں۔ مُظَاهَرَةٌ سے مضارع۔ یہ ظَهرٌ بمعنی پیٹھ سے مشتق ہے۔ فقہا نے عورت کے بدن کے ہر اُس حصے کو، جس کو کھلا رکھنا حرام ہے، جیسے ران یا شرم گاہ وغیرہ، ظہر کے حکم میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح بیوی کو، اپنی دادی، نانی، بیٹی، پھوپھی، خالہ یا ایسی عورت سے تشبیہ دینا جس سے نکاح کرنا اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے، بھی ظہار میں داخل ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو طلاق میں شمار نہیں کیا بلکہ اس اُمت کے لئے اس میں کفارہ مقرر کر دیا۔
(مظہری: ۹/۲۰۹)

اَلّٰئِیْ: وہ (مؤنث) سب، جو، جنہوں۔ اسم موصول۔ واحد اَلَّتِیْ

زُوْرًا: جھوٹ، انحراف۔

تَحْرِیْرُ: تحریر کرنا، لکھنا، آزاد کرنا۔ مصدر۔

رَقَبَةٍ: گردن، جان، غلام۔

تشریح: جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں تو اس سے وہ اُن کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں کہ اُن کے لئے وہ ماؤں کی طرح حرام ہوں بلکہ اُن کی حقیقی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ ایک جھوٹی اور نامعقول بات کہتے ہیں۔ پس جس عورت نے اُن کو جنا نہیں وہ اُن پر ماں کی طرح حرام کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ نامعقول بات ایسی نہ تھی کہ اس پر اُن کو معاف کر دیا جاتا مگر چونکہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اس لئے اُس نے آئندہ ایسی بات کرنے والوں کو روکنے کے لئے یہ حکم نازل کر دیا کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہیں تو اُن کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ تمہیں اسی بات کی نصیحت کی جاتی ہے اور اسی حکم کا پابند کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

جس کے پاس غلام یا کنیز موجود نہ ہو اور وہ حاصل بھی نہ کر سکتا ہو تو وہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور احکام شرعیہ پر عمل کرو اور جاہلیت کے دستور اور رواج کو چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں۔ جو لوگ اُن کے مامور ہیں وہ ظہار جیسی ممنوعات کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ جو لوگ اللہ کے احکام قبول نہیں کرتے اور ممنوعات کے ارتکاب سے باز نہیں رہتے اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں تو اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حدود اللہ سے تجاوز کی ممانعت

۵۔۷، إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہوں گے جیسے اُن سے پہلے والے ذلیل ہوئے۔ بے شک ہم نے صاف صاف آیتیں اُتاری ہیں اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ اس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کو اُن کا کیا ہوا وہ سب بتا دے گا جو اس نے محفوظ کر رکھا ہے اور وہ اس کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہر چیز اُس کے سامنے ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے واقف

ہے۔ تین آدمیوں کے درمیان کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا اللہ نہ ہو۔ نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا اللہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے دن وہ اُن کو اُن کے تمام اعمال بتادے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

یُحَادُّوْنَ: وہ دشمنی کرتے ہیں، وہ مخالفت کرتے ہیں۔ مُحَادَّۃٌ سے مضارع۔

کُبِتُوْا: وہ ہلاک کیئے جائیں گے، وہ ذلیل کیئے جائیں گے۔ کَبْتٌ سے ماضی مجہول۔

نَجْوٰی: سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، راز کی بات کرنا۔ اسم بھی ہے مصدر بھی۔

تشریح: بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور احکامِ شرعیہ سے سرتابی کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی ایسے ذلیل و رُسوا ہوں گے جیسے ان سے پہلے والے لوگ اپنی سرکشی کے باعث برباد و رُسوا کردیئے گئے۔ ہم نے ایسی واضح اور صاف صاف آیتیں بیان کردی ہیں اور ایسی کھلی نشانیاں ظاہر کردیں کہ سوائے اُس کے جو سرکش ہو، کوئی بھی اُن سے انکار نہیں کرسکتا۔ ایسے کافروں کے لئے دنیا کی ذلت و رسوائی کے بعد آخرت میں بھی بے عزت کردینے والا عذاب ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے لوگوں کو دوبارہ زندہ کرکے ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی یا برائی بھی کسی نے دنیا میں کی ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کو اس سے آگاہ کردے گا کیونکہ اللہ نے ان سب کو محفوظ کر رکھا ہے، اگرچہ یہ لوگ اُن کو بھولے ہوئے ہوں گے۔ تم جہاں ہو، جس حالت میں ہو، تمہاری کوئی بھی حالت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر زمان و مکان کی اُسے ہر وقت اطلاع ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ انسانوں کے اعمال تو کیا، کائنات کا ہر ذرہ اُس کی نظروں کے سامنے ہے۔ کوئی بھی تین آدمی آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی اور رازداری سے باتیں کریں تو وہ اُن کو بھی سنتا ہے اور وہ لوگ اپنے آپ کو تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنے ساتھ چوتھا اللہ تعالیٰ کو گنیں اور اگر پانچ شخص تنہائی میں رازداریاں کر رہے ہوں تو وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے، اُن کے ساتھ چھٹا اللہ ہے جو اُن کے کلام کو سن رہا ہے اور اُن کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے۔ لوگ خواہ اس سے کم تعداد میں سرگوشی کریں یا زیادہ

تعداد میں، ہر حال میں اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے روز وہ اُن کو اُن کے تمام اعمال سے مطلع کردے گا۔ بے شک اللہ ہر بات سے باخبر ہے۔

(ابن کثیر: ۴/۳۲۲)

منافقین کی سرگوشیاں

۸۔۱۰۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا
عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۘ وَاِذَا
جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا
يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ
لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْــــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کرتے ہیں جس سے منع کیا گیا تھا اور گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ سے سلام کہتے ہیں جن سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا اور اپنے دل میں کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا۔ اُن کے لئے جہنم کافی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔ سو وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ (ایسی) سرگوشی تو شیطانی کام ہے تاکہ مومنوں کو رنج پہنچے اور اللہ کے حکم کے بغیر وہ اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا

اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

حَیَّوْکَ: اُنہوں نے تجھے سلام کیا، اُنہوں نے تجھے دُعا دی۔ تَحِیَّۃٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: احمد اور بزار نے بسند جید ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ (سلام کے وقت) یہودی، رسول اللہ ﷺ کو سَامٌ علیک (تجھ پر ہلاکت ہو) کہتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ یہ لفظ کہنے پر اللہ ہمیں عذاب نہیں دیتا (یعنی اگر یہ سچے رسول ہیں تو اللہ ہمیں اس گستاخی پر عذاب کیوں نہیں دیتا) اس پر آیت واذجاء وک حیوک الخ نازل ہوئی۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کرنے کے بعد یہود، مسلمانوں کے خلاف کھل کر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے اُن کے دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا۔ اس لئے جب وہ صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کو اپنے قریب آتا ہوا دیکھتے تو آپس میں سرگوشی اور خفیہ مشورے کرنے لگتے اور آنے والے مسلمان کی طرف کچھ اشارے کرتے، جس سے آنے والا یہ سمجھتا کہ یہ لوگ اس کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں اور اس سے اس کو رنج اور پریشانی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو ایسی سرگوشی سے منع فرما دیا لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔

یہود جب آپ ﷺ کے پاس آتے تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے جو اللہ نے آپؐ کے لئے استعمال نہیں کیا یعنی السلام علیک کی بجائے سَامٌ علیک (تجھ پر ہلاکت ہو) کہتے اور اپنے باطنی خبث کی وجہ سے اپنی اس حرکتِ مذمومہ پر خوش ہوتے اور آپس میں کہتے کہ اگر یہ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہماری اس گستاخی پر ہمیں دنیا میں سزا کیوں نہیں دیتا۔ وہ تو ہمارے باطنی حال سے خوب واقف ہے۔ اُن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو عذاب دینے کے لئے تو جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ قیامت کے روز اس میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر السام علیکم کہا۔ آپ نے بھی جواب میں وعلیکم فرما دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ! نرمی اختیار کرو۔ درشت کلامی اور فحش سے پرہیز کرو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: کیا آپؐ نے ان کی بات نہیں سنی۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے جو کہا وہ تم نے نہیں سنا۔ میں نے تو اُن کی بات اُن پر ہی لوٹا دی۔ میری بددُعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا اے ایمان والو! جب کسی ضرورت کے تحت تمہیں سرگوشی کرنی پڑے تو یہودیوں کی طرح گناہ اور مسلمانوں پر زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے مشورے میں سرگوشی نہ کرو بلکہ مسلمانوں کی بھلائی اور پرہیزگاری کی باتوں میں سرگوشی کرو اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ قیامت کے روز تم سب اُس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ ایسی سرگوشی جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اور اُن کو بدگمانی ہو، وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ شیطان ان منافقوں اور کافروں سے یہ کام اس لئے کراتا ہے کہ مومنوں کو رنج و غم ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ شیطان ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کافروں کی سرگوشی، کیونکہ نفع نقصان سب اللہ کے اختیار میں ہے، پس جس شخص کو کوئی ایسی حرکت معلوم ہو، تو اُسے چاہئے کہ وہ اعوذ پڑھ کر اللہ کی پناہ میں آ جائے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھے۔ انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ (مظہری: ۲۲۲، ۲۲۳/ ۹)

مجلس کے آداب

۱۱۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھو، اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔ اللہ تم میں سے مومنوں اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے، اُن کے درجات بلند کر دے گا اور اللہ تمہارے سب اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

تَفَسَّحُوْا: تم کشادگی کرو۔ تم کھل کر بیٹھو۔ تَفَسُّحٌ سے امر۔

اُنْشُزُوْا: تم اُٹھ کھڑے ہو۔ نَشْزٌ سے امر۔

شانِ نزول: مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت جمعے کے روز نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اُس دن صفہ میں تھے، جگہ تنگ تھی، آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصار بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے، آپ اُن کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے۔ اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہؓ ذرا

تاخیر سے آئے تو آپ کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ نے جواب دیا، پھر اہل مجلس کو سلام کیا، انہوں نے بھی جواب دیا۔ یہ لوگ اس اُمید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں کہیں جگہ دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا، آپ نے یہ دیکھا تو بعض لوگوں کو نام لے کر اُن کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور ان بدری صحابہؓ کو بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ جو لوگ کھڑے کئے گئے تھے انہیں یہ بات ناگوار گزری۔

تشریح: اس آیت میں عام مجالس کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی مجلس ہو اور کچھ لوگ مجلس میں شرکت کے لئے بعد میں آئیں تو پہلے سے موجود لوگوں کو چاہئے کہ ان کو جگہ دینے کے لئے سمٹ کر بیٹھ جائیں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُن کے لئے بھی وسعت پیدا فرما دے گا۔ اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی تنگی والے پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا اور اللہ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

اسی آیت میں آدابِ مجلس سے متعلق دوسرا حکم یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی سے یہ کہا جائے کہ مجلس سے اُٹھ جاؤ تو اُسے اُٹھ جانا چاہئے۔ اللہ ایسے مومنوں کو نیک نام کرتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں اُن کو باوقار بناتا ہے اور وہ مومنوں اور علم والوں کے درجات بلند کرتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود آنے والا شخص اپنے لئے جگہ بنانے کے واسطے کسی کو اُس کی جگہ سے اُٹھا دے، البتہ صاحبِ مجلس اور منتظمین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ اُٹھنے والا اپنی خفت محسوس نہ کرے۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اُٹھا کر خود اُس کی جگہ نہ بیٹھے، بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنے والے کو جگہ دے دیا کرو۔ دوسری روایاتِ حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنے والوں کے لئے ادب یہ ہے کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں گھسنے کی بجائے کسی کنارے پر بیٹھ جائیں۔ مجلس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان اُن کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں۔

اُسامہ بن زید لیثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے

حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہیں، اُن کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ اُن سے اجازت نہ ملے۔ (ابن کثیر: ۳۲۴۔۳۲۶/۴، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۴۵۔۳۴۷/۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے وقت صدقے کا حکم

۱۲۔۱۳۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! جب تم رسول کے کان میں کوئی بات کہنا چاہو تو اپنی بات کہنے سے پہلے صدقہ دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے۔ پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم اپنی راز کی بات کہنے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے۔ سو جب تم نے ایسا نہ کیا اور اللہ نے بھی تمہیں معاف کر دیا تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کیا کرو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اَشْفَقْتُمْ: تم ڈر گئے۔ اِشْفَاقٌ سے ماضی۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس عام ہوتی تھیں، کوئی بھی شخص آپؐ کی مجلس میں آ کر آپ کے ارشادات سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا، البتہ بعض لوگ آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت مانگنے لگے اور جان بوجھ کر مجلس کو طویل کر دیتے تھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی بعض ناواقف مسلمان بھی بات لمبی کر کے مجلس کو طویل کرنے لگے۔ اس کے تدارک کے لئے ابتدا میں تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص آپؐ سے علیحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہے تو پہلے وہ کچھ صدقہ کرے۔ تمہارے لئے یہی بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، اگر صدقے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اس صورت میں تم صدقے کے بغیر ہی بات کر سکتے ہو۔ قرآن کریم نے اس

صدقے کی کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل فرمایا اور ایک دینار صدقہ کر کے آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا۔ اسی لئے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے اس پر عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا۔

اس حکم سے چونکہ صحابۂ کرامؓ کو تنگی پیش آئی اس لئے اس کو جلد ہی منسوخ کر دیا گیا۔ البتہ جس مصلحت کے تحت یہ حکم جاری کیا گیا تھا وہ اس طرح حاصل ہوگئی کہ مسلمان تو اپنی دلی محبت کے تقاضے سے ایسی مجلس طویل کرنے سے بچ گئے اور منافقین اس لئے رک گئے کہ اگر انہوں نے عام مسلمانوں کے طرز کے خلاف کیا تو اُن کا نفاق کھل جائے گا۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۴۷، ۸/۳۴۸)

منافقین کی حالت

۱۴۔۱۹، اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ
وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ
لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوْٓا
اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾
لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا
فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ
اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ
ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

کیا آپ (ﷺ) نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے ایسے لوگوں سے دوستی کی، جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے۔ یہ منافق نہ تمہارے ہیں اور نہ اُن کے اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے اُن کے لئے شدید

عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یقیناً وہ بہت ہی برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔
اُنہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے
سے روکتے ہیں، سواُن کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ اللہ کے ہاں اُن کے
مال اور اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہی لوگ جہنمی ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں
گے۔ جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا تو یہ اس کے سامنے بھی
قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے کھاتے ہیں۔ اور خیال کریں گے کہ
وہ ٹھیک بات کر رہے ہیں۔ خوب سن لو! یہی جھوٹے ہیں۔ شیطان نے ان پر
غلبہ پالیا ہے۔ سو اُس نے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی۔ یہی شیطان کا گروہ ہے۔
خوب سن لو! شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔

جُنَّةً: سپر، ڈھال، آڑ، پردہ۔

مُهِينٌ: ذلیل کرنے والا۔ اِهَانَۃٌ سے اسمِ فاعل۔

اِسْتَحْوَذَ: وہ غالب آیا، اُس نے تسلط جمالیا، اُس نے قابو میں کرلیا۔ اِسْتِحْوَاذٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: امام احمد، بزار، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کسی حجرے میں یا کسی حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور سایہ سکڑ رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: ایک جبار آدمی تمہارے پاس (ابھی) آئے گا۔ جب وہ آئے تو تم لوگ اس سے کلام نہ کرنا۔ آپ ﷺ کے اس فرمان کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا جو نیلی آنکھوں والا اور کانا تھا۔ آپ نے اس کو بلا کر فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں؟ اُس شخص نے جواب دیا: مجھے ذرا دیر کی اجازت دیجئے، میں جا کر ابھی آپ کے پاس آتا ہوں۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو بلا لایا اور سب نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قسمیں کھائیں، کہ ہم نے یہ باتیں نہ کہی ہیں اور نہ کی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۲۲۶)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا انجام بیان فرمایا ہے جو اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں، خواہ وہ کفار و مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ۔ جس شخص کے دل میں کسی کی سچی محبت اور دوستی ہو، اس سے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کے دشمن سے بھی محبت اور دوستی رکھے۔ جو مسلمان کسی کافر سے

دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرے میں شامل سمجھے جانے کی وعید آئی ہے۔ البتہ کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، حسن اخلاق سے پیش آنا، اُن سے تجارتی و اقتصادی معاملات کرنا، دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اس لئے یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کا کھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا آپ نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اُن لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا یعنی یہ منافق یہود کے دوست اور خیر خواہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے راز یہودیوں کو بتا دیتے ہیں کیونکہ اُن کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا محض زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی لئے نہ یہ تم میں سے ہیں اور نہ یہود میں سے بلکہ یہ تو دانستہ جھوٹی قسمیں کھا کر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بلا شبہ ان کے کرتوت بہت ہی برے ہیں۔

ان لوگوں نے اپنی جان و مال اور حفاظت کے لئے اپنے جسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پھر اس ڈھال کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ یقیناً اللہ کے ہاں اُن کے لئے ذلت کا عذاب تیار ہے۔ ان کو اس گمان میں نہیں رہنا چاہئے کہ کوئی تدبیر اور ذریعہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچالے گا۔ حتیٰ کہ ان کا مال و اولاد بھی ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔ یہی لوگ جہنم والے ہیں اور یہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں ہی رہیں گے۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کر کے اُٹھائے گا تو اُس دن یہ لوگ دنیا کی عادت کی طرح وہاں بھی اللہ کے سامنے اسی طرح جھوٹی قسمیں کھائیں گے، جس طرح وہ یہاں تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی اچھی حالت پر ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان کی کسی بات میں بھی صداقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان پر شیطان غالب آ گیا ہے اور اس نے ان کو اللہ کی یاد سے بالکل غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خوب سن لو! شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔ یہ لوگ دنیا میں بھی ناکام اور ذلیل و رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات نصیب نہ ہوگی۔

(مظہری: ۲۲۶، ۹/۲۲۷، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۸/۳۵۱)

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا غلبہ

۲۰-۲۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ۝
كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ لَا
تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ
حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ
اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے بڑے ذلیل ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسولؑ ہی غالب رہیں گے، بے شک اللہ قوت والا (اور) غلبے والا ہے۔ آپ ایسی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہو اور اُن لوگوں سے بھی دوستی رکھتی ہو جو اللہ اور اُس کے رسول کے مخالف ہوں، خواہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کو اپنے نور سے قوت دی ہے۔ وہ اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے خوش۔ یہی اللہ کا گروہ ہے۔ خوب سن لو! اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

يُحَادُّوْنَ: وہ دشمنی کرتے ہیں، وہ مخالفت کرتے ہیں۔ مُحَادٌّ سے مضارع۔

يُوَادُّوْنَ: وہ باہم دوستی کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مُوَادَّۃ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، حق سے برگشتہ اور احکامِ الٰہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں، وہ انتہائی درجے کے ذلیل اور رحمتِ الٰہی سے دور ہیں، اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھ چکا ہے کہ وہ اور اُس کے رسول اور اُس کے مومن بندے ہی دُنیا

وآخرت میں غالب رہیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾

ہم اپنے رسولوں کی اور مؤمنوں کی ضرور مدد کریں گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے اور جس دن گناہ گاروں کو کوئی عذر و معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی۔ اُن پر لعنتیں برستی ہوں گی اور اُن کے لئے برا گھر ہوگا۔ (المؤمن:۵۱،۵۲)

اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا اٹل ہے۔ اس کا لکھا ہوا نہ مٹے گا اور نہ اس میں ردو بدل ہوگا۔ وہ غالب و قہار ہے اور اپنے دشمنوں پر ہر وقت قابو رکھنے والا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ اور روزِ قیامت پر پوری طرح ایمان و یقین رکھنے اللہ والے اور اُس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے محبت رکھیں۔ خواہ وہ اللہ کے دشمن اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا بھائی یا اُن کے کنبے والے ہی ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی دوست نہ بنائیں۔ ایسا کرنے والے اللہ کے ہاں کسی شمار میں نہیں۔ (آلِ عمران:۲۸)

پھر فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو پختہ اور راسخ کر دیا ہے۔ اب ان کے دلوں میں شک وشبہ آ ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اُن کو غیبی تائید وحمایت اور قوت عطا فرمائی ہے اور ان کو روحانی برکات سے ایسا مضبوط کر دیا ہے کہ وہ ایسے احوال کا مقابلہ کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی تمام نعمتیں دائمی ہوں گی، ان پر مزید انعام یہ ہوگا کہ اُن کی اطاعت وفرماں برداری کی بنا پر اللہ اُن سے راضی اور اللہ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ اللہ سے راضی ہوں گے اور اُس کے انعامات پر خوش ہوں گے۔ یہی اللہ کا گروہ ہے جو اس کے دین کا مددگار اور اس کے اوامر و نواہی کا پابند ہے۔ یقیناً اللہ کا گروہ ہی دنیا وآخرت میں کامیاب ہونے والا ہے۔ (ابنِ کثیر:۳۲۹،۳۳۰/۴)

سورۃ الحشر

وجہ تسمیہ: حشر کے لغوی معنی جلاوطنی کے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت و رسوائی کا ذکر ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ الحشر رکھا گیا۔ حضرت ابن عباس نے اس کا نام سورۃ بنی النضیر بتایا ہے کیونکہ اس میں بنی النضیر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

(بخاری/ ج ۳،ص ۱۴۱۔ روح المعانی: ۳۸/ ۲۸)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۲۴ آیات، ۴۵۴ کلمات اور ۱۹۱۳ حروف ہیں۔ یہ سورت مدنیہ ہے یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں بنونضیر کی جلاوطنی اور اُن کی ذلت و شکست کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کو اُن کی زمینوں اور قلعوں سے بے دخل کر کے مسلمانوں کو اُن کا وارث بنا دیا حالانکہ یہودی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حشر تک اپنی زمین نہیں چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ نے انہی کا حشر اور جلاوطنی اُن کو دکھا دی۔

(مواہب الرحمٰن: ۵۷/ ۲۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: بنونضیر کا مدینے سے اخراج اور مالِ فے کے مصارف کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منافقین کے احوال مذکور ہیں۔

رکوع ۳: تقویٰ و فکرِ آخرت کی دعوت۔ قرآن کی عظمت اور صفاتِ الٰہیہ مذکور ہیں۔

بنونضیر کا مختصر واقعہ

بنونضیر، یہود کا بہت بڑا قبیلہ تھا جو مسجد قبا کے قریب عوالی کی طرف آباد تھا۔ غزوۂ اُحد کے بعد یہ لوگ علی الاعلان مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا وہ

معاہدہ توڑ دیا، جو آپ نے ہجرت کے بعد اُن سے کیا تھا۔ اسی لئے اُن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اُن پر غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینے سے نکال باہر کیا۔ اس معاہدے میں یہ طے کیا گیا تھا کہ فریقین میں سے کوئی کسی سے جنگ نہیں کرے گا اور بنو نضیر نہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے اور نہ آپ کے دشمنوں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے۔ آپ نے ان کو مدینے سے نکل جانے کا حکم دیا تو پہلے تو انہوں نے انکار کیا پھر جب آپ نے اُن کا محاصرہ کرلیا تو چھ رات کے محاصرے کے بعد یہود قلعے سے اُتر آئے۔ آپ ﷺ نے اُن کو حکم دیا کہ زرہ اور اسلحے کے علاوہ ایک اُونٹ پر جتنا سامان لاد سکتے ہو وہ لے جاؤ اور اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ اس طرح بنی نضیر کے لوگ مدینے سے نکل کر ملک شام چلے گئے۔ اُن میں سے کچھ خاندان شام کے شہر اَذْرِعات میں اور کچھ اَرِیْحا میں آباد ہوگئے۔ البتہ ان کے دو خاندان ایک آلِ حُقَیق کا خاندان اور دوسرا حُیَی بن اخطب کا خاندان شام کی بجائے خیبر چلے گئے۔

بنو نضیر کا اِخراج

۱۔۵۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ② وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ④ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ⑤

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اسی نے اہلِ کتاب کافروں کو اُن کے گھروں سے پہلی ہی

بار اکٹھا کر کے نکال دیا حالانکہ تمہیں اُن کے نکلنے کا گمان بھی نہ تھا اور وہ خود بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے، ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے۔ پھر اُن پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے آیا کہ انہیں گمان بھی نہیں تھا اور اللہ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں برباد کر رہے تھے۔ سو اے اہلِ بصیرت! عبرت حاصل کرو۔ اگر اللہ نے اُن کے لئے جلاوطن ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو اُن کو دنیا ہی میں عذاب دیتا اور آخرت میں (تو) ان کے لئے دوزخ کا عذاب (تیار ہی) ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دیتا ہے۔ کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جس کو تم نے اُس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا تاکہ وہ (اللہ) نافرمانوں کو رُسوا کرے۔

حُصُوْنُهُمْ: ان کے قلعے، واحد حِصْنٌ۔

قَذَفَ: اُس نے ڈالا، اُس نے پھینکا، اُس نے زنا کی تہمت لگائی۔ قَذْفٌ سے ماضی۔

اَلْجَلَاءَ: جلاوطنی، اُجڑنا۔ مصدر ہے۔

شَاقُّوا: وہ مخالف ہوئے۔ مُشَاقَّةٌ سے ماضی۔

لِيْنَةٍ: کھجور کا تر و تازہ درخت۔ اسمِ جنس ہے۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید میں مشغول ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ

اور ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

(الاسراء: ۴۴)

وہ بڑے غلبے والا، زبردست حکمت والا اور اپنے تمام احکام و فرامین میں حکمت والا ہے۔ اسی نے اہلِ کتاب کافروں کو یعنی بنی نضیر کے یہودیوں کو پہلی مرتبہ جلاوطن کرنے کے لئے اُن کے

گھروں سے نکال باہر کیا۔ یہود کا یہ پہلا حشر اور جلا وطنی تھی، جو آپ کے حکم سے ربیع الاول ۴ھ میں ہوئی۔ اس سے پہلے اُن کے ساتھ ترکِ وطن کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ دوسری جلا وطنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی، جس میں یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کو بھی جزیرۃ العرب سے نکال باہر کیا گیا اور آپ کے فرمان اخرجوا الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب (یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو) کی تکمیل ہوئی۔

پھر فرمایا کہ مسلمانوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہودی اپنے گھروں سے نکل جائیں گے کیونکہ وہ بہت محفوظ اور طاقت ور تھے اور خود یہود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان مضبوط اور محفوظ قلعوں کے ہوتے ہوئے کوئی اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لیکن جب اللہ کا عذاب اور حکم اُن پر آیا تو اُن کے مضبوط و محفوظ قلعے اور ہتھیار اُن کے کچھ کام نہ آئے اور وہ جلا وطنی پر مجبور ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا یعنی خوف بٹھا دیا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں کو اُجاڑ رہے تھے اور اس کام میں مسلمانوں سے بھی مدد لے رہے تھے۔ سواے اہلِ عقل و بصیرت! اللہ اور اُس کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح عذابِ الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے۔ اگر اللہ نے اُن کی قسمت میں جلا وطن ہونا نہ لکھا ہوتا تو وہ اُن کو اس سے بھی شدید عذاب دیتا جیسے پہلی اُمتوں عاد و ثمود وغیرہ کو دیا گیا۔ لیکن یہ لوگ آخرت کے شدید اور دردناک عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ یہ سب اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ بھی اُس کو سخت سزا دینے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ کھجور کے جو درخت تم لوگوں نے کاٹ دیئے اور جو نہیں کاٹے اور جن کو اُن کی جگہ پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کام اللہ کے حکم اور اُس کی اجازت سے ہوا۔ سو، جن لوگوں نے ان درختوں کو کاٹا وہ بھی حق بجانب ہیں اور جنہوں نے کاٹنے سے منع کیا وہ بھی حق پر ہیں۔ دونوں کے لئے اجر ہے۔ ایک گروہ کی نیت مسلمانوں کے نفع کی ہے اور دوسرے کی کافروں کو غصہ دلانے اور اُن کو اُن کی شرارتوں کا مزہ چکھانے کی ہے۔ اس لئے دونوں اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

مالِ غنیمت اور مالِ فئے

۶۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور اللہ نے جو (مال) اُن سے لے کر اپنے رسول کو عطا کیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَفَاءَ: اُس نے لوٹایا، اس نے فئے کے طور پر دیا۔ اِفَاءَۃٌ سے ماضی۔ شرعی اصطلاح میں فئے اُس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے بغیر دشمن سے حاصل ہو۔ یہ قطعاً بیت المال کی ملک ہوتا ہے۔

اَوْجَفْتُمْ: تم نے گھوڑے دوڑائے، تم نے پیچھا کیا۔ اِیْجَافٌ سے ماضی۔

خَیْلٍ: گھوڑے۔ جمع خُیُوْلٌ و اَخْیَالٌ۔

رِکَابٍ: اُونٹ۔ سواری۔ جمع رُکُبٌ۔

تشریح: مالِ غنیمت کافروں کا وہ مال ہے جو جہاد و قتال کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ مال، مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے برعکس مالِ فئے کافروں کے اُس مال کو کہتے ہیں جو اُن سے جہاد و قتال کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے، جیسے بنی نضیر کا مال تھا۔ مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق یہ مال مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوگا بلکہ یہ کُلّی طور پر رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوگا کہ وہ اس میں سے جس کو جتنا چاہیں عطا فرما دیں یا اپنے لئے رکھ لیں، البتہ اس مال کی تقسیم کے لئے مستحق لوگوں کی چند اقسام متعین فرما دی گئی ہیں کہ یہ مال صرف ان ہی لوگوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ درحقیقت یہ سب اموال رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفا کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں، وہ چاہیں تو اس سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لئے روک لیں اور بیت المال میں جمع کرا دیں اور کسی کو کچھ بھی نہ دیں اور چاہیں تو سارا مال تقسیم کر دیں البتہ تقسیم ان ہی پانچ قسموں تک رہے گی جن کا ذکر آگے آیت میں آ رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بنی نضیر کا جو کچھ مال اس نے اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی مشقت اُٹھانی نہیں پڑی۔ نہ لڑائی لڑنی پڑی اور نہ اُونٹ گھوڑے دوڑانے پڑے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اپنے رسول کی ہیبت بٹھادی اور اُن پر غلبہ دے دیا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس لئے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، نہ اس پر کسی کا غلبہ، نہ اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا، بلکہ وہ سب پر غالب اور سب اُسی کے تابع فرمان ہیں۔

(معارف القرآن: ۳٦٦، ۸/۳٦۸، مظہری: ۲۳٦ ـ ۹/۲۳۸)

مالِ فئے کے مصارف

۷۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ نے بستیوں والوں کا جو مال اپنے رسول کو دیا ہے تو وہ اللہ اور اُس کے رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور رسول جو کچھ تمہیں دیں، اُس کو لے لو اور جس سے روکیں اُس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

دُوْلَةً: ہاتھوں ہاتھ لینا، لین دین، مال کی گردش۔ جمع دُوَلَاتٌ و دُوَلٌ۔

تشریح: جو شہر بھی لڑے بھڑے بغیر فتح کئے جائیں۔ اُن میں ملنے والے مال کا یہی حکم ہے کہ وہ:

۱۔ اللہ کا حق ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے اپنا کوئی خاص حصہ مقرر کیا ہے بلکہ اس سے اس مال کا بابرکت ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ ۲۔ اللہ کے رسول کے قرابت داروں کے لئے ہے۔ ۳۔ یتیموں کے لئے یعنی اُن چھوٹے بچوں کے لئے جن کا باپ مرگیا ہو۔ ۴۔ مساکین یعنی محتاج لوگ۔ ۵۔ مسافر۔ جن کے پاس مال نہ ہو، خواہ وطن میں مال دار ہوں۔

مالِ فئے کے مستحقین کا تعین اس لئے کرادیا تاکہ یہ مال دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور غریب لوگ محروم رہیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ تمام مال پر رئیس خود ہی قابض اور مالک ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مالِ فئے کی تقسیم کے لئے مستحقین کی تعیین فرما دی لیکن اُن میں سے کس کو دیں اور کتنا دیں یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو بھی ہدایت کر دی کہ اس مال میں سے جتنا آپ عطا فرمائیں اس کو رضا و رغبت سے لے لیں، زیادہ کی طمع نہ کریں اور اگر وہ نہ دیں تو اس کی فکر میں نہ پڑیں۔ اگر اس معاملے میں کسی نے غلط بیانی یا حیلے بہانے بنا کر زائد حصہ وصول بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے۔ وہ اس کو اس کی سزا دے گا۔

یہ آیت اگرچہ مالِ فئے کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔ اس لئے اس میں آپ کے احکام اور اوامر و نواہی سب داخل ہیں۔ اس لئے آپ جو کچھ مال یا کوئی اور چیز عطا فرمائیں تو اس کو لے لینا چاہئے یا کسی کام کے کرنے کا حکم دیں تو اُس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور آپ ﷺ جس چیز سے روک دیں اُس سے رک جانا چاہئے۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۶۸۔۳۴۰/۸، مظہری: ۲۳۸، ۹/۲۳۹)

مالِ فئے کے مزید مصارف

۸۔۱۰۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ
خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا
الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

وہ (مالِ فئے) اُن مساکین مہاجروں کے لئے بھی ہے جو اپنے گھروں اور

مالوں سے نکالے گئے ۔ وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول ؐ کی مدد کرتے ہیں ۔ یہی لوگ سچے ہیں اور (وہ مال) اُن کے لئے بھی ہے جنہوں نے اس گھر (مدینے) اور ایمان میں اُن سے پہلے جگہ بنائی، جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں پاتے اور اُن کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود اُن کو شدید ضرورت ہو اور جس نے اپنے نفس کو حرص سے بچالیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔ وہ (مال) اُن کے لئے بھی ہے جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ نہ ڈال ۔ اے ہمارے رب بے شک تو بڑا شفیق (اور) رحیم ہے ۔

يُؤْثِرُوْنَ: وہ ایثار کرتے ہیں، وہ ترجیح دیتے ہیں ۔

خَصَاصَةٌ: تنگی، بھوک، احتیاج ۔ مصدر ہے ۔

يُوْقَ: اس کو محفوظ رکھا جائے گا، اس کو بچایا جائے گا ۔ وِقَايَةٌ سے مضارع مجہول ۔

شُحَّ: حرص، لالچ، کنجوسی ۔

غِلًّا: کینہ، برائی، دل میں چھپی ہوئی دشمنی ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: گزشتہ آیت میں عام یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کے فقر واحتیاج کی بنا پر مال فئے کے مستحقین میں شمار کیا گیا تھا ۔ ان آیات میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ اگر چہ مال فئے عام فقرا کی حاجت رفع کرنے کے لئے ہے لیکن ان میں بھی نیک، صالح، دین دار خصوصاً دینی خدمات انجام دینے والے طلبا اور علما دوسرے لوگوں سے مقدم رکھے جائیں ۔ ان آیات میں صحابۂ کرامؓ کے دو طبقات بتائے گئے ہیں ۔ ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں ۔ بالآخر اپنا وطن، مال و جائیداد اور خویش و اقارب کو خیر باد کہہ کر مدینے ہجرت کی ۔ دوسرے انصارِ مدینہ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ آنے والے مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی اور اُن کی ایسی میزبانی کی جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی ۔ ان دونوں

طبقات کے بعد تیسرا طبقہ ان مسلمانوں کو قرار دیا جو صحابہؓ کرام کے بعد مشرف بہ اسلام ہوا اور صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلا۔ اس میں قیامت تک آنے والے سب مسلمان شامل ہیں۔

مہاجرین کے فضائل

۱۔ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو صرف اس جرم میں اپنا وطن اور مال و جائیداد اور عزیز و اقارب چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے حامی و مددگار ہو گئے تھے۔

۲۔ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے اور مال و وطن اور عزیز و اقارب چھوڑنے کی کوئی دنیاوی غرض نہ تھی بلکہ صرف اللہ کا فضل اور رضا مطلوب تھی جس سے ان کے کمالِ اخلاص کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ یہ سب کچھ انہوں نے اللہ کے دین اور اُس کے رسول ﷺ کی مدد کے لئے کیا۔

۴۔ یہی لوگ قول و عمل کے سچے ہیں۔ ان لوگوں نے دعوتِ اسلام قبول کر کے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جو عہد کیا تھا اس میں وہ پورے اُترے۔

انصار کے فضائل

۱۔ انصارِ مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دارالہجرت اور دارالایمان بننے والا تھا، اس میں ان لوگوں کا قیام مہاجرین سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور وہ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کر کے اس میں پختہ ہو چکے تھے۔

۲۔ یہ انصار ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے شہر میں آئے ہیں۔ یہی نہیں کہ انہوں نے مہاجرین کا اپنی بستی میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا بلکہ اُن کو اپنے مکانوں میں آباد کیا اور اپنے اموال میں اُن کو حصے دار بنایا۔

۳۔ بنی نضیر کے مال میں سے جو کچھ مہاجرین کو دیا گیا، انصارِ مدینہ نے اس کو اس طرح خوشی سے قبول کیا کہ گویا اُن کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ بنو نضیر کے اموال فئے حاصل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصارِ مدینہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ نے انصارِ مدینہ کی تعریف فرمائی کہ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ جو حسنِ

سلوک کیا وہ بڑے عزم وہمت کا کام تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال آپ کو دے دیئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو مہاجرین وانصار سب میں تقسیم کر دوں اور مہاجرین بدستور آپ کے مکانوں میں رہائش پذیر رہیں اور آپ چاہیں تو یہ اموال صرف ان بے گھر و بے زر لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں اور یہ لوگ آپ کے گھروں کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھر علیحدہ بسالیں۔ یہ سن کر انصارِ مدینہ کے دونوں سرداروں حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیجئے اور وہ پھر بھی بدستور ہمارے مکانوں میں مقیم رہیں۔ یہ سن کر تمام حاضرین انصار بول اُٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں۔ اس وقت آپ نے تمام انصار کو دُعا دی اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔

۴۔ انصار کے لوگ مہاجرین کو اپنے او پر ترجیح دیتے تھے اور اپنی ضروریات پوری کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے، اگرچہ وہ خود حاجت منداور فقر وفاقے میں ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں۔

امت کے عام مسلمانوں کے فضائل

تیسری آیت کے مفہوم میں مہاجرین وانصار صحابہ کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمان شامل ہیں، اور اس آیت نے ان سب کو مال فئے میں حق دار قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کے فضائل میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں کیونکہ صحابہؓ کو ایمان میں ان پر سبقت حاصل ہے اور ایمان واسلام صحابہؓ ہی کے ذریعے اُن تک پہنچا۔ اور وہ اپنے لئے یہ دعا کرتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ ونفرت نہ رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے بعد والے جتنے بھی مسلمان ہیں، اُن کا ایمان واسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابۂ کرامؓ کی عظمت ومحبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوں۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۷۱۔۸/۳۸۱)

منافقین کے احوال

۱۱۔۱۲، أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ
فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ
إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۞ لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا
لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا
يُنْصَرُونَ ۞

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہلِ کتاب کافر بھائیوں (یہود) سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر وہ (اہلِ کتاب) نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اُن سے جنگ ہوئی تو یہ اُن کی مدد بھی نہ کریں گے اور اگر (بالفرض) ان کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا آپ نے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اُس کے ساتھیوں کی حالت نہیں دیکھی کہ یہ لوگ اپنے کافر بھائیوں بنی نضیر سے کہتے ہیں کہ تم لوگ مدینے سے کسی حال میں نہ نکلنا۔ ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کریں گے۔ اگر مسلمانوں نے تمہیں مدینے سے نکالنے کی کوشش کی تو ہم بھی احتجاجاً تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور اگر جہاد و قتال کی نوبت آئی تو ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔ یہ ہمارا ایسا قطعی فیصلہ ہے کہ اس کے خلاف نہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بات مانیں گے اور نہ کسی اور مسلمان کی۔ منافقین کے ان باطل دعوؤں کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ محض یہود کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں۔ اگر

یہودی مدینے سے نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ ہرگز نہیں نکلیں گے اور اگر اُن سے قتال ہوا تو یہ اُن کی مدد نہیں کریں گے اور اگر دکھاوے کے لئے انہوں نے کچھ مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ اس کے بعد یہ خود ایسے بے یارو مددگار ہو جائیں گے کہ خود ان کو کہیں سے مدد نہ ملے گی چہ جائیکہ وہ دوسروں کی مدد کریں۔ یہ پیشین گوئی آپ ﷺ کی نبوت کا ایک معجزہ تھا۔ اس پیشین گوئی کے مطابق بنی نضیر مدینے سے نکالے گئے لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔

منافقوں کی بزدلی

۱۳-۱۴۔ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭

اُن کے دلوں میں تمہارا خوف اللہ (کے خوف) سے زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکتے۔ مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں۔ اُن کی لڑائی تو آپس میں ہی سخت ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں حالانکہ دل جدا جدا ہیں یہ اس لئے کہ وہ بے عقل ہیں۔

رَهْبَةً: ڈر، خوف، رعب۔

بَاْسُهُمْ: اُن کی لڑائی۔

شَتّٰى: جدا جدا، مختلف، متفرق۔ واحد شَتِيْتٌ۔

تشریح: یہ منافقین لوگوں کے ڈر سے بظاہر ایمان تو لے آتے ہیں، لیکن اُن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے باطنی کفر کو جانتا ہے مگر وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور نہ دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کے مسلمانوں کا ڈر زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو نہیں پہچانتے اور نہ اُن کی عظمت کو جانتے ہیں۔ اُن کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ سب نفع ونقصان اللہ کے اختیار میں ہے۔ بندوں کے سارے اعمال وافعال اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا

چاہئے اور نفاق کی بجائے دل سے ایمان لانا چاہئے۔

یہ لوگ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ اب یہ اُن سے کسی کھلی جگہ میں جنگ نہیں کر سکتے، البتہ یہ لوگ گنجان بستیوں میں محفوظ اور قلعہ بند ہوکر یا شہر پناہ کی دیوار کی آڑ میں رہ کر لڑ سکتے ہیں۔ پس جو قوم ایسی بزدل ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ مسلمانوں کو ایسی بزدل قوم سے خائف ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر چہ یہ لوگ بظاہر متحد نظر آتے ہیں مگر اُن کے دل متفرق ہیں وہ کسی ایک بات پر نہیں جمتے، سب کے خیالات جدا ہیں، ہر ایک اپنی خواہش اور غرض کا بندہ ہے۔ اس کی وجہ ان کی بے عقلی ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے۔ (مظہری: ۲۵۰،۵۲۱/۹)

منافقین کی مثال

۱۵۔۱۷، كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۵ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۷

اِن کا حال تو اُن لوگوں جیسا ہے جو اِن سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو آدمی سے کہتا ہے کہ کافر ہوجا۔ پھر جب وہ کافر ہوجاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پھر دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیئے گئے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

تشریح: بنی نضیر کے یہود کی مثال اُن لوگوں کی سی ہے جو قریب کے زمانے میں اُن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں بھی اپنے کفر اور عداوتِ رسول ﷺ کے انجام کا مزہ چکھ لیا اور آخرت میں بھی اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں وہ مشرکین مراد ہیں جو بدر میں لڑے تھے۔ حضرت ابن

عباس نے فرمایا کہ اس سے بنی قینقاع کے یہودی مراد ہیں جو حضرت عبداللہ بن سلام کے قبیلے والے تھے۔ یہ لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ جب ان لوگوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر سی لڑائی کے بعد ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔

پھر فرمایا کہ شیطان پہلے تو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کر لیتا ہے اور عذاب خداوندی کو دیکھ کر اپنے کفر کی ذمے داری شیطان پر ڈالتا اور کہتا ہے کہ اُس نے مجھ سے کفر کرایا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ پھر آخر کار دونوں کا انجام ایک ہی ہوگا یعنی کفر کرنے والا انسان اور گمراہ کرنے والا شیطان، دونوں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ وہ جہنم کے عذاب سے کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔ ظالموں کی یہی سزا ہے۔ اس لئے منافقوں کو اپنی حرکتوں سے باز آجانا چاہئے۔ یہی مثال منافقین کی ہے کہ پہلے تو وہ بنی نضیر کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے تو یہ ان سے لاتعلق ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔

تقویٰ و فکرِ آخرت کی دعوت

۱۸۔۲۰۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَأَنسَىٰهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِىٓ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ وَأَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۚ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ هُمُ ٱلْفَآئِزُونَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے (آنے والی) کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو ہی بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت برابر نہیں ہو سکتے۔ اہلِ جنت ہی کامیاب ہیں۔

تشریح: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے احکام بجالا کر اور اُس کی نافرمانیوں سے اجتناب کر کے

اپنے آپ کو اُس کے عذابوں سے بچاتے رہو اور اپنا حساب کر کے دیکھ لیا کرو کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اس وقت کام آنے والے نیک اعمال کا کتنا ذخیرہ تمہارے پاس ہے۔ اس روز ایمان و عملِ صالح کا ذخیرہ ہی کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ وہ تمہارے تمام اعمال و احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ نہ کوئی چھوٹا کام اس سے پوشیدہ ہے اور نہ بڑا، اسی اعتقاد سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور اسی پر ایمان و اخلاص کا انحصار ہے۔

تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا اور دن رات اپنی خواہشات اور دنیوی لذتوں میں منہمک اور آخرت سے غافل رہتے ہیں اور اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے رہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو بھلا دیا اور ان کو اعمالِ صالحہ کی توفیق سے محروم کر دیا جو اُن کو آخرت میں نفع دیتے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے خارج اور قیامت کے دن نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنتی اور جہنمی برابر نہیں کیونکہ اہلِ جہنم ایسے عذابوں میں مبتلا ہوں گے جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اُن کے مقابلے میں اہلِ جنت کو ایسی ایسی نعمتیں حاصل ہوں گی جو آدمی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ یقیناً اہلِ جنت ہی کامیاب اور اپنی مراد پانے والے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾

کیا بدکاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ایمان دار اور نیک لوگوں کی مانند کر دیں گے۔ اُن کا جینا اور مرنا یکساں ہے۔ اُن کا یہ دعویٰ بہت ہی برا ہے۔ (الجاثیہ: ۲۱)

اور ارشاد ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

اندھا اور دیکھنے والا اور مومن، نیک، صالح اور بدکار برابر نہیں۔ تم بہت ہی

تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (المؤمن: ۵۸)

اور ارشاد ہے:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ
اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۞

کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسادیوں کی مانند کردیں گے یا پرہیزگاروں کو فاجروں کی مثل کردیں گے۔ (ص: ۲۸)

پس کافروں کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدکاروں کا مرنا اور جینا برابر کردے گا۔ یہ دونوں نہ اس دنیوی زندگی میں برابر و یکساں ہوسکتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد۔ آخرت میں جو حیاتِ طیبہ ایک مومن صالح کو نصیب ہوگی وہ ایک کافر و بدکار کو کہاں میسر۔
(ابن کثیر: ۳۴۱، ۴/۳۴۲)

قرآن کی عظمت اور صفاتِ الٰہیہ

۲۱۔۲۴، لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ
خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۞
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۞ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کی ہیبت سے پھٹ پڑتا۔ ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کو

جانتا ہے۔ وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن دینے والا، نگہبان، زبردست اور عظمت والا ہے، اللہ اُن کے شرک سے پاک ہے، وہی اللہ خالق ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں۔

اَلْمُهَیْمِنُ: نگہبان، محافظ، امین، اللہ تعالیٰ کا اسمِ صفت۔

اَلْبَارِئُ: بنانے والا، پیدا کرنے والا، درست کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا اسمِ صفت۔ بَرْءٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: اگر آدمی کے دل پر قرآن کا کچھ اثر نہ ہو تو یہ بہت ہی حسرت وافسوس کا مقام ہے حالانکہ یہ اس قدر پُر تاثیر، زبردست اور قوی ہے کہ اگر پہاڑ جیسی سخت چیز پر اس کو نازل کیا جاتا تو وہ بھی قرآن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا اور خوفِ خدا سے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ لوگوں کے لئے ایسی مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ان میں غور وفکر کریں اور ان سے نصیحت حاصل کریں۔

پھر فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی پوشیدہ باتوں اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا بڑا مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ وہ اپنی رحمتوں سے مومن وکافر، انسان و حیوان، حجر و شجر سب کو نوازتا ہے۔ غرض وہ پروردگار ہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی تمام کائنات کا بادشاہ ہے۔ تمام کائنات میں اُسی کا حکم جاری ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کی حکم عدولی یا بغاوت کر سکے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور ہر نقصان وزوال سے محفوظ وسالم ہے۔ وہی مصیبتوں اور پریشانیوں سے امن دینے والا اور وہی محافظ ونگہبان ہے۔ وہ بڑا غالب اور عزت و عظمت والا ہے۔ وہ ان کافروں کے شرک اور شریک سے پاک ہے، وہی اللہ پیدا کرنے والا ہے۔ ایجاد کرنے والا اور صورتیں بنانے والا ہے۔ تمام پاکیزہ نام اسی کے لئے ہیں۔ وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اُسی کی پاکی بیان کرتی ہیں، وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات کو یا دن کو سورۂ حشر کی آخری آیات پڑھے گا اور اُس رات میں یا دن میں اُس کی روح قبض کر لی جائے تو اُس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ (مظہری: ۲۵۵۔۹/۲۵۷)

سورۃ الممتحنہ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں مومنہ عورتوں کے امتحان کا ذکر ہے، اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ اگر چہ سورت کے شروع میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی مذکور ہے مگر یہ اس واقعے سے موسوم نہیں ہوئی۔ اسی لئے علما نے کہا ہے کہ سورتوں کے نام توقیفی ہیں، یعنی جس نام سے واقف کیا گیا ہے وہی اُس کا نام رہے گا۔ کوئی شخص اپنے قیاس سے اس کا دوسرا نام نہیں رکھ سکتا۔ اس کو سورۃ الامتحان اور سورۃ المودۃ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۶۵/ ۲۸)

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۳ آیات، ۳۴۸ کلمات اور ۱۵۱۰ حروف ہیں۔ ابن عباس اور ابن الزبیر نے کہا کہ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہی سب علما کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۴۴/ ۲۸، روح المعانی: ۶۵/ ۲۸)

اس میں مومنوں کو کافروں سے دوستی رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اُن عورتوں کا ذکر ہے جو اسلام لانے کے بعد ہجرت کرکے مدینے آ جائیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کفار سے دوستی کی ممانعت اور اُسوۂ ابراہیمی کا بیان ہے۔

رکوع ۲: ترکِ موالات پر مسلمانوں کو تسلی اور مسلمان عورتوں کے امتحان کا بیان ہے۔

کفار سے دوستی کی ممانعت

۱۔۳، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ

جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١﴾ إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، کہ اُن کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو دین حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اُس کے منکر ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار، اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضا جوئی کے لئے نکلے ہو (تو اُن کو دوست نہ بناؤ) تم پوشیدہ طور پر اُن کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں، جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جس نے یہ کام کیا وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور چاہنے لگیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن تمہاری رشتے داریاں اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئیں گی۔ اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

یَثْقَفُوْکُمْ: وہ تم پر قابو پالیں گے، وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ ثَقِفَ سے مضارع۔

اَرْحَامُکُمْ: تمہاری رشتے داری۔

شانِ نزول: صحیحین میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور زبیر اور مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا کہ جب نخلستان خاخ پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں اُونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی۔ اُس کے پاس ایک خط ہوگا، اُس خط کو میرے پاس لے آنا۔ پھر ہم نکل پڑے اور اسی نخلستان پر اُس عورت کو پایا۔ ہم نے کہا: خط نکال۔ کہنے لگی کہ میرے پاس خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا: خط نکال کر

دے دے ورنہ کپڑے اُتار۔ آخر اپنے بالوں کے جُوڑے سے اس نے خط نکال کر دیا۔ ہم خط لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا۔ حاطب نے آپ ﷺ کی کچھ باتوں کی اطلاع مشرکوں کو دی تھی۔ آپؐ نے حاطب سے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جلدی نہ فرمایئے۔ بات یہ ہے کہ میں قریش میں سے نہیں ہوں، اُن کے ساتھ ملحق ہوں، آپؐ کے پاس جتنے مہاجر ہیں، اُن کی رشتے داریاں قریشیوں سے ہیں، جس کی بنا پر وہ مہاجروں کے گھر والوں اور اُن کے متروکہ مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں ہی ایک ایسا شخص ہوں کہ میری اُن سے نسبی شرکت نہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اُن پر کوئی ایسا احسان کر دوں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں، میں نے یہ حرکت کفر یا مرتد ہو جانے کی وجہ سے نہیں کی، نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ انہی کے معاملے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۲۵۹)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو ہرگز دوست نہ بناؤ اور مشرکین سے دوستی کے سبب تم اُن کو رسول اللہ ﷺ کی خبریں نہ پہنچاؤ۔ حالانکہ جو دینِ حق تمہارے پاس آ چکا ہے وہ اُس کے منکر ہیں۔ وہ نہ اس دین کو مانتے ہیں اور نہ اس پر ایمان لاتے ہیں، بلکہ وہ تمہاری دشمنی اور اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ اُن کی دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور تمہیں محض اس بنا پر مکے سے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، جو تمہارا ربّ ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم میری رضا کے لئے میری راہ میں جہاد کے لئے نکلے ہو تو پھر دشمن کو دوستی اور خیر خواہی کا پیغام بھیجنے کی بجائے اس کو دشمن ہی سمجھو اور اُس سے دشمن جیسا معاملہ کرو۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے اس کی کسی خفیہ بات کا علم نہیں ہوگا۔ میں تمہاری خفیہ اور علانیہ سب باتوں کو خوب جانتا ہوں۔ غرض ایسی باتیں انتہائی ناپسندیدہ ہیں، سو تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا۔

ان کافروں کا تو یہ حال ہے کہ اگر اُن کا بس چلے اور اُن کو موقع مل جائے تو تمہاری دوستی کی پیش کش کے بعد بھی وہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔ تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں گے، تمہیں گالیاں دیں گے اور برا بھلا کہیں گے۔ غرض جو کچھ اُن کے امکان میں ہوگا وہ کر گزریں گے بلکہ وہ اپنی تمام تر کوشش اس امر پر صرف کریں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنالیں۔ وہ تم سے کبھی راضی نہ ہوں

گے اور نہ کبھی تمہارے دوست ہوں گے، یہاں تک کہ تم بھی کفر میں مبتلا ہو جاؤ۔ جب اُن کی دشمنی کا یہ حال ہے تو تم اُن کو دوست سمجھ کر اپنی راہ میں کانٹے کیوں بوتے ہو۔ قیامت کے دن نہ تو مشرکین سے تمہاری قرابتیں اور رشتے داریاں کام آئیں گی اور نہ مشرک اولاد، جن کی وجہ سے تم اُن سے دوستی کرتے ہو۔ قیامت کے روز تو اولاد، ماں باپ سے اور ماں باپ، اولاد سے بھاگتے پھریں گے۔ اُس دن اللہ تعالیٰ مومنوں اور مشرکوں کو جدا جدا کر دے گا۔ مومنوں کو جنت میں داخل کرے گا اور مشرکوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اس لئے وہ اُن کے مطابق بدلہ دے گا۔

اُسوۂ ابراہیمی

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ ۴-۶ ،
اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ
اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ
تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ
وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

تمہارے لئے ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، اُن سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں۔ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے، جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اپنے باپ سے اتنی بات تو ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور مجھے اللہ کے سامنے تمہارے معاملے میں کسی بات کا اختیار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی

طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے ربّ! تو
ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہماری مغفرت فرما۔ بے شک تو ہی
زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ یقیناً تمہارے لئے ان میں عمدہ نمونہ ہے
(خاص طور پر) اس کے لئے جو اللہ کی اور روزِ قیامت کی ملاقات کا اعتقاد
رکھتا ہو اور جو کوئی روگردانی کرے تو اللہ بے نیاز اور سزاوارِ حمد ہے۔

تشریح: مومن بندوں کو کفار سے دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کے سامنے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کا نمونۂ عمل پیش فرمایا کہ اُنہوں نے اپنے رشتے، کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم پوجتے ہو، بیزار اور بری الذمہ ہیں۔ ہم تمہارے دین اور طریقے سے نفرت کرتے ہیں۔ جب تک تم اس طریقے اور مذہب پر قائم ہو، ہمیں اپنا دشمن سمجھو۔ تمہارے کفر کے سبب، برادری کی بنا پر تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے دے اور تم اللہ واحدہ و یکتا پر ایمان لے آؤ، اُس کی توحید کو مان لو اور جن بتوں کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور جن کی پوجا میں تم مشغول رہتے ہو، اُن کو ترک کر کے شرک سے توبہ کر لو، تو پھر بے شک تم ہمارے بھائی ہو، ہمارے عزیز ہو، ورنہ ہم میں اور تم میں کوئی اتحاد و اتفاق نہیں۔ ہم تم سے علیحدہ اور تم ہم سے علیحدہ ہو۔

مسلمانوں کو اُسوۂ ابراہیمی ہی کی اتباع کرنی چاہئے، سوائے اس قول کے جس میں انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں اپنے ربّ سے تمہارے لئے معافی کی درخواست ضرور کروں گا اور مجھے اللہ کی طرف سے تیرے لئے اس سے زیادہ کسی چیز کا اختیار نہیں۔ یعنی معاف کرنا یا نہ کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ یہ دُعا بھی حضرت ابراہیم کے اُسوۂ حسنہ میں سے ہے کہ اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا، اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا اور آخر کار تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے ربّ! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہماری مغفرت فرما دے۔ بے شک تو ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

بے شک ان لوگوں کے قول و عمل اور عقیدے میں اس شخص کے لئے نہایت عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے جانے اور آخرت کے دن کا یقین رکھتا ہو، اور جو اس حکم سے روگردانی کرے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ اللہ بالکل بے نیاز اور حمد کا سزاوار ہے۔

ترکِ موالات پر مسلمانوں کو تسلی

۷۔۹، عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ
مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ
اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ
دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْ
هُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

کیا عجب کہ اللہ بہت جلد تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تمہیں اُن لوگوں سے بھلائی اور انصاف کا (سلوک) کرنے سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ اُنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں تم سے لڑیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالیں اور تمہیں نکالنے والوں کی مدد کریں۔ جس نے اُن سے دوستی کی تو وہی ظالم ہیں۔

تَبَرُّوْهُمْ: تم اُن سے نیکی کرتے ہو، تم ان سے احسان کرتے ہو۔ بِرٌّ سے مضارع۔

ظٰهَرُوْا: انہوں نے مدد کی، اُنہوں نے پُشت پناہی کی۔ مُظَاهَرَةٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکینِ مکہ سے یہ ترکِ موالات تھوڑے عرصے کے لئے ہے۔ اس کے بعد اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اس لئے موجودہ حالات میں ترکِ موالات پر مضبوطی سے قائم رہو۔ اگر اس سلسلے میں کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے تو اُس کو چاہئے کہ اللہ سے معافی مانگے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی قدرت اور رحمت سے بعید نہیں کہ جو لوگ آج تمہارے بدترین دشمن ہیں، کل اللہ تعالیٰ اُنہیں مسلمان کر دے۔ اس طرح تمہارے اور اُن کے درمیان

برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں، چنانچہ فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا۔ تقریباً سب مکے والے مسلمان ہو گئے۔ کل تک جو ایک دوسرے پر تلوار اُٹھاتے تھے آج وہ ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے، جنہوں نے مسلمان نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں سے معاندانہ اور نامناسب رویہ نہیں رکھا، نہ دین کے معاملے میں اُن سے لڑے اور نہ اُن کو ایذا دینے اور وطن سے نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اسلام ایسے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آنے سے نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو تم بھی اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہے تو تم تمام کافروں کو بلا امتیاز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے قتال کیا اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالنے کی کوشش کی یا نکالنے والوں کی مدد کی۔ جو شخص ایسے ظالموں سے دوستی کرے گا تو وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ (عثمانی: ۶۷۶، ۶۷۷/ ۲)

مسلمان عورتوں کا امتحان

۱۰۔۱۱: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ مُهَٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُواْ ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُواْ بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُواْ مَآ أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُواْ مَآ أَنفَقُواْ ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ ٱللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِن فَاتَكُمْ شَىْءٌ مِّنْ أَزْوَٰجِكُمْ إِلَى ٱلْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَـَٔاتُواْ ٱلَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَٰجُهُم مِّثْلَ مَآ أَنفَقُواْ ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ۝

اے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔ اللہ اُن کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر وہ تمہیں ایمان

دار معلوم ہوں تو اُنہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔ یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں۔ اور جو کچھ کافروں نے (ان پر) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کردو۔ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر اُن سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور تم کافر عورتوں سے تعلقات باقی نہ رکھو اور جو تم نے (اُن پر) خرچ کیا ہو وہ مانگ لو اور جو ان (کافروں) نے خرچ کیا وہ مانگ لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے اور اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کی طرف چلی جائے پھر تمہیں موقع ملے (کفار سے جنگ ہو مالِ غنیمت ہاتھ آئے) تو جن (مسلمانوں) کی بیویاں چلی جائیں اُن کو اتنا دے دو جتنا اُنہوں نے (ان پر) خرچ کیا تھا اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

شانِ نزول: حضرت اُمِ کلثوم بنتِ عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے چلی آئیں۔ اُن کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید اُن کو واپس لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے کی ممانعت کر دی گئی۔ (مظہری: ۹/۲۶۳)

تشریح: صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح کی جو شرائط طے ہوئی تھیں اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس چلا آئے تو آپ ﷺ اُسے اہل مکہ کو واپس کر دیں۔ بعد میں قرآنِ کریم نے عورتوں کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور وہ ہو بھی واقعتاً سچی مومنہ تو مسلمان اُسے کافروں کو واپس نہ کریں البتہ امتحان کے ذریعے اُس کے ایمان کے بارے میں گمانِ غالب ضرور حاصل کر لیا کریں اور یہ دیکھ لیا کریں کہ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض ہجرت کا سبب نہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ اُن عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ تو آپؓ نے جواب دیا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند سے ناراض ہو کر نہیں آئی اور نہ آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی اور سیر و سیاحت کے لئے آئی ہے۔ کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت میں اسلام کی خاطر ترکِ وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں،

قسم دے کر ان سوالات کا کرنا اور خوب آزما لینا یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ اگر آزمائش میں کسی دنیاوی غرض کا پتہ چل جاتا تو اُنہیں واپس لوٹانے کا حکم تھا۔

پھر فرمایا کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں۔ اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دار السلام میں آ جائے تو جو مسلمان اُس سے نکاح کا خواہش مند ہو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کافر خاوند نے جتنا مہر اُس عورت پر خرچ کیا تھا وہ اُس کافر کو واپس کر دے اور اب نیا مہر جو مقرر ہوگا وہ بھی اُس کے ذمے ہوگا۔ یہ دونوں شرطیں پوری کرنے کے بعد عدت گزرنے پر ولی مقرر کر کے اُس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اسی طرح جس مسلمان کی عورت کفر پر قائم رہے وہ اُس عورت کو چھوڑ دے۔ اس کے بعد جو کافر اُس سے نکاح کرے وہ اُس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کر دے۔ اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہی تمہارے درمیان فیصلہ کر رہا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی تمام مصلحتوں سے باخبر ہے اور اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد مسلمان تو کافروں کا حق دینے اور اپنا حق لینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن کافروں نے مسلمانوں کا حق دینا قبول نہ کیا۔ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی عورت کافروں کے پاس چلی جائے اور وہ تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہ کریں تو جب اُن میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تمہارے پاس آ جائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر جو باقی بچے وہ دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔

(مظہری: ۲۶۳-۲۶۶/۹)

عورتوں کی بیعت

۱۲-۱۳: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ
بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا
یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا
یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا
غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىٕسَ الْكُفَّارُ

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

اے نبی (ﷺ) جب مومن عورتیں اس بات پر آپؐ سے بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ اُمورِ شریعت میں آپؐ کی نافرمانی کریں گی، تو آپؐ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ تو آخرت کے (اجر و ثواب) سے ایسے مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر اُن سے نا اُمید ہیں، جو قبروں میں ہیں۔

تشریح: اے نبی ﷺ! اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آپؐ کے پاس آئیں اور اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ زمانۂ جاہلیت کی رسم کے مطابق اپنی اولاد کو قتل کریں گی یعنی اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہیں کریں گی اور نہ وہ کسی پر ایسا بہتان لگائیں گی جس کا افترا اور الزام وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان باندھتی ہوں یعنی جان بوجھ کر غیر کے بچے کو اپنے شوہر سے منسوب نہیں کریں گی اور نہ کسی اچھے کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ اُن سے بیعت لے لیا کریں اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس لئے وہ آپ کی استغفار اور دعا کی برکت سے اُن کی کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور اُن کو اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

اے ایمان والو! اُن لوگوں سے بھی دوستی مت کرو جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل فرمایا۔ اس سے مراد یہود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو نبیٔ برحق نہیں مانتے تھے حالانکہ توریت میں آپ کی بشارت موجود تھی مگر وہ آپ ﷺ سے دانستہ حسد و دشمنی کرتے تھے۔ جس طرح کفار قبروں کے مردوں کے دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جانے یا اُن کے ثواب پانے کی اُمید نہیں رکھتے اسی طرح یہود بھی آخرت کی فلاح و بہبود سے نا اُمید ہو گئے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آخرت کے ثواب میں اُن کا کوئی حصہ نہیں۔

سورۃ الصّف

وجہ تسمیہ: اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ کی راہ میں صف بستہ ہوکر لڑنا مذکور ہے۔ اسی لئے اس کا نام سورۃ الصّف ہوگیا۔ اس کو سورۃ الحواریین اور سورۃ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔
(روح المعانی: ۲۸/۸۳)

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۴ آیتیں، ۲۲۱ کلمات اور ۹۰۰ حروف ہیں۔ جمہور علما کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حسن، قتادہ، عکرمہ اور مجاہد سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید سے ہوا ہے پھر دشمنانِ اسلام سے متحد ومتفق ہوکر جہاد وقتال کی ترغیب وتاکید اور آپ ﷺ کی بشارت مذکور ہے۔ آخر میں اہل ایمان کو ایک نفع بخش تجارت بتائی گئی ہے۔
(مواہب الرحمٰن: ۲۹۹۔۲۸/۳۰۰۔ روح المعانی: ۲۸/۸۳)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: جہاد کی ترغیب، حضرت موسیٰ کو اپنی قوم سے شکایات، آپ کی بشارت اور دین حق کے غلبے کا بیان ہے۔

رکوع ۲: خسارے سے پاک تجارت اور مومنوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا مددگار بننے کا حکم۔

جہاد کی ترغیب

۱۔۴: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ

مَّرْصُوْصٌ ④

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، اللہ کو یہ بہت ناگوار ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔ بے شک اللہ اُن کو پسند کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

مَقْتًا: ناپسندیدہ، نفرت کیا ہوا۔ مصدر بمعنی مفعول۔

بُنْيَانٌ: عمارت، دیوار

مَرْصُوْصٌ: مضبوط، سیسہ پلائی ہوئی۔ رَصٌّ سے اسم مفعول۔

شانِ نزول: ابن جریر نے ابوصالح کی روایت سے بیان کیا کہ مسلمانوں نے کہا تھا کہ اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے تو ہم اُسی کو کرتے۔ اس پر آیت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪

(الصف: ۱۰، ۱۱)

نازل ہوئی مگر کچھ مسلمانوں پر جہاد شاق گزرا اس پر آیت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②

نازل ہوئی۔ محمد بن کعب نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ نے شرکائے بدر کا ثواب بیان فرمایا تو صحابہؓ کہنے لگے کہ اگر آئندہ کبھی لڑائی کا موقع ملا تو ہم اپنی ساری طاقت لگا دیں گے لیکن جب اُحد کی لڑائی ہوئی تو یہ حضرات بھاگ کھڑے ہوئے، اللہ نے اُن کو عار دلانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری: ۹/۲۷۰)

تشریح: آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید میں مشغول ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ (الاسراء:۴۴)

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

پس کائنات کی ہر چیز کا اُس کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے میں مشغول ہونا اُس کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے۔ بے شک وہ بڑے غلبے والا، زبردست قوت والا اور اپنے تمام احکام وفرامین میں حکمت والا ہے۔

اے ایمان والو! تم اپنے منہ سے ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا تو بہت آسان ہے لیکن اُس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص سے سخت ناراض اور بے زار ہوتا ہے جو زبان سے تو بہت کچھ کہے مگر عمل کچھ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ اُن لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اُس کے دشمنوں کے مقابلے پر ڈٹ جاتے ہیں اور میدانِ جنگ میں ایسی صف بندی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ زبانی دعوے کرنا اور جہاد سے جی چرانا تو منافقین کا شیوہ ہے جس کو قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا کہ پہلے تو یہ لوگ جہاد کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو کہنے لگے کہ:

رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ

اے ہمارے ربّ! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دے دیتا۔ (النساء:۷۷)

حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم سے شکایت

۵۔۶: وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِىۡ وَقَدْ تَّعۡلَمُوۡنَ
اَنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ‌ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ
لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۞ وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ
مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا
بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى

اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْـرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں، پھر جب وہ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے جو توریت آ چکی ہے اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں، جن کا نام احمد ہوگا، میں اُن کی بشارت دیتا ہوں، پھر جب وہ اُن کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں فرعون کے عذاب سے بچایا اور سمندر پار کرایا، تم نے میرے معجزے بھی دیکھے ہیں اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ نبوت کا تقاضا تو یہ ہے کہ نبی کی تعظیم کی جائے اور اس کو تکلیف نہ دی جائے پھر تم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ پھر جب وہ راہِ حق سے بالکل ہٹ گئے، اپنی شقاوت اور حضرت موسیٰ کو ایذا دینے سے کسی طرح باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے دلوں کو قبولِ حق سے پھیر دیا اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰

ہم اُن کے دل اور آنکھیں اُلٹ دیں گے جیسا کہ یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے۔ (الانعام: ۱۱۰)

اور ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

جو شخص ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں
کے راستے کے سوا کسی کی تابع داری کرے تو ہم اُسے اُسی طرف متوجہ کریں
گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالآخر ہم اُسے جہنم میں ڈال دیں گے اور
وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں توریت کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اس لئے تمہیں مجھ پر ایمان لانے میں کوئی تأمل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ میں توریت اور حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور دونوں کی تصدیق کرتا ہوں اور اسی کی دعوت دیتا ہوں جو حضرت موسیٰ دیتے تھے، اس کے ساتھ ہی تمہیں ایک رسول کی خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا نام مبارک احمد ہوگا۔ سو تم ان پر ایمان لانا۔ اگر تم ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تم بھی ان یہودیوں کی طرح ہو جاؤ گے جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ پھر جب وہ عظیم الشان پیغمبر جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اپنے معجزات اور کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ تشریف لے آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

(ابن کثیر: ج ۴، ص ۳۵۹، ۳۶۰، مواہب الرحمٰن: ج ۲۸، ص ۳۱۵)

دینِ حق کا غلبہ

۹-۷: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى
الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۞ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا
نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۞ هُوَ الَّذِي
أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَ
لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۞

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی
طرف بلایا جاتا ہو اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ
کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک

پہنچا کر رہے گا خواہ کافر برا ہی مانیں۔ اُسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین
حق دے کر بھیجا تا کہ اُسے تمام دینوں پر غالب کرے خواہ مشرک برا ہی مانیں۔

یُطْفِئُوْا: وہ اس کو بجھاتے ہیں۔ اطفاءٌ سے مضارع۔

یُظْهِرَہٗ: وہ اس کو ظاہر کرتا ہے، وہ اُس کو غالب کرتا ہے۔ اِظْهَارٌ سے مضارع۔

تشریح: اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ حق کو قبول کرنے کی بجائے اللہ پر جھوٹ اور افترا باندھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف شرک اور صاحبِ اولاد ہونے کی نسبت کرتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتارا، کبھی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت دوامی شریعت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی اور کبھی منسوخ نہیں ہوگی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ یہ لوگ اللہ کے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح کوئی احمق آفتاب کے نور کو منہ سے پھونک مار کر نہیں بجھا سکتا، اسی طرح یہ لوگ اللہ کے دین کو جو نورِ خداوندی ہے، منہ کی پھونک یا جھوٹی باتوں اور افترا سے ختم نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب اور سربلند کرے گا خواہ اس سے کافروں کو خوشی ہو یا رنج، اُس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

اسی نے اپنے رسول ﷺ کو دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ آپؐ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دیں خواہ مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی بری لگے۔ مشرکین کے برا ماننے کی اس کو کوئی پرواہ نہیں۔ اُس نے جو ارادہ کر لیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

خسارے سے پاک تجارت

۱۰۔۱۳: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
اَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ
لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ
مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾
وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ (وہ یہ کہ) اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اللہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (رکھے گا) جو جنت عدن میں ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ ایک اور چیز بھی دے گا جسے تم پسند کرتے ہو۔ وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے۔ اور مومنوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

اَدُلُّکُمْ: میں تمہیں بات بتاؤں، میں تمہیں بتاؤں۔ دَلَالَۃٌ سے مضارع۔

عَدْن: ہمیشہ رہنا، بسنا، کسی جگہ مقیم ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن تمہارے ذمے یہ ہے کہ تم ایمان و اسلام پر پوری طرح قائم رہتے ہوئے اللہ کے راستے میں اپنی جانوں اور اموال سے جہاد کرو اور جان لو کہ یہ دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر تجارت ہے۔ یہ ایسی تجارت ہے جس میں نفع ہی نفع ہے، خسارے کا کوئی احتمال نہیں۔ اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے لگا لو کہ اس کا نفع، مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا جہاں صاف و شفاف نہریں جاری ہوں گی اور مومنوں کے لئے صاف ستھرے گھر ہوں گے۔ یہ گناہوں کی مغفرت اور جنت میں داخلہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ دوسری ہر کامیابی اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔ اس کے علاوہ ایک نعمت اور ملے گی جس کو تم پسند کرتے ہو اور وہ ہے اللہ کی طرف سے مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ فتح و نصرت کی بشارت اس لئے دی گئی تاکہ مومنین موجودہ تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہیں اور پورے ایمانی جذبے سے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں۔ (ابن کثیر: ۴/۳۶۱۔ عثمانی: ۲/۶۸)

اللہ کے مددگار

۱۴: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوٓا۟ أَنصَارَ ٱللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ٱبْنُ
مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّـۧنَ مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ قَالَ ٱلْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ

اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا کہ اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہے؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے کفر کیا۔ سو ہم نے اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں مومنوں کی مدد کی تو وہ غالب ہو گئے۔

تشریح: اے ایمان والو! تم اللہ اور اُس کے پیغمبر ﷺ کے مددگار بن جاؤ اور اُس کے دین اور پیغمبر کی نصرت وحمایت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو۔ اس کام کے لئے تمہیں بھی اسی طرح لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھنا چاہئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اللہ کے دین کی مدد کے لئے پکارا تو وہ اللہ کے دین کی مدد ونصرت اور اُس کے پیغمبر کی حمایت واعانت کے لئے تیار ہو گئے۔

حواری وہ بارہ آدمی تھے جو حضرت عیسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ جب حواریوں نے انصار اللہ بننے کا اعلان کر دیا تو حضرت عیسیٰ نے اُن کو تبلیغ دین کے لئے شام ویونان وغیرہ ملکوں میں بھیجا۔ سو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لایا اور اُنہوں نے بڑی قربانیاں دے کر دیار و امصار میں حضرت عیسیٰ کی دعوت کو پھیلایا اور دوسرے گروہ نے کفر وانکار کیا اور گمراہی پر جما رہا۔ یہ دونوں گروہ آپس میں دست وگریباں رہے آخر ان خانہ جنگیوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو منکرین پر غلبہ عطا فرمایا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا جن کو نصاریٰ کہتے ہیں یہود پر غالب رہے۔

جس طرح حضرت عیسیٰ کے بعد ان کے پیروکاروں نے اُن کے دین کی نشر واشاعت کے لئے بڑی محنتیں کیں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابۂ کرامؓ نے دین اسلام کی ترویج واشاعت میں اُن سے کہیں زیادہ محنت وکوشش کی۔ دین کی خاطر عرب وعجم سے دشمنی خریدی۔ اُن کی ایذائیں سہیں، اپنے جان ومال اور اولاد کی قربانی دی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کو فتح ونصرت سے نوازا اور اُن کو سب دشمنوں پر غالب فرمایا۔

(مواہب الرحمٰن: ج ۲۸، ص ۲۲۱۔۲۲۴۔ عثمانی: ۲/۶۸۴)

سورۃ الجمعہ

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں نمازِ جمعہ کے احکام کا بیان ہے، اس لئے یہ اسی نام سے موسوم ہوگئی۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۱ر آیتیں، ۱۸۰ر کلمات اور ۷۲۰ حروف ہیں۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ وقتادہ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب کا قول ہے۔

مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جمعے کی نماز میں یہ سورت یعنی سورۃ الجمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ ابن حبان اور بیہقی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جمعے کی رات میں مغرب کی نماز میں قل یاایھا الکٰفرون اور قل ھواللہ احد پڑھتے اور عشا کی نماز میں سورۃ الجمعہ اور المنافقون پڑھتے تھے۔

(مواہب الرحمٰن: ۳۲۴، ۳۲۵/ ۲۸۔ روح المعانی: ۹۲/ ۲۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: مقاصدِ بعثت، یہود کی بے عملی اور اُن کے اس جھوٹے دعوے کا بیان ہے کہ وہ اللہ کی اولاد اور اُس کے محبوب ہیں۔

رکوع ۲: جمعے کی اذان کے بعد کاروبار کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

مقاصدِ بعثت

۱۔۴: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، جو بادشاہ ہے، پاک ہے، زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے۔ اُسی نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اللہ کی آیتیں پڑھ کر اُن کو سناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (رسول بنا کر بھیجا) جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تشریح: تمام مخلوق خواہ وہ آسمانوں کی ہو یا زمین کی، اللہ تعالیٰ عزوجل کی تسبیح وتحمید میں مصروف و مشغول رہتی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا بادشاہ اور ان میں اپنا کامل تصرف اور اٹل حکم جاری کرنے والا ہے۔ وہ تمام نقصانات سے پاک اور بے عیب ہے، تمام صفاتِ کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے، وہ بڑے غلبے والا، زبردست قوت والا اور اپنے تمام احکام وفرامین میں حکمت والا ہے۔ اُسی نے اَن پڑھ عربوں میں اپنا رسول بھیجا جو اُنہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، پاکیزگی سکھاتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے ہیں: ۱۔ آیات کی تلاوت ۲۔ تزکیۂ نفوس ۳۔ تعلیمِ کتاب ۴۔ تعلیمِ حکمت۔ یہی چار مقاصدِ بعثت الفاظ کی تقدیم وتاخیر کے ساتھ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیات ۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران آیت ۱۶۴ میں بھی بیان ہو چکے ہیں۔

۱۔ **آیات کی تلاوت:** الفاظ ومعانی دونوں کا نام قرآن ہے۔ تلاوت کے اصل معنی اتباع اور پیروی کے ہیں۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں یہ لفظ، قرآنِ کریم اور دوسری آسمانی کتابوں اور کلامِ الٰہی کے پڑھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس طرح یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس کو اسی طرح پڑھنا ضروری ہے۔ اپنی طرف سے کسی لفظ یا اُس کی حرکات میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات میں فرمایا ہے کہ کلامِ الٰہی کے سوا کسی

دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جا سکتا۔ (المفردات: ۷۵)

مذکورہ آیت میں تلاوت اور تعلیمِ کتاب کو الگ الگ ذکر کر کے یہ بتادیا گیا کہ جس طرح قرآنِ کریم کے معانی سمجھنا اور اُس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اُسی طرح اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود اور عبادت ہیں۔ اگر قرآن کے معانی ومطالب کو قرآنی الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ یا کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن نہیں کہلائے گا۔ اگرچہ مضامین ومعانی بالکل صحیح اور درست ہی ہوں۔ پس جس طرح قرآن کے معانی ومطالب کی تعلیم رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں داخل ہے اُسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت اور اُن کو ٹھیک اُسی لب ولہجے پر پڑھنا جس پر وہ نازل ہوئے ہیں، بھی ایک مستقل فرض ہے۔ اسی لئے صحابۂ کرامؓ نے تمام عمر تلاوتِ قرآن کو جاری رکھا۔ بعض صحابہؓ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بعض دو دن اور بعض تین دن میں ختم کرتے تھے۔

۲۔ **تزکیۂ نفوس**: تزکیہ کے معنی طہارت کے ہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ جس طرح شریعت ظاہر کے لئے ہے بالکل اُسی طرح باطن کے لئے بھی ہے۔ جس طرح انسانوں کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اُسی طرح ان کے باطن یعنی قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں ہیں جیسے کفر وشرک، عہدے کی محبت، بغض، حسد، کینہ، تکبر، عداوت، بخل، غیبت وغیرہ۔ اسی باطن یعنی قلب کی اصلاح کا نام تزکیہ اور طہارت ہے جس سے لوگوں کے دلوں کو شرک اور گندے افکار واعمال سے پاک وصاف کیا جاتا ہے۔ اسی کو احسان اور تصوف کہتے ہیں۔

۳۔ **تعلیمِ کتاب**: تلاوتِ آیات کے ساتھ تعلیمِ کتاب کو جداگانہ فرض اس لئے قرار دیا گیا کہ قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ضروری ہے۔ اگر محض زبان کا جان لینا کسی فن کے حصول یا کسی کتاب کو سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو دنیا کے تمام علوم وفنون اُس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان علوم وفنون اور کتابوں کی زبان جانتا، مگر واقعتاً ایسا نہیں ہے۔ بڑے فنون تو ایک طرف کسی معمولی فن کو سمجھنے کے لئے بھی زبان دانی کافی نہیں بلکہ اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر لینے سے کوئی شخص ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن جاتا اور استاد سے سیکھے بغیر محض کتاب پڑھ کر کوئی شخص لوہار، بڑھئی، درزی یا باورچی نہیں بن جاتا، اسی طرح محض عربی زبان پر عبور حاصل کر لینے سے کوئی شخص معارفِ قرآن کا ماہر نہیں بن سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو عہدِ

رسالتؐ میں ابوجہل، ابولہب اور عتبہ جیسے لوگ جو عربی زبان میں کامل مہارت رکھتے تھے، قرآن کے ماہر سمجھے جاتے، مختصر یہ کہ قرآنی تعلیمات کا صحیح علم صرف رسول ہی کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے۔

۴۔ **تعلیم حکمت** :۔ عربی زبان کے اعتبار سے لفظ حکمت کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس آیت اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۹ر اور آلِ عمران کی آیت ۱۴۶ر کی تفسیر میں صحابۂ کرامؓ اور تابعین ؒ نے حکمت کے معنی سنتِ رسول بیان کئے ہیں۔ لہٰذا جس طرح آپ کے ذمے قرآنِ کریم کا سمجھانا اور اُس کی تعلیم دینا فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے ان کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس معلم کی حیثیت سے رسول کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تعلیم دے اور اس کے قوانین کی تشریح وتفسیر بیان کرے۔

پھر فرمایا کہ یہ عظیم الشان پیغمبر جو اُمّی ہے ان دوسرے لوگوں کو بھی کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے جو ابھی ایمان لاکر پہلے مومن لوگوں میں شامل نہیں ہوئے۔ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اس آیت میں آپ کی عام بعثت کا بیان ہے۔ سب سے پہلے وہ لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے جہاں آپ مبعوث ہوئے اور جنہوں نے دارِہجرت میں آپ کی مدد کی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو **سابقون الاولون من المهاجرين والانصار** فرمایا یعنی مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین، پھر وہ لوگ ہیں جو اُن کے بعد ایمان لائے جن کو **والذين اتبعوهم باحسان** فرمایا یعنی وہ لوگ جو خوبی کے ساتھ اولین کے تابع ہوئے۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ ہیں جن کا بیان یہاں **واخرين منهم لما يلحقوا بهم** میں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرین کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔ اس سے فارس، روم، چین اور ہندوستان کی قومیں مراد ہیں جو بعد میں اسلامی برادری میں شامل ہوکر انہی میں سے ہوگئیں۔ جب قرآنِ مجید نازل ہورہا تھا اُس وقت یہ لوگ اہل عرب کے ساتھ نہیں ملے تھے۔ یہ بعثت محمد ﷺ پر اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے اس کو پیغمبری کے لئے چن لیا اور ہادی بنادیا اور یہ اُمت پر بھی اللہ کا فضل ہے کہ اُنہوں نے رسول کی اتباع کی اور رسول نے اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دی اور اُن کا تزکیہ کیا، پس اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عنایت فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۳۳۲۔۳۳۵/ ۱۔ مواہب الرحمٰن ۳۲۶۔۳۳۱/ ۲۸)

یہود کی مثال

۵۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جن لوگوں کو توریت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر اُنہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اُٹھائے پھرتا ہے، اُن لوگوں کی بہت بری مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

الحِمَارِ: گدھا۔ جمع حُمُرٌ و حَمِيْرٌ۔

اَسْفَاراً: کتابیں۔ واحد سِفْرٌ۔

تشریح: جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بن مانگے توریت جیسی نعمت عطا کی تھی، اُنہوں نے اس کے احکام کی پرواہ نہیں کی۔ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے کی پشت پر علوم و فنون کی بڑی بڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ وہ اُن کا بوجھ تو اُٹھائے پھرتا ہے مگر اسے ان کے مضامین اور اسرار و لطائف کی کچھ خبر نہیں اور نہ اسے ان سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ یہود کا بھی یہی حال ہے کہ وہ دنیاوی فوائد کے لئے توریت تو لیے پھرتے ہیں اور اس کے ذریعے لوگوں میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن نہ اس کو پڑھتے ہیں اور نہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے تحت اس میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اُن یہود کی بری حالت ہے جنہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور توریت کی ان آیتوں کی تکذیب کی جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلالت کر رہی تھیں اور تحریفات سے ان احکام کو مسخ کیا جو اللہ نے اُن کو دیئے تھے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، اس لئے اب ایسے بدبختوں کے راہِ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

یہود کا باطل دعویٰ

۶۔۸: قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

آپ یہود سے کہہ دیجئے کہ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تمام لوگوں میں تم ہی اللہ کے دوست ہو تو اپنے مرنے کی آرزو کرو، اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ وہ اپنے اعمال کے باعث جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں کبھی اس کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ آ کر رہے گی۔ پھر تم ہر ظاہر و پوشیدہ جاننے والے (اللہ) کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے سب کام بتا دے گا۔

تشریح: یہود اپنے کفر و شرک اور ساری بداخلاقیوں کے باوجود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ کی اولاد اور اُس کے محبوب ہیں۔ یہ لوگ اپنے اور نصاریٰ کے سوا کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے:

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ

یہود و نصاریٰ کے سوا جنت میں، کوئی ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ (البقرۃ:۱۱۱)

گویا یہ اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بالکل محفوظ و مامون سمجھتے اور جنت کی نعمتوں کو اپنی ذاتی جاگیر جانتے تھے۔ سو جس شخص کا یہ ایمان ہو کہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ہزار ہا درجے افضل و بہتر ہیں اور دنیا کی زندگی رنج و الم اور تکلیفوں اور محنتوں سے خالی نہیں اور اس کو یہ بھی یقین ہو کہ موت آتے ہی اُس کو وہ عظیم اور دائمی نعمتیں ضرور مل جائیں گی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ موت جلد آنے کی تمنا کرے تاکہ دنیا کی رنج و غم سے بھری زندگی سے نکل کر خالص راحت اور آرام کی دائمی زندگی میں پہنچ جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ یہود سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ تمام مخلوق میں تم ہی اللہ کے محبوب ہو اور تمہیں آخرت کے عذاب سے کوئی خطرہ نہیں تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم موت کی تمنا کرو تاکہ تم دنیا کی پریشانیوں

سے نکل کر آخرت کی دائمی راحت اور آرام میں پہنچ جاؤ۔ پھر قرآن نے خود ہی فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کے سبب موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کو عذاب جہنم کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اے نبی ﷺ آپ ان یہود کو بتا دیجئے کہ جس موت سے وہ بھاگ رہے ہیں وہ ایک دن آ کر رہے گی۔ پھر ان سب کو اُس ربّ کی طرف لوٹایا جائے گا جو ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے اور وہ ان کو ان کے تمام اعمال کے بارے میں بتا دے گا اور ان کو انہیں کے مطابق بدلہ ملے گا۔

اذانِ جمعہ کے بعد کاروبار کی ممانعت

۹۔۱۱: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩﴾ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١﴾

اے ایمان والو! جب جمعے کے روز نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کے لئے جلدی چلو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ جب وہ لوگ سودا بکتا ہوا یا تماشا ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) کھڑا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

ذَرُوْا: تم چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

اِنْفَضُّوْا: وہ منتشر ہو جاتے، وہ علیحدہ ہو جاتے۔ اِنْفِضَاضٌ سے ماضی۔

تشریح: اے ایمان والو! جمعے کے روز جب نمازِ جمعہ کے لئے اذان کہی جائے تو تم خرید و فروخت اور دوسرے مشاغل چھوڑ کر فوراً اللہ کے ذکر کے لئے چل پڑو۔ اگر تم اس بات کو سمجھو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کیونکہ دنیاوی فوائد اور منافع آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ پھر جب نمازِ جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو حسبِ سابق اپنے اپنے کام میں لگ جاؤ اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام کرو لیکن کافروں کی طرح اللہ کی یاد سے غفلت نہ کرو بلکہ عین خرید و فروخت اور محنت مزدوری کے دوران بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔ اس کے برعکس اگر تم نے دنیا کی محبت اور کاروبار کے نفع کی اُمید میں اللہ کے ذکر اور جمعے کی نماز اور خطبے کو ترک کیا تو اس سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

اس آیت میں اُن لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعے کا خطبہ چھوڑ کر خرید و فروخت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب رسول اللہ ﷺ عیدین کے خطبے کی طرح جمعے کا خطبہ بھی نمازِ جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جمعے کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ نماز کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینے کے بازار میں پہنچا اور ڈھول سے اس کا اعلان ہونے لگا۔ اُس وقت نماز ہو چکی تھی اور خطبہ ہو رہا تھا۔ بہت سے حضرات خطبہ چھوڑ بازار چلے گئے اور آپ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔ اس لغزش اور چوک پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ اللہ کے پاس نماز اور رسول اللہ کے ساتھ جمے رہنے کا جو ثواب ہے وہ تجارت اور کھیل سے کہیں بہتر ہے۔ تم نے جس کام کو بہتر سمجھا ہے اس کا نفع تو یقینی نہیں لیکن اللہ کی طرف سے جو ثواب ملنے والا ہے وہ یقینی بھی ہے اور بہت بڑا بھی۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۴۴۰۔۴۴۴/ ۸۔ ابن کثیر ۳۶۵۔۳۶۷/ ۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! دنیاوی سامان کی کثرت سے غنا حاصل نہیں ہوتا۔ استغنا تو دل کا استغنا ہے، اللہ نے جو کچھ بندے کے لئے لکھ دیا ہے وہ ضرور عطا فرمائے گا اس لئے حسنِ طلب سے کام لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رزق انسان کو ڈھونڈتا ہے جیسے موت انسان کو ڈھونڈتی ہے۔ (مظہری: ۲۷۷۔۳۰۰/ ۹)

سورۃ المنافقون

وجہ تسمیہ: اس سورت میں منافقوں کے نفاق اور اخلاقی برائیوں کا بیان ہے۔اس لئے اس کا نام سورۃ المنٰفقون ہے

تعارف: اس میں ۲رکوع، ۱۱رآیتیں، ۱۸۰رکلمات اور ۷۷۶حروف ہیں۔

ابن عباس اور ابن الزبیر کی روایت میں ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔قرطبی نے کہا کہ بالاتفاق سب کے نزدیک مدنیہ ہے۔

(مواہب الرحمٰن:۳۵۹/ ۲۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ پڑھتے تھے اور اس سے مومنوں کو رغبت دلاتے اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون پڑھتے اور اس سے منافقوں کو کھڑکھڑاتے تھے۔(روح المعانی:۱۰۸/ ۲۸)

اس میں نفاق کی گندگی اور منافقین کی بدخصالی اور بداخلاقی کا بیان ہے۔سورت کے آخر میں مومنوں کو ذکر الٰہی اور انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: منافقین کی حالت اور عبداللہ بن ابی کی شرارت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مومنوں کو ذکر الٰہی کی تاکید کی گئی ہے۔

منافقین کی حالت

۱۔۴: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ
اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۟ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ پھر یہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک یہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ایمان لاکر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اس لئے اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اے مخاطب! تو انہیں دیکھے تو ان کے جسم تجھے خوش نما معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو، تو ان کی بات سنے۔ گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں سہارے لگائی ہوئی، ہر سخت آواز کو اپنی ہلاکت سمجھتے ہیں۔ یہی حقیقی دشمن ہیں، سو ان سے بچتے رہو۔ ان کو اللہ کی مار یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔

جُنَّةً: سپر، ڈھال، آڑ، پردہ۔

صَدُّوْا: اُنہوں نے روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

طُبِعَ: مہر کر دی گئی، بندش کر دی گئی۔ طَبْعٌ سے ماضی مجہول۔

تُعجِبُکَ: وہ تجھے تعجب میں ڈال دے، وہ تجھے پسند آئے۔ اِعْجَابٌ سے مضارع۔

خُشُبٌ: لکڑیاں۔ واحد خشبٌ۔

مُسَنَّدَةٌ: دیوار سے لگائی ہوئی، سہارا لگائی ہوئی۔ تَسْنِیْدٌ سے اسمِ مفعول۔

یُؤْفَکُوْنَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں، وہ پھیرے جاتے ہیں، وہ بھٹکے جاتے ہیں۔ اَفْکٌ و اُفُوْکٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے پیغمبر ﷺ! یہ منافقین آپ کے پاس آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں حالانکہ یہ دل سے آپ کو رسول نہیں مانتے۔ یہ تو محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ گواہی تو اس اقرار و اعلان کا نام ہے جو دل کے اعتقاد و یقین کے ساتھ ہو اور منافق چونکہ دل سے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے اُن کا یہ کہنا کہ ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، جھوٹ اور دھوکہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ آپ اُس کے سچے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ بات بات میں جھوٹ بولتے اور جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں۔ جب ان سے کوئی قابل گرفت بات سرزد ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذے کا خوف ہوتا ہے تو مجاہدین کے ہاتھ اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے اپنی ان قسموں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں پر طعن و تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسرے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ اور لوگ ان کے ظاہری اسلام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر اور نقصان ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں تک پھیلتا ہے۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہوگا۔

یہ لوگ زبان سے تو ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور ایمان کے دعوے کے ساتھ کافروں والے کام کرتے رہے۔ اس فریب اور دھوکہ دہی کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب ان کے دلوں میں ایمان اور حق و صداقت داخل ہونے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اسی لئے اب وہ ایمان کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو بہت بھلے اور خوش نما معلوم ہوں گے اور اگر وہ کوئی بات کہیں تو چرب زبانی کی بنا پر آپ اُن کی بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ دیوار کے سہارے کھڑی ہوئی بے جان و بے عقل لکڑی کی مانند ہیں کہ دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی سہارے کے بغیر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ان کے موٹے تازے جسم بھی خالی اور بے جان ہیں۔ دوزخ کا ایندھن بننے کے سوا کسی کام کے لائق نہیں۔ ان کی بزدلی کا یہ عالم ہے کہ ذرا کہیں شور و غل ہوا تو دل دہل گئے اور سمجھنے لگے کہ اب ان پر کوئی مصیبت آ گئی ہے۔ یہی لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہیں۔ آپ ان کی چالوں سے ہوشیار رہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ (عثمانی: ۶۸۹۔۶۹۰/۲)

عبداللہ بن ابی کی شرارت

۵۔۸: وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ
وَرَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ
اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ هُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا
عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَهُوْنَ ۝ یَقُوْلُوْنَ
لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ
الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا
یَعْلَمُوْنَ ۝

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ! رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رُک جاتے ہیں۔ اُن کے حق میں آپ کا استغفار کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں، اُن پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے جائیں گے تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

لَوَّوْا: وہ پھیرتے ہیں، وہ موڑتے ہیں، وہ مٹکاتے ہیں۔ تَلْوِیَة سے ماضی۔

یَنْفَضُّوْا: وہ منتشر ہو جائیں گے، وہ بھاگ جائیں گے۔ اِنْفِضَاضٌ سے مضارع۔

تشریح: جب کبھی ان منافقوں کی کوئی شرارت ظاہر ہو جاتی اور ان کے کذب و خیانت کا پردہ فاش

ہو جاتا تو بعض لوگ انہیں سمجھانے کے لئے کہتے کہ اپنی حرکتیں چھوڑ کر راہِ راست پر آ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے لئے استغفار کی درخواست کرو۔ آپ کے استغفار کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا۔ منافقین اس پر آمادہ ہونے کی بجائے غرور وتکبر سے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے بلکہ بعض بد بخت تو یہ تک کہہ دیتے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔ اُن کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت ہرگز نہیں کرے گا۔ بے شک جو لوگ کفر ونفاق میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ ان کو اپنی اصلاح کا خیال تک نہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔

یہی منافقین انصار سے کہتے ہیں کہ تم ان مہاجرین پر کچھ خرچ نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے قریب ہیں۔ تم ان کی خبر گیری کرتے ہو اسی لئے یہ لوگ رسول اللہؐ کے ساتھ جمع رہتے ہیں۔ اگر تم ان کی خبر گیری چھوڑ دو تو یہ خرچے سے تنگ آ کر ابھی متفرق ہو جائیں گے۔ ایسے ذلیل اور بد اخلاق منافقوں سے کہہ دینا چاہئے کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ کیا اللہ اپنے رسول کے پاس رہنے والوں کی مدد نہیں کرے گا اور ان کو رزق نہیں دے گا۔ لیکن یہ منافق اللہ کی شان اور قدرت سے واقف نہیں اس لئے ایسی بات کہتے ہیں۔

یہ غزوۂ مریسیع کا واقعہ ہے۔ اس سفر میں عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ نے کہا تھا کہ ہم معزز لوگ مدینے واپس پہنچ کر ان ذلیل مسلمانوں کو نکال دیں گے، ایک صحابی زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ کو بتا دیں، آپ نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو وہ قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی میں جھوٹ کہا ہے۔ لوگ زید کو برا بھلا کہنے لگے وہ سخت نادم اور پریشان تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور آپؐ نے زید کو بلا کر فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کر دیا۔

یہ لوگ نہ تو عزت وذلت کی حقیقت جانتے ہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ عزت وذلت کس کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت وقوت تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مومنوں ہی کے لئے ہے لیکن منافقین جہالت وغرور کے سبب اس کو نہیں جانتے۔

(عثمانی: ۶۹۰۔۶۹۲/۲۔ ابن کثیر: ۳۶۹۔۳۷۲/۴)

ذکرِ الٰہی کی تاکید

۹۔۱۱: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹
وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ
وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰ وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ
اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے اور جو ایسا کرے وہی خسارے میں ہے اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر وہ (حسرت سے) کہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہوجاتا اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تشریح: ان آیتوں میں مومنوں کو مخاطب کر کے تاکیداً کہا گیا ہے کہ تم اُن بد بخت یہود کی طرح دنیاوی اُمور اور مال و اولاد کی محبت میں پڑ کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوجانا۔ مال و اولاد وہی اچھے ہیں جو اللہ کی یاد اور اُس کی عبادت سے غافل نہ کریں۔ اگر آدمی آخرت کو چھوڑ کر جو باقی رہنے والی ہے، دنیا میں مشغول ہوجائے جو فانی ہے اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنیٰ میں پھنس جائے تو اس کے لئے اس سے بڑھ کر خسارہ کوئی نہیں۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے جو کچھ صدقہ و خیرات کرنا چاہتے ہو وہ اپنی موت کی علامات ظاہر ہونے سے پہلے پہلے اُس کی راہ میں خرچ کرلو ورنہ موت سر پر آجانے کے بعد پچھتاؤ گے۔ اس وقت بخیل تمنا کرے گا کہ اے پروردگار! کاش میری موت کو چند روز کے لئے ملتوی

کردیتا کہ میں خوب صدقہ و خیرات کرتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنی عمر لکھ دی ہے اور جو میعاد مقرر کردی ہے اس کے ختم ہونے پر ایک لمحے کی بھی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہوسکتی اور اللہ تمہارے ظاہری اور باطنی تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اور اسی کے مطابق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ لہٰذا انسان کو جو بھی مہلت میسر ہے اس کو آخرت بنانے میں صرف کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ! کون سی خیرات سب سے بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں خیرات کرنا افضل ہے جب کہ تم تندرست ہو، مال کی محبت رکھتے ہو، تمہیں مفلس ہوجانے کا اندیشہ ہو اور مالداری کے خواہش مند ہو اور اتنی تاخیر نہ کرتے چلے جاؤ کہ جان حلق میں آپہنچے اور اُس وقت تم کہو کہ اتنا فلاں کو دے دو۔ وہ تو اُس (وارث) کا ہو ہی چکا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک اور عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہ دی ہو یا حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کیا ہو اور اُسی حالت میں وہ مرنے لگے تو موت کے وقت وہ (زندگی کی طرف) لوٹنے کی درخواست کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش! میں نیک لوگوں میں سے ہوجاتا اور حج کرلیتا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مظہری: ۹/۳۱۰،۳۰۹)

سورۃ التغابن

وجہ تسمیہ: اس سورت کی نویں آیت میں لفظ ''تغابن'' آیا ہے جس کے معنی نقصان پہنچانے کے ہیں، اسی کی مناسبت سے یہ سورت التغابن مشہور ہوگئی۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۸/ آیتیں، ۲۴۱ کلمات اور ۱۰۷۰ حروف ہیں۔ اکثر علما کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اور ابن الزبیر بھی اس کو مدنیہ کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۱۱۹/ ۲۸۔ مواہب الرحمٰن: ۳۸۶/ ۲۸)

اس میں توحید والوہیت کا اثبات اور عقائد اسلام کا بیان ہے۔ رسولوں کی تکذیب اور گزشتہ اقوام کی مثالیں اور بعث بعد الموت کا اثبات اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ایثار وقربانی کی ترغیب ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: تقدیر اور اللہ کا علم وارادہ بیان کیا گیا ہے۔ پھر کفار کی طرف سے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے انکار کا بیان ہے۔

رکوع ۲: تمام مصائب کا منجانب اللہ ہونا اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے والوں کا بیان ہے۔

تقدیر اور اللہ کا علم وارادہ

۱۔۴: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ
فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ② خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ
الْمَصِيرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا

تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اُسی کی بادشاہی اور وہی حمد کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے تمہیں پیدا کیا، پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مومن اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت اچھی بنائیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔

تشریح: تمام مخلوق خواہ وہ آسمانوں کی ہو یا زمین کی، اللہ تعالیٰ عزوجل کی تسبیح و تحمید میں مصروف و مشغول رہتی ہے، اسی کی بادشاہت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے۔ وہ جس چیز کا ارادہ کرلے اُس کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ نہ کوئی اس کا مزاحم اور نہ کوئی اسے روکنے والا۔ وہی تمام مخلوق کا خالق ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا۔ اُس نے انسان میں اچھائی اور برائی دونوں طرف جانے کی استعداد و قوت رکھی اور سب کو فطرتِ صحیحہ پر پیدا کیا۔ پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اُس کے خلاف راہ اختیار کرلی یعنی کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے اس کا علم ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون اپنے ارادے اور اختیار سے کس طرف جائے گا اور پھر اسی کے موافق انعام و سزا کا مستحق ہوگا۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر، کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان وہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا دے گا۔

صحیحین میں حضرت ابنِ مسعودؓ کی مرفوع روایت میں ہے کہ قسم ہے اُس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ (ساری عمر) اہلِ جنت جیسے عمل کرتے رہے یہاں تک کہ جنت اور اُن کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ (تقدیر کا) لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ جہنم میں چلے جاتے ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں اور اس وقت اُس کا عرش پانی پر تھا۔ (مظہری: ۹/۳۱۱)

پھر فرمایا کہ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو عدل و حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ اُسی نے تمہیں پاکیزہ اور خوب صورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ پھر آخر کار تم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اُس کو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کا کامل علم ہے۔ وہ تمہارے پوشیدہ اور علانیہ تمام اعمال سے واقف ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی خوب واقف ہے۔ (عثمانی: ۲/۶۹۳)

مشرکینِ مکہ کو تنبیہہ

۵۔۶: اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۞

کیا تمہیں اُن کافروں کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کفر کر چکے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ جب اُن کے رسول اُن کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت کریں گے۔ سو اُنہوں نے انکار کیا اور (ہدایت) سے منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز (اور) بڑا تعریفوں والا۔

تشریح: اے مشرکینِ مکہ! کیا تمہیں عاد و ثمود وغیرہ قوموں کے حالات اور عذاب و سزا کی خبریں نہیں پہنچیں جو اس سے پہلے کفر و تکذیب کر چکی ہیں اور دنیا ہی میں اپنے کفر و شرک اور اعمالِ بد کی سزا بھگت چکی ہیں۔ آخرت میں بھی اُن کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہے جس سے کوئی منکر اور کافر نہیں بچ سکتا۔ یہ دنیا اور آخرت کا عذاب اس لئے ہے کہ ان سابقہ اُمتوں کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں اور معجزے لے کر آئے تھے لیکن اُنہوں نے یہ کہہ کر حق کی مخالفت اور تکذیب کی کہ ہم ہی جیسا آدمی ہمارا ہادی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا حالانکہ پیغمبروں کا بھیجنا تو اُس کی مہربانی اور احسان ہے۔ سو اُنہوں نے کفر کیا اور حق سے منہ موڑ لیا۔ اُن کی اطاعت و فرماں برداری کی تو حیثیت ہی کیا ہے، اللہ تعالیٰ تو ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اُس کو کسی

کی تعریف کی حاجت نہیں وہ ہر حال میں ہر چیز سے بے نیاز اور حمد وثنا کا سزاوار ہے۔

موت کے بعد یقینی طور پر زندہ ہونا

۷۔۸: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

کافروں کا خیال ہے کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے ہاں خدا کی قسم! تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے وہ سب تمہیں بتا دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ سو تم اللہ اور اُس کے رسول پر اور اُس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

تشریح: کفار و مشرکین رسالت کی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بھی منکر ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرکے ہرگز نہیں اُٹھایا جائے گا۔ اُن کے رد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ خدا کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے جاؤ گے اور تمہارے چھوٹے بڑے، اچھے برے اور کھلے چھپے تمام اعمال تم پر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ تمہارا دوبارہ پیدا کرنا اور تمہیں اعمال کا بدلہ دینا اللہ تعالیٰ پر نہایت آسان ہے کیونکہ اُس کی قدرت کامل ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ محال نہیں۔ سو تم اللہ پر، اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

یہ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قسم کھا کر حقانیت بیان کرنے کے لئے فرمایا۔ اس سے پہلے سورۂ یونس میں ہے:

وَيَسْتَنْۢبِـــــُٔوْنَكَ اَحَقٌّ ھُوَ ړ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ړ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (سورۂ یونس: ۵۳)

اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ میرے ربّ کی قسم! وہ حق ہے اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

اور ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ۚ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۙ (سورۂ سبا: ۳)

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے ربّ کی قسم! یقیناً اور بالضرور آئے گی۔

سو جب حشر اور قبروں سے اُٹھایا جانا ضروری اور یقینی ہے تو تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔

نقصان اُٹھانے کا دن

۹۔۱۰: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ ہار جیت کا دن ہوگا اور جو اللہ پر ایمان لایا اور اُس نے اچھے کام کیے تو اللہ اُس کے گناہ دور کردے گا اور اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہے گا۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب جہنمی ہیں، ہمیشہ اُسی میں رہیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اَلتَّغَابُنُ: ظاہر کرنا، نقصان پہنچانا۔ مصدر ہے۔

يَوْمُ التَّغَابُنِ: نقصان اُٹھانے کا دن، فیصلے کا دن، قیامت کا دن۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے۔

اَلْمَصِيْرُ: لوٹنے کی جگہ، ٹھکانا۔ صَيْرٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے جمع کرے گا۔ اس لئے اس کا نام یوم الجمع ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾

یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور اُن کے حاضر ہونے کا دن ہے۔ (ہود: ۱۰۳)

یہی ہار جیت اور خسارے کا دن ہے۔ اُس دن کافر اور نافرمان ذلیل و ناکام ہوں گے اور مومن و فرماں بردار کامیاب و سربلند ہوں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے نیک کاموں کی برکت سے اُن کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کیا، اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ (ابن کثیر: ۴/۳۷۴، ۳۷۵)

عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (جنت کے اندر) مومن اپنے مکانوں کے بھی مالک ہوں گے اور بدنصیب کافروں کے مکانوں کے بھی وارث ہوں گے۔ جنت کے اندر کافروں کے یہ وہی مکان ہوں گے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کرتے تو یہ مکان اُن کو عطا کیے جاتے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (آخرت میں) تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہوں گے۔ ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی مر کر دوزخ میں چلا جائے گا تو اُس کے جنت والے مکان کے مالک اہل جنت ہوں گے۔ آیت اولئک هم الوارثون کا یہی مطلب ہے۔ (مظہری: ۹/۳۱۳)

مصیبت کا اللہ کی طرف سے ہونا

۱۱-۱۳: مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ
يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾

کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ
اُس کے دل کو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔
(لوگو!) اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم اعراض کرو گے تو
ہمارے رسول کے ذمے تو صاف صاف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا
کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

تشریح: دنیا میں انسان کو کوئی بھی مصیبت، سختی، پریشانی، رنج و تکلیف، بیماری، کاروبار میں نقصان وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر نہیں پہنچتی۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس پر جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو مصیبت آنے والی ہے وہ ٹلتی نہیں، آ کر رہتی ہے اور جو مصیبت آنے والی نہیں وہ کبھی نہیں آئے گی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہاں تک کہ وہ دلوں کے احوال بھی جانتا ہے۔

ابن دیلمی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اب آپ کوئی حدیث بیان فرما دیجیے تاکہ اللہ میرے دل سے شبے کو دور فرما دے۔ حضرت ابی نے فرمایا: اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین کے باشندوں کو عذاب دے تو دے سکتا ہے اور وہ ظالم قرار نہیں پائے گا اور اگر ان پر اپنی رحمت کرے تو اُس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہو گی۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو گے تو جب تک تقدیر پر تمہارا ایمان نہیں ہو گا، اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ جان لو کہ جو کچھ تمہیں ملنے والا ہے وہ تم سے چوکے گا نہیں اور جو ملنے والا نہیں وہ ملے گا نہیں۔ اگر اس عقیدے کے خلاف (دوسرے عقیدے پر) تم مرجاؤ گے تو تم دوزخ میں جاؤ گے۔ (مظہری: ج ۹، ص ۳۱۴)

پھر فرمایا کہ تم نرمی، سختی، راحت و آسائش، خوشی اور رنج ہر حال میں اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اگر ایسا نہ کرو گے تو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ رسول کا کام تو تبلیغ دین تھا سو وہ کر چکے۔ اب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واحد و صمد اور ہر طرح کی عبادت کے لائق ہے۔ اُس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح کی عبادت کے لائق نہیں۔

چونکہ اللہ ہی توکل اور بھروسے کے لائق ہے، اس لئے مومنوں کو اُسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

اللہ کی یاد سے غافل کرنے والے

۱۵،۱۴: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، سو تم ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کردو، درگزر کردو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ بے شک تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے۔

اِحْذَرُوْا: تم ڈرو، تم بچو۔ حَذَرٌ سے امر۔

تَصْفَحُوْا: تم معاف کرو، تم درگزر کرو۔ صَفْحٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب وہ لوگ مدینے پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ (ان سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے) کچھ لوگ دینی مسائل سیکھ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُن کو (اپنے اہل وعیال پر) غصہ آیا۔ اُنہوں نے ارادہ کیا کہ اہل وعیال کو سزا دیں کیونکہ اہل وعیال ہی نے اُن کو ہجرت کرنے سے روک رکھا تھا۔ اس پر آیت وان تعفوا...... الخ نازل ہوئی۔

تشریح: بعض دفعہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کے احکام سے غافل ہو جاتا ہے۔ اُن کی رضا جوئی اور اُن کی فرمائشوں کو پورا کرنے کے لئے کتنی ہی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور کتنی ہی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ سب سے بڑی محرومی تو آخرت سے غفلت ہے۔ ظاہر ہے جو اہل وعیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقتاً اُس کے دوست اور خیر خواہ نہیں بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ بسا اوقات آدمی کو اس دشمنی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اور طرزِ عمل اختیار کرنے سے بچو جس سے اُن کی

دنیا سنوارتے سنوارتے اپنی آخرت برباد ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ یہ تنبیہ گزشتہ سورت میں بھی فرما چکا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے وہی خسارے میں ہے۔ (المنفقون:۹)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام بیویاں اور ساری اولاد اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بہت سی اللہ کی بندیاں اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی ہیں اور نیک کاموں میں اُن کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ اسی طرح کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات الصالحات بنتی ہے۔ اگر بیوی بچوں کی وجہ سے دینی نقصان پہنچ جائے تو ان سے انتقام نہیں لینا چاہئے۔ اور نہ اُن پر نامناسب سختی کرنی چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن کی کوتاہیوں کو معاف کر دو اور آئندہ کے لئے ہوشیار رہو۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے گا اور تم پر مہربانی کرے گا کیونکہ وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

تمہارے اہل و عیال اور اموال خواہ وہ تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل کریں یا نہ کریں، تمہارے لئے آزمائش اور کسوٹی ہیں، سو اللہ تعالیٰ مال و اولاد کے ذریعے انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں اور اطاعت گزار کون ہیں۔ سو تم مال و اولاد کی محبت کی بجائے اس اجرِ عظیم کے طلب گار بنو جو اللہ کے پاس ہے۔

اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرنا

۱۶۔۱۸: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (حکم) سنو اور مانو اور اپنے بھلے کے لئے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہو اور جو شخص نفس کی حرص سے

محفوظ رہا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے
تو وہ تمہارے لئے اسے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا
اور اللہ بڑا قدر دان (اور) بڑا بردبار ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا
اور زبردست حکمت والا ہے۔

یُوْقَ: اس کو محفوظ رکھا جائے گا، اس کو بچایا جائے گا۔ وِقَایَۃٌ سے مضارع مجہول۔

شُحَّ: حرص، لالچ، کنجوسی۔ وہ بخل جس میں حرص ہو اور جو عادت بن جائے۔

یُضٰعِفْهُ: وہ اس کو بڑھا دے گا۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اتقوا اللہ حق تقاتہ (اٰل عمران: ۱۰۲) نازل ہوئی تو لوگوں کے لئے اس کے حکم پر عمل کرنا سخت دشوار ہو گیا۔ راتوں کو نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ پاؤں سوج جاتے اور کثرتِ سجود سے پیشانیاں زخمی ہونے لگیں۔ اس پر آیت فاتقوا اللہ مااستطعتم نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کے لئے سابقہ حکم میں تخفیف کر دی گئی۔ (مظہری: ۹/۳۱۶)

تشریح: تقویٰ اختیار کرنے میں تم اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کرو، اُس کی نصیحتوں کو سنو اور اُس کے احکام پر چلو اور اُس کی خوشنودی کے لئے اُس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو۔ جو لوگ اپنے آپ کو اپنے نفس کی خواہش اور مال کی محبت سے بچا لیں تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے کسی کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے اس کے مال میں کمی آ جائے گی بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دینا ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے پاک صاف مال خرچ کرو گے تو اللہ تمہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا اور اس کی برکت سے تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور اللہ قدر دان ہے کہ تھوڑی سی نیکی کے بدلے میں بہت زیادہ اجر دیتا ہے۔ وہ بہت ہی بردبار اور تحمل والا ہے کہ گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تمام ظاہر و پوشیدہ اعمال کو جاننے والا ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

(عثمانی: ۶۹۰، ۲/۶۹۱، ابن کثیر: ۴/۳۷۶، ۳۷۷)

سورۃ الطلاق

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں احکامِ طلاق تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ الطلاق ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۱۲ آیتیں، ۲۴۹ کلمات اور ۱۰۶۰ احروف ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ بالاتفاق یہ سورت مدنیہ ہے۔ اس میں احکامِ طلاق، احکامِ عدت اور نفقہ وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ۲۸/۴۱۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: طلاق دینے کا طریقہ، بوڑھی اور حاملہ عورت کی عدت، سکنی اور نفقے کی ذمے داری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: عورتوں کے حقوق کا تحفظ اور اللہ کے علم وقدرت کا بیان ہے۔

طلاق دینے کا طریقہ

۱: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝

اے نبی (لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کی عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جو تمہارا

پروردگار ہے۔ تم ان عورتوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں،
ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو اُن کو نکال دو)۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں
اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اُس نے اپنے اُوپر ظلم کیا۔ آپ کو کیا
معلوم شاید اس (طلاق) کے بعد اللہ کوئی نئی بات پیدا کردے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے قتادہ کی وساطت سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو طلاق دے دی، حضرت صفیہ اپنے گھر چلی گئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کسی نے حضرت صفیہؓ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (طلاق سے) رجوع کرلیا کیونکہ حضرت صفیہؓ صائم الدہر اور قائم الیل تھیں۔ (مظہری: ۹/۳۱۷)

تشریح: اس آیت میں خطاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حکم عام ہے کہ جب کوئی شخص کسی ضرورت اور مجبوری کے تحت اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس کو زمانۂ عدت میں طلاق دے۔ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں بیان ہو چکا ہے۔ پس مشروع طریقہ یہ ہے کہ حیض سے پہلے حالتِ طہر میں طلاق دینی چاہئے تاکہ سارا حیض گنتی میں آجائے اور اس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔ مرد اور عورت دونوں کو چاہئے کہ وہ عدت کو یاد رکھیں تاکہ غفلت اور بھول کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی نہ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ طلاق اور عدت کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، جو تمہارا پروردگار ہے۔ لہٰذا نہ تو حیض کے دنوں میں طلاق دو اور نہ تین طلاقیں ایک ساتھ دو۔ عدت کے دنوں میں مطلقہ کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمے ہے، اس لئے ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ طلاق کے بعد اُن پر زیادتی کرو اور نہ اُن کا نان نفقہ روکو جس کے سبب وہ گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوں۔ عدت چونکہ نکاح سے متعلق ایک شرعی حکم ہے اسی لئے عورت عدت کے دنوں میں دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ مطلقہ عورتوں کو خود بھی اپنے گھروں سے نہیں نکلنا چاہئے کیونکہ عورت پر لازم ہے کہ وہ عدت کے دنوں میں گھر ہی میں رہے۔ لہٰذا اس کا باہر نکلنا اللہ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہوگا۔ اگر وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں، مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں، بدمزاجی، بدکلامی اور لڑائی جھگڑا کرنے لگیں تو اس صورت میں خاوندوں کے لئے اُن کو گھروں سے نکالنا جائز ہے۔ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ حدود اور اُس کے بتائے ہوئے احکام ہیں جن کی پابندی لازم ہے، اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے اُوپر ہی

ظلم کرے گا۔ عدت کا زمانہ خاوند کے گھر گزارنے کا حکم اس مصلحت سے ہے کہ شاید اس مدت میں خاوند کے خیالات بدل جائیں، طلاق دینے پر نادم ہو اور دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وسکون سے رہنے لگیں۔ آیت میں جو نئی بات پیدا ہونے کا ذکر ہے، اس سے مراد بھی رجوع کرنا ہے۔ (عثمانی: ۶۹۷۔ ۶۹۸/۲، ابن کثیر: ۳۷۷۔ ۳۷۹/۴)

رجوع کے وقت دو گواہ کرنا

۲۔۳: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾

پھر جب وہ اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو اُن کو دستور کے موافق نکاح میں رہنے دو یا دستور کے موافق علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو عادل گواہ کر لو اور تم اللہ کے لئے ٹھیک گواہی دو۔ ان باتوں سے اسی کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اُس کے لئے نجات کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

أَجَلَهُنَّ: ان عورتوں کا وقت، ان عورتوں کی عدت۔

أَمْسِكُوا: تم روک کر رکھو۔ اِمْسَاکٌ سے امر۔

ذَوَيْ: والے۔ ذُو کا تثنیہ۔

يَحْتَسِبُ: وہ گمان کرتا ہے، وہ خیال کرتا ہے۔ اِحْتِسَابٌ سے مضارع۔

قَدْرًا: اندازہ، مالی گنجائش۔ جمع اَقْدَارٌ۔

تشریح: طلاقِ رجعی میں جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو مرد کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے کہ یا تو عدت ختم ہونے سے پہلے دستور کے مطابق طلاق سے رجوع کر لے اور عورت کو اپنے ہی نکاح میں رہنے دے۔ اس صورت میں مرد عورت کو ایذا نہ پہنچائے اور نہ اس پر طعن و تشنیع کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عدت پوری ختم ہونے پر حسن سلوک اور شریفانہ طریقے سے اس کو جدا کر دے۔ اگر مرد طلاق دینے کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو نکاح میں رکھنا چاہے تو وہ رجوع کرنے پر دو گواہ بنا لے تاکہ باہمی نزاع ختم ہو جائے مگر گواہ عادل ہوں فاسق نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ گواہ مقرر کرنے اور سچی شہادت دینے کا حکم اُن کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، اللہ کے احکام کے پابند اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہوں، جو شخص اللہ کے احکام پر عمل کرتا ہے، اُس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے تمام مشکلات سے نکلنے کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے اور اُس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جو اُس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا تم اللہ ہی پر بھروسہ رکھو، محض اسباب پر تکیہ نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ اپنے ارادے کو ضرور پورا کرتا ہے۔ کوئی اُس کو ارادے کی تکمیل سے روک نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر دیا ہے، اس لئے وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اُس کی حکمت و تقدیر نے کسی کام کے لئے تاخیر مقرر کر دی تو وہ کام اسی تاخیر سے ہوگا اور اگر کسی کام کا فوراً ہونا مقدر ہے تو وہ فوراً ہو جائے گا۔ (عثمانی: ۲/۶۹۹،۶۹۸)

بوڑھی اور حاملہ عورت کی عدت

۴۔۵: وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴿۴﴾ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴿۵﴾

تمہاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہوں، اگر تمہیں

(ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہے اور ان (عورتوں) کی عدت بھی یہی (تین ماہ) ہے جن کو ابھی حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا اور حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اُس کے کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اُس کے گناہوں کو دور کر دے گا اور اُس کو بڑا اجر بھی دے گا۔

اَلّٰئِیْ: وہ سب۔

یَئِسْنَ: وہ مایوس ہو گئیں، وہ نا اُمید ہو گئیں۔ یَاْسٌ سے ماضی۔

اِرْتَبْتُمْ: تم شبہے میں پڑے۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

تشریح: جس طرح ایام والی عورت کی عدت تین حیض ہے، اُسی طرح جن بوڑھی عورتوں کے ایام بڑی عمر کے سبب بند ہو گئے ہوں اور اب ان کو حیض آنے کی اُمید نہیں رہی تو اُن کی عدت تین ماہ ہے۔ اگر تمہیں ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہو تو ان کی عدت کی مدت تین مہینے یاد رکھو۔ اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ ان کو ایام آئیں تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ اس کے بعد حاملہ عورت کی عدت بیان فرمائی کہ اس کی عدت وضعِ حمل ہے خواہ وضع حمل طلاق یا خاوند کی موت کے فوراً ہی ہو جائے۔

جو شخص احکامِ خداوندی کی تکمیل اور پابندی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ اُس کے دنیا و آخرت کے اُمور میں آسانی پیدا کر دیتا ہے اور اُس کو بھلائی اور خیر کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ جو کچھ بیان ہوا یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمہارے پاس بھیجا ہے، سو جو شخص احکامِ خداوندی کی تکمیل اور پابندی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ اُس کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور اُس کے اجر و ثواب کو بڑھا کر کئی گنا کر دیتا ہے۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ (ہود: ۱۱۴)

بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

سُکنٰی اور نفقے کی ذمے داری

۶۔۷: اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡ
هُنَّ لِتُضَیِّقُوۡا عَلَیۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا
عَلَیۡهِنَّ حَتّٰی یَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ
اُجُوۡرَهُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَیۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ
فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰی ؕ۶ لِیُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ
وَمَنۡ قُدِرَ عَلَیۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡیُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُكَلِّفُ
اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ یُّسۡرًا ۷

تم اپنی وسعت کے مطابق ان کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، پھر اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو اُن کو اُن کی اُجرت دو اور باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے اور جو تنگ دست ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اُس کو دیا ہے۔ اللہ کسی کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اُس نے اُس کو دیا ہے۔ اللہ تنگی کے بعد بہت جلد فراغت بھی دے دے گا۔

تُضَیِّقُوۡا: تم تنگی کرو۔ تَضۡیِیۡقٌ سے مضارع۔

اِءۡتَمِرُوۡا: تم مشورہ کرلیا کرو، تم موافقت رکھو۔

تَعَاسَرۡتُمۡ: تم نے ایک دوسرے پر تنگی کی۔ تَعَاسُرٌ سے ماضی۔

قُدِرَ: اُس کی روزی تنگ کردی گئی۔ قَدۡرٌ سے ماضی مجہول۔

عُسۡرٍ: تنگی، سختی، دشواری۔

تشریح: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت گزر جانے تک اُس کو رہنے کے لئے اپنا مکان

دے کیونکہ سُکنیٰ کی وجہ سے وہ اُس کی مستحق ہے کہ تمہارے مکان میں رہے اور سُکنیٰ اُس کو کہتے ہیں کہ مرد عدت کے زمانے میں عورت کو رہنے کے لئے مکان دے۔ ظاہر ہے کہ رہائش کے ساتھ اُس کو نفقہ بھی مہیا کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کو تکلیفیں دے کر اتنا تنگ اور پریشان نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا تم نے طلاق دی، عدت سے ایک دو روز پہلے رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی اور عدت ختم ہونے کے قریب پھر رجوع کر لیا تا کہ وہ درمیان میں لٹکی رہے۔

عام حالات میں تو عدت تین ماہ میں پوری ہو جائے گی لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو چونکہ اُس کی عدت وضع حمل ہے، اس لئے وضع حمل تک اُس کا نان نفقہ خاوند کے ذمے ہے۔ وضع حمل پر مطلقہ عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اور عدت کے بعد چونکہ احکامِ زوجیت باقی نہیں رہے اس لئے بچے کو دودھ پلانا بھی اب عورت کے ذمے نہیں رہا۔ ایسی صورت میں اگر عورت تمہاری اولاد کو دودھ پلائے تو اُس کو دودھ پلانے کی اُجرت ادا کرو اور اُجرت کا لین دین آپس کے مشورے اور اچھے طریقے سے دستور کے مطابق مناسب طور پر طے کر لیں۔ اس میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں ہونی چاہئے۔ اگر آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے، مثلاً باپ کم اُجرت دینا چاہتا ہے جو بچے کی ماں کو منظور نہیں یا ماں زیادہ اُجرت مانگتی ہے جو باپ پر گراں ہے اور دونوں کسی بات پر رضامند نہیں ہوتے تو اس صورت میں اختیار ہے کہ باپ کسی اور دایہ کو اُجرت دے کر بچے کو دودھ پلوائے۔ البتہ جو اُجرت دوسری دایہ کو دینا منظور کی جائے اگر اسی اُجرت پر اُس بچے کی ماں رضامند ہو جائے تو وہ زیادہ مستحق ہے۔

پھر فرمایا کہ بچے کے باپ یا ولی کو چاہئے کہ وہ بچے کی تربیت پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے یعنی وسعت والا اپنی وسعت و فراخی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تم تنگی کی حالت میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو گے تو وہ بہت جلد تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دے گا۔ (ابن کثیر: ۴/۳۸۴،۳۸۳)

عورتوں کے حقوق کا تحفظ

۸۔۱۱: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ
فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝
فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۖ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ
صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے ربّ کے حکم اور اُس کے رسولوں سے سرتابی کی، تو ہم نے بھی اُن سے سخت حساب لیا اور اُن کو بڑی بھاری سزا دی۔ پھر اُنہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھا اور انجامِ کار اُن کا خسارہ ہی ہوا۔ اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے عقل مند مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت بھیج دی۔ ایک رسول جو تمہیں اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے کام کریں، تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے گا تو اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے اُس کو خوب رزق دیا۔

كَاَيِّنْ: بہت سے، کتنے ہی، اسمِ تکثیر ہے۔
عَتَتْ: وہ حد سے گزری، اُس نے سرکشی کی، اُس نے انکار کیا۔

نُکْرًا: برا، بے جا، ہولناک، انجان۔

تشریح: عورتوں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھو۔ اگر ہمارے احکام کی خلاف ورزی کروگے تو یاد رکھو کہ کتنی ہی بستیوں کے باشندوں نے اپنے ربّ کے حکم اور رسولوں کی اطاعت سے سرکشی کی اور بغاوت کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے بھی اُن کو حساب میں پکڑ لیا اور ان سے بہت ہی سخت حساب لیا اور ان کو بڑی سخت اور ناقابل برداشت سزا دی۔ غرض اُنہوں نے دنیا ہی میں اپنے اعمال کے وبال کا مزہ چکھ لیا اور انجامِ کار وہ خسارے ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بھی اُن کے لئے سخت ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے ایمان والو! عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سرکشی نہ کرو تاکہ تم اس عذاب سے محفوظ رہو جو سرکش بستیوں پر آچکا ہے۔

بے شک اللہ نے قرآن دے کر ایک ایسا رسول تمہارے پاس بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کے واضح اور صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے۔ تاکہ وہ مومنوں اور نیک کام کرنے والوں کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی روشنی میں لے آئے۔ جو شخص ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ نے اُن کو بہت ہی اچھی روزی عنایت فرمائی ہے۔ (عثمانی: ۲/۷۰۱)

اللہ کا علم وقدرت

۱۲: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲

اللہ وہی تو ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمین بھی۔ ان میں اُس کے احکام نازل ہوتے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرمایا ہے کہ وہی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا خالق ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝۱۵ (نوح: ۱۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کو کس طرح اُوپر نیچے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی اُوپر نیچے پیدا کی ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا تو قیامت کے روز اُسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اُسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔

ان آسمانوں اور زمینوں کے اندر امرِ خداوندی اور قضائے الٰہی جاری اور نافذ ہے۔ آسمان پر رہنے والے فرشتے ہوں یا زمین پر بسنے والے انسان، سب کے لئے تکوینی احکام اور تشریعی ہدایات ہیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور علم کے لحاظ سے اُس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی چیز اُس کے علم و قدرت سے باہر نہیں۔ (ابن کثیر: ۴/۳۸۵)

سورۃ التحریم

وجہِ تسمیہ: اس سورت کے شانِ نزول میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مباح چیز یعنی شہد اپنے اُوپر حرام کرلیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کا نام التحریم ہوگیا۔ اس کو سورۃ المحرم، سورۃ لم تحرم، سورۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۱۴۶/ ۲۸)

تعارف: اس میں دو رکوع، ۱۲ آیتیں، ۲۴۰ کلمات اور ۱۰۶۰ حروف ہیں۔ ابنِ عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب علما کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ۴۵۰/ ۲۸)

اس سورت میں بعض ایسے طبعی جذبات کا بیان ہے جن کے باعث خانگی زندگی کا اعتدال و توازن ختم ہوسکتا ہے۔ اور اس سے تفریق و جدائی کی بھی نوبت آسکتی ہے۔ ایک خاص واقعے کا بھی ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ کی طرف سے پیش آیا تھا اور اس کی مناسبت سے بعض احکام و ہدایات کا بھی بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حلال چیزوں کو اپنے اُوپر حرام کرنے کی ممانعت۔ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آتشِ جہنم سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے۔

رکوع ۲: سچی توبہ اور کفار پر سختی کی تاکید اور فرعون کی بیوی کی فضیلت مذکور ہے۔

حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت

۱۔۲: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

اے نبی (ﷺ)! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا، آپ اُس کو حرام کیوں کرتے ہیں (کیا) آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

تَحِلَّةَ: حلال کرنا، کھولنا، قسم کا کفارہ ادا کرنا۔ مصدر ہے۔

اَیْمَانِکُمْ: تمہاری قسمیں۔ واحد یَمِیْنٌ۔

شانِ نزول: صحیحین میں حضرت عطا کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ عبید بن عمیرؒ نے کہا کہ میں نے خود سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے پاس ٹھہر کر شہد کا شربت پیا کرتے تھے، میں نے اور اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم مشورے سے طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لائیں تو وہ کہے کہ مجھے آپ (ﷺ) کی طرف سے کچھ مغافیر (ایک قسم کا گوند) کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ دونوں میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو اُس بی بی نے (مشورے کے مطابق) وہی بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد کا شربت پیا تھا۔ آئندہ نہیں پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۳۳۵)

تشریح: ان آیات میں اُس واقعے کا ذکر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز یعنی شہد کو قسم کے ذریعے اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ نے یہ کام ازواجِ مطہراتؓ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا اور اس معاملے میں اُن کا راضی کرنا آپؐ پر لازم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے شفقت و عنایت کے طور پر فرمایا کہ اپنی ازواج کی دل جوئی کے لئے آپ اپنے اُوپر ایک حلال چیز کو حرام کیوں کر لیتے ہو، اللہ تعالیٰ نے اُن کو حلال بنانے اور قسم کی گرہ کھولنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھالے تو وہ کفارہ دے کر اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ اللہ ہی تمہارا کارساز اور مددگار ہے اور وہی ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن سے تمہاری اصلاح ہو۔ اُس کا ہر کام اور حکم حکمت سے پُر ہے۔ (مظہری: ۳۳۶۔۹/۳۳۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک راز کا افشا

۳: وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ
اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ
قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝

اور جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات پوشیدہ طور پر کہی۔ پھر جب اُس بیوی (حفصہؓ) نے وہ بات (دوسری بیوی عائشہؓ کو) بتادی تو اللہ نے وہ (بات) نبی پر ظاہر کردی اور نبی نے کچھ بات تو (اُس بیوی کو) بتادی اور کچھ ٹال گئے۔ پھر جب نبی نے اُس عورت کو خبر کردی تو کہنے لگی کہ آپ کو کس نے بتایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے اُس نے بتایا جو بڑا جاننے والا (اور) بڑا خبر رکھنے والا ہے۔

أَسَرَّ: اُس نے آہستہ آہستہ بات کی، اُس نے سرگوشی کی، اُس نے چھپایا۔ اِسْرَارٌ سے ماضی۔

نَبَّأَتْ: اُس عورت نے خبر دی، اُس نے آگاہ کیا۔ تَنْبِئَةٌ سے ماضی۔

تشریح: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی یعنی شہد کو اپنے اُوپر حرام کر لینے کی اور اُس بیوی سے یہ بھی فرمادیا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو، تاکہ حضرت زینبؓ کو اس سے رنج نہ پہنچے تو اُس بیوی نے وہ راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کردی کہ اُس نے آپ کا راز فاش کردیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بیوی سے راز فاش کرنے کا شکوہ کیا لیکن اُس کو پوری بات نہیں بتائی۔ یہ آپ کا حسنِ خلق تھا۔ اگر آپ پوری بات بتادیتے تو اُن کو زیادہ شرمندگی ہوتی۔ روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے راز کی بات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہی تھی اور اُنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کردیا تھا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے راز فاش کرنے کا شکوہ کیا تو حضرت حفصہؓ نے کہا کہ آپ کو اس بات کی خبر کس نے دی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کردیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی اطلاع اُس اللہ نے دی ہے جو علیم و خبیر ہے۔

بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہؓ کے راز فاش کرنے پر آپ ﷺ نے اُن کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا تھا مگر اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو اُن کی طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ بہت نماز پڑھنے والی اور بہ کثرت روزے رکھنے والی ہیں اور اُن کا نام جنت میں آپ ﷺ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔ (مظہری: ۳۳۹، ۳۴۰/ ۹)

حضرت عائشہ وحفصہؓ کوتوبہ کی تاکید

۴۔۵: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

اگر تم اللہ سے توبہ کرو (تو یہی بہتر ہے) یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں۔ اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کروگی تو یقیناً اُن کا کارساز اللہ اور جبرائیلؑ اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مددگار ہیں۔ اگر نبی تم سب کو طلاق دے دیں تو بہت جلد اُن کا ربّ تمہارے بدلے میں اُن کو تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو مسلمان، ایمان والیاں، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں (بعض) بیوہ اور (بعض) کنواریاں (ہوں گی)۔

صَغَتْ: وہ جھک گئی، وہ مائل ہوگئی۔ صَغْوٌ اور صَغِیٌّ سے ماضی۔

ظَهِيْرٌ: پشت پناہی کرنے والا، مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفتِ مشبہ۔

قٰنِتٰتٍ: فرماں بردار عورتیں، اطاعت گزار عورتیں۔ قُنُوْتٌ سے اسمِ فاعل۔

تٰٓئِبٰتٍ: توبہ کرنے والیاں، باز آنے والیاں۔ تَوْبَةٌ سے اسمِ فاعل۔

سٰٓئِحٰتٍ: سیاحت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں۔ سِيَاحَةٌ سے اسمِ فاعل۔

ثَیِّبٰتٍ: شادی شدہ عورتیں، بیوہ عورتیں، لوٹ آنے والیاں۔ واحد ثَیِّبٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم دونوں نے اللہ سے توبہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی نہ کیا اور تم پیغمبر کی مرضی کے خلاف باہم تعاون کرتی رہیں تو یاد رکھو کہ اس میں صرف تمہارا ہی نقصان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ آپ ﷺ کا مولیٰ اور رفیق تو اللہ ہے اور جبرائیل امین اور نیک مسلمان ہیں اور اس کے علاوہ فرشتے آپ ﷺ کے مددگار ہیں۔

آپ ﷺ کی ازواج کا گمان تھا کہ اگر ہمیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ کو شاید ہم جیسی دوسری عورتیں نہ ملیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں تو اُن کا ربّ اُن کو تم جیسی ہی نہیں بلکہ تم سے بہتر عورتیں عطا فرما دے گا کیونکہ اُس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ نئی عورتیں اللہ کی فرماں بردار، پیغمبروں کی تصدیق کرنے والیاں، نماز پڑھنے والیاں، گناہوں سے توبہ کرنے والیاں، اللہ کی عبادت کرنے والیاں، روزے رکھنے والیاں ہوں گی اور ان میں سے کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔

(معارف القرآن/مفتی محمد شفیع، ۴۹۹۔۸/۵۰۱)

آتشِ جہنم سے بچاؤ کا حکم

۶۔۷: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو (بھی) حکم دیا جاتا ہے وہ اُس کو بجا لاتے ہیں۔ اے کافرو! آج بہانے نہ بناؤ۔ تمہیں اسی کی سزا مل رہی ہے جو تم کرتے تھے۔

وَقُوْدُھَا: اُس کا ایندھن۔ اسم ہے۔

غِلَاظٌ: سخت دل، بے رحم۔ واحد غَلِیْظٌ۔

تَعْتَذِرُوْا: تم عذر کرتے ہو، تم بہانہ کرتے ہو۔ اِعْتِذَارٌ سے مضارع۔

تشریح: اے ایمان والو! تم خود بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جن اُمور سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے تم خود بھی اُن سے رک جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی اُن سے منع کرو اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، اُن پر عمل کرو اور اپنے اہل وعیال کو بھی اُن پر عمل کرنے کی تاکید کرو۔ جس طرح دنیا کی آگ لکڑی سے بھڑکتی ہے، اُسی طرح دوزخ کی آگ آدمیوں اور پتھروں سے بھڑکے گی۔ جو شخص جہنم کا مستحق ہوگا وہ طاقت یا خوشامد یا رشوت وغیرہ کے ذریعے ان فرشتوں کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا جو جہنم پر متعین ہیں۔ وہ فرشتے نہایت تندخو اور قوی ہیں اور وہ اللہ کی ذرا نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہ وہی کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم دیا جاتا ہے۔ سو جس جہنم پر ایسے فرشتے نگران ہوں گے جن کو مجرموں پر نہ ترس آئے گا اور نہ وہ نرم دل ہوں گے تو یقیناً اُس کے عذاب سے کوئی مجرم نہیں بچ سکتا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔

پھر فرمایا کہ کافروں کو دوزخ میں ڈالتے وقت اُن سے کہا جائے گا کہ اب حیلے بہانے مت بناؤ۔ آج کوئی حیلہ بہانہ نہیں چلے گا، بلکہ جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے آج اُس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔ ہماری طرف سے تم پر کوئی ظلم وزیادتی نہیں۔ آج تمہیں تمہارے ہی اعمال کی سزا مل رہی ہے۔

مومنوں کو سچی توبہ کا حکم

۸۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ
اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ
یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا
وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ شاید تمہارے گناہ تم سے دور
کردے اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری
ہیں۔ اُس دن اللہ نبی کو اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رُسوا نہیں
کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔
وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے نور کو پورا کردے اور ہماری
مغفرت فرما دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

نَصُوْحًا: حقیقی، خالص، صاف، سچی۔ نُصْحٌ سے مبالغہ۔

یُخْزِی: وہ ذلیل کرے گا، وہ اُس کو رُسوا کرے گا۔ اِخْزَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرو۔ اپنے کئے پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ آئندہ ایسی خطاؤں اور گناہوں کے نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرو۔ وہ بڑا غفور و رحیم اور قادرِ مطلق ہے۔ چاہے تو گناہوں پر گرفت فرمائے اور چاہے معاف فرما دے۔ اس لئے اُمید ہے وہ تمہارے گناہ سچی توبہ سے معاف فرما دے گا اور اپنے فضل اور مہربانی سے تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں ہر قسم کی راحت اور ہر طرح کی نعمت موجود ہوگی۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن پر ایمان لانے والوں کو شرمندہ نہیں کرے گا بلکہ ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا اور پل صراط پر اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ اُس وقت یہ لوگ منافقوں کا نور بجھتا ہوا دیکھ کر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو آخر تک قائم رکھنا اور ہماری تمام خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کر۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

کفار پر سختی کی تاکید

۹۔۱۰: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ
نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَا
نَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدّٰخِلِيْنَ ۝

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور اُن پر سختی کیجئے اور اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اللہ کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرماتا ہے۔ وہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پھر ان دونوں نے اُن کی خیانت کی تو وہ دونوں (نیک بندے) اللہ کے مقابلے میں اُن (عورتوں) کے ذرا کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کافروں اور منافقوں سے ہتھیاروں کے ساتھ جہاد کرتے رہیے اور اُن پر سختی کیجئے۔ وہ اس قابل نہیں کہ اُن پر نرمی کی جائے۔ آخرت میں بھی اُن کا ٹھکانا جہنم ہے جو رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا اور اُن کے ساتھ خلط ملط رہنا، اُن کے کفر کے باعث اللہ کے ہاں اُن کو کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کو کافروں کے لئے مثال اور نمونہ بنا دیا ہے کہ اگر پیغمبروں سے کافروں کا رشتۂ قرابت ہو تو خواہ وہ رشتۂ زوجیت ہی ہو، تب بھی وہ اللہ کے مقابلے میں کافروں کے ذرا کام نہیں آئے گا۔ یہ دونوں خواتین اللہ کے اُن نیک و صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں اور خلوصِ دل سے اُن پر ایمان لانے کے بجائے منافق ہی رہیں۔ بظاہر اُن سے تعلق تھا مگر اُن کی ساری ہمدردیاں کافروں کے ساتھ تھیں۔ اس لئے یہ دونوں صالح بندے اُن عورتوں کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے اور دونوں کو کہہ دیا گیا کہ دوزخ میں جانے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ۔ محض پیغمبر کی بیوی ہونا تمہیں دوزخ سے نہیں بچا سکتا۔

آیت میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کے خیانت کرنے سے بدکاری مراد نہیں، بلکہ اُن کا کافر اور منافق ہونا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کسی نبی کی بیوی نے زنا اور بدکاری نہیں کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے کہتی تھی کہ نوحؑ دیوانہ ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آتا تھا تو وہ قوم والوں کو اُس کی خبر پہنچا دیتی تھی۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی حضرت لوطؑ کے پاس آنے والے مہمانوں کی اطلاع اپنی قوم والوں کو کر دیتی تھی۔ (مظہری: ۲/۳۴۶)

فرعون کی بیوی کی فضیلت

۱۱۔۱۲: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ
رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ
وَ عَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ
الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ
بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

اللہ مومنوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرماتا ہے۔ جب اُس نے کہا اے میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اُس کے کام سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات دے اور (اللہ) عمران کی بیٹی مریم کی (مثال بیان فرماتا ہے) جس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اُس میں اپنی روح پھونک دی اور اُس نے اپنے ربّ کی باتوں اور اُس کی کتابوں کو سچا جانا اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔

اَحْصَنَتْ: اُس نے حفاظت کی، وہ پاک دامن رہی، اُس نے بچایا۔ اِحْصَانٌ سے ماضی۔

الْقٰنِتِيْنَ: فرماں بردار، عبادت گزار، خاموش۔ قُنُوتٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ روئے زمین کے تمام لوگوں میں فرعون سب سے زیادہ سرکش تھا لیکن اُس کی سرکشی اور کفر نے بھی اُس کی بیوی کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا، اس لئے کہ وہ اپنے ایمان پر پوری طرح قائم رہیں۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے۔ وہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آ گئے اور اس سے متاثر ہو کر فرعون کی بیوی آسیہ ایمان لے آئیں۔ جب فرعون کو اُن کے اسلام کی اطلاع ملی تو وہ اُن کو طرح طرح سے تکلیفیں دینے لگا۔ حضرت آسیہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے ربّ! اپنے پاس جنت میں میرے لئے ایک مکان بنا دے اور مجھے فرعون، اُس کی ایذا رسانی اور اُس کے کفر و شرک سے محفوظ رکھ اور مجھے اُن لوگوں سے نجات دے جنہوں نے کفر و معصیت کر کے اپنے اُوپر ظلم کیا ہے۔

دوسری مثال حضرت مریم بنتِ عمران علیہا السلام کی ہے، کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں۔ ہم نے اپنے فرشتے جبرائیل کے ذریعے اُن میں روح پھونکی۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انسانی صورت میں آ کر اپنے منہ سے اُن کے گریبان میں پھونک ماردی۔ اسی پھونک سے وہ حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت مریم علیہ السلام اپنے ربّ کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں۔ وہ اطاعت شعار، عبادت گزار اور پوری طرح فرماں بردار تھیں۔ اس طرح یہ دونوں عورتیں یعنی فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنتِ عمران دنیا میں مومن عورتوں کے لئے نمونہ ہیں۔ ان کے ایمان وتقویٰ کو دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کیا جاسکتا ہے۔

احمد، صحیحین، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل مرد تو بہت ہیں، کامل عورتیں سوائے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنتِ عمران کے، اور کوئی نہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید (عربوں کا معروف اور عمدہ کھانا) کی برتری۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا بھر کی عورتوں میں سے مریم بنتِ عمران، خدیجہ بنتِ خویلد، فاطمہ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ زوجہ فرعون تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی صرف یہی چار عورتیں کامل ہیں)۔

(ابنِ کثیر: ۳۹۴،۳۹۳/۴، مظہری: ۹/۳۴۷)

سورۃ الملک

وجہ تسمیہ: اس سورت کے بہت سے نام ہیں، مثلاً سورۃ الملک، سورۃ تبارک، سورۃ الواقیہ (عذاب سے بچانے والی) سورۃ المنجیہ (عذاب سے نجات دینے والی) سورۃ المانعہ (مؤکلین عذاب کو روکنے والی) سورۃ الجادلہ وغیرہ۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں لفظ الملک آیا ہے، اس لئے اور ناموں کے مقابلے میں اس کا یہ نام مشہور ہوگیا۔

(روح المعانی: ۲/ ۲۹، مواہب الرحمٰن: ۱/ ۲۹)

تعارف: اس میں دو رکوع، تیس آیتیں، ۳۳۰ کلمات اور ۱۳۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس کے مکیہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت و خالقیت اور وحدانیت و الوہیت کا اثبات ہے۔ پھر اثباتِ رسالت کے مضامین اور اُن مجرمین کی سرکوبی کا ذکر ہے جو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے سرتابی کرتے ہیں۔

ابنِ مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سونے سے پہلے الم تنزیل السجدہ اور تبارک الذی پڑھتے تھے، خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں، آپ ﷺ ان کا پڑھنا ترک نہیں فرماتے تھے۔ امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک سورت تیس آیات کی ہے جس نے اپنے قاری کے لئے شفاعت کی یہاں تک کہ اُس کی مغفرت کی گئی۔ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔

(روح المعانی: ۳/ ۲۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱:	اللہ تعالیٰ کی عظمت و خالقیت، کفار کی حسرت و ندامت اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے

خوش خبری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: کافروں کو عذاب کی تہدید اور مومن و کافر کی مثال کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے بارے میں کافروں کے سوال کا جواب مذکور ہے۔

موت وحیات سے اعمال کو جانچنا

۱۔۲: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲

بڑی بابرکت ذات ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں۔ وہ ہی غالب ہے، بخشنے والا ہے۔

تشریح: وہ ذات بڑی عظمت و برکت والی ہے، جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کی سلطنت و حکمرانی ہے اور اُس کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اُس کی قدرت اور گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی اُس کی سلطنت سے باہر نکل سکتا ہے۔ اُسی نے تمہارے اعمال کو جانچنے کے لئے موت وحیات کو پیدا کیا۔ اُسی نے تمہیں معدوم سے موجود یعنی پیدا کیا، اُس کے بعد موت دی، پھر مرنے کے بعد زندہ کیا۔ جیسے ارشاد ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۸

(اے کافرو!) تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم بے جان تھے، پھر اُس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی، پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر (قیامت کے دن) وہ تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (البقرہ: ۲۸)

پس موت وحیات کا یہ سلسلہ اس لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس دنیاوی زندگی میں ہی پتا چلالے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں اور کس کے برے اور پھر مرنے کے بعد آخرت میں ان اعمال کے

مطابق جزا یا سزا دے۔ گویا دنیوی زندگی امتحان ہوا اور مرنے کے بعد دوسری زندگی میں اُس کا نتیجہ دکھا دیا۔ اگر یہ دنیا کی زندگی نہ ہوتی تو عمل کا موقع کیسے ملتا۔ اور اگر موت نہ ہوتی تو لوگ آخرت سے غافل و بے فکر ہو کر عمل سے دور ہو جاتے۔ اسی طرح اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو اچھے برے اعمال کا بدلہ کہاں ملتا۔

وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ وہ اپنی عزت و غلبے کی وجہ سے اس پر قادر ہے کہ بندوں پر جزا و سزا جاری کرے اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑا مغفرت فرمانے والا بھی ہے کہ بندوں میں سے جس کی خطاؤں کو چاہے معاف فرما دے۔

اللہ تعالیٰ کا کمالِ تخلیق

۳۔۵: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ۝

اُسی نے اُوپر نیچے سات آسمان بنائے۔ کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق دیکھتا ہے، سو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ کیا تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ تیری نگاہ ذلیل اور تھکی ہوئی تیری طرف لوٹ آئے گی اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی اور ان (ستاروں) کو شیاطین کو مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

طِبَاقًا: اُوپر تلے، تہ بہ تہ۔ مصدر بمعنی صفت۔

خَاسِئًا: ذلیل کرنے والا، خوار کرنے والا۔ خَسْئًا سے اسمِ فاعل۔

حَسِیْرٌ: درماندہ، تھکا ہوا، عاجز۔ حَسْرٌ سے صفتِ مشبہ۔

مَصَابِیْحَ: چراغ، قندیل۔ واحد مِصْبَاحٌ۔

رُجُوْمًا: پتھر مارنا۔ واحد رَجْمٌ۔

السَّعِيْرِ: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفتِ مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: اسی عظمت و برکت والی ذات نے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ بنایا۔ سوا ے مخاطب! کیا تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی کمی اور بے قاعدگی دیکھتا ہے۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ بار بار دیکھنے سے آسمانوں کی تخلیق میں کسی جگہ کچھ عدم تناسب دکھائی دے جائے گا تو پھر خوب غور سے دیکھ لے۔ کیا کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ پھر بار بار دیکھ لے۔ تیری نگاہ ناکام و نامراد اور عاجز و تھکی ہوئی تیری طرف واپس آجائے گی۔ ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو جو انسانوں کی نظروں کے سامنے ہے، ستاروں سے آراستہ کیا ہے، اور ہم ہی نے ان شیاطین پر برسانے کے لئے شہابِ ثاقب بنادیئے جو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے ان شیاطین کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس لئے مجرمین کو اللہ کے عذاب سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کے عذاب سے نہ شیاطین بچ سکتے ہیں اور نہ وہ لوگ جن کو شیاطین گمراہ کرتے ہیں۔

کفار کی حسرت و ندامت

۶۔۱۱: وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ اِذَآ اُلْقُوْا
فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ
اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ
جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۝

اور جنہوں نے اپنے ربّ کا انکار کیا اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی گویا جوش کے مارے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں

گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ ہاں واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا، تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہلِ دوزخ میں نہ ہوتے۔ پھر وہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے، سو اہلِ دوزخ پر لعنت ہے۔

شَھِیْقًا: دھاڑنا، چیخنا، چلانا۔ مصدر ہے۔

تَفُوْرُ: وہ اُبلتی ہے، وہ جوش کرتی ہے۔ فَوْرٌ سے مضارع۔

تَمَیَّزُ: وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، وہ پھٹ جائے۔ تَمَیُّزٌ سے مضارع۔

سُحْقًا: دور کرنا، دفع ہونا، لعنت کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: جن لوگوں نے اپنے ربّ کا انکار کیا، اُن کے لئے عذابِ جہنم ہے، جو رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔ اس کی شدت و ہیبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب یہ لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آواز سنیں گے، جو نہایت ہولناک ہوگی اور جہنم میں ہانڈی کی طرح اُبال آرہا ہوگا اور وہ اپنی لپٹوں، شعلوں اور حرارت کی شدت سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے قریب ہوگی۔ جب بھی کافروں کی کسی جماعت کو اُس میں ڈالا جائے گا تو جہنم کے نگران فرشتے اُن کی ذلت و رُسوائی کے طور پر اُن سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا، کہ تم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے۔ وہ جواب دیں گے کہ بے شک ہمارے پاس اللہ کے پیغمبر آئے تھے اور اُنہوں نے ہمیں عذابِ آخرت سے آگاہ بھی کر دیا تھا، لیکن ہم نے اُن کو جھوٹا جانا، اللہ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں سے کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم ہی بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

اہلِ جہنم نہایت حسرت اور ملال کے ساتھ یہ بھی کہیں گے کہ اے کاش! اگر ہم اللہ کے پیغمبروں کی باتوں اور اُن کی نصیحتوں کو سنتے یا سمجھتے اور اُن پر عمل کرتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، اور جہنمیوں میں سے نہ ہوتے۔ اس طرح وہ اپنے جرم کا اعتراف کریں گے لیکن کافروں کا یہ اعترافِ کفر اُن کے کچھ کام نہ آئے گا، اس لئے اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ اہلِ دوزخ دفع ہو جائیں۔ پھر فرشتے دھکیل کر اُن کو جہنم میں ڈال دیں گے۔

اللہ سے ڈرنے والوں کو خوشخبری

۱۲۔۱۵: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝
وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝

جو لوگ بن دیکھے اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں تو اُن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو۔ بے شک وہ دلوں کی بات بھی خوب جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین خوب باخبر ہے۔ اُسی نے زمین کو تمہارے لئے پست (فرش) بنایا تاکہ تم اُس کے راستوں میں چلتے پھرتے رہو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

مَنَاكِبِهَا: اُس کے راستے، اُس کے کندھے۔ واحد مَنْكِبٌ۔

النُّشُوْرُ: زندہ ہونا، اُٹھ کھڑا ہونا۔ مصدر۔

تشریح: جن لوگوں نے اللہ کو دیکھا نہیں مگر اُس پر اور اُس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس کی عظمت وجلال کے تصور سے لرزتے ہیں، اور اللہ کے خوف سے اُس کی نافرمانی کا کوئی کام نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کے گناہ معاف فرما دے گا اور ان کو بڑا ثواب اور بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ اے لوگو! تمہارا چپکے چپکے باتیں کرنا یا بلند آواز سے بولنا، علمِ الٰہی میں دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے خوب واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تو دلوں میں آنے والے خیالات وخطرات سے بھی واقف ہے۔ کیا خالق بھی بے خبر ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے جس نے سینوں کو اور سینوں کے اندرونی خیالات کو بلکہ ہر چیز کو پیدا کیا وہ قلبی اسرار سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔ وہ بہت ہی لطیف، باریک بین اور مخلوق کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ایسا مسخر کر دیا کہ وہ سکون سے ٹھہری ہوئی ہے اور ہل جل کر تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس میں چشمے جاری کر دیئے تاکہ اس سے پھل اور

اناج اُگ سکیں اور تمہارے لئے اس میں راستے بنا دیئے تا کہ تم آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ جو اس نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اور اس پر اُس کا شکر ادا کرو۔ یاد رکھو دوبارہ زندہ ہو کر تمہیں اُسی کی طرف لوٹنا اور میدانِ حشر میں جمع ہونا ہے۔

کافروں کو عذاب کی تہدید

۱۶-۱۹: ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ ۞
اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ
نَذِیۡرِ ۞ وَلَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ۞ اَوَلَمۡ یَرَوۡا
اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقۡبِضۡنَ ؔۘ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ
اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ۞

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ پھر وہ (زمین) لرزنے لگے۔ کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں کہ آسمان والا تم پر پتھر برسا دے، پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا میرا ڈرانا کیسا ہے۔ اور ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔ کیا اُنہوں نے اپنے اُوپر پرندوں کو پر پھیلائے (اُڑتے ہوئے) نہیں دیکھا جو کبھی اپنے پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اُن کو رحمٰن کے سوا کوئی تھامے ہوئے نہیں۔ بے شک ہر چیز اُس کی نگاہ میں ہے۔

یَخۡسِفَ: وہ دھنسا دے گا۔ خَسۡفٌ سے مضارع۔

تَمُوۡرُ: وہ لرزتی ہے، وہ تھرتھراتی ہے، وہ پھٹتی ہے۔ مَوۡرٌ سے مضارع۔

حَاصِبًا: پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا، سخت آندھی۔ حَصۡبٌ سے اسمِ فاعل۔

نَکِیۡرِ: میرا عذاب، بدل ڈالنا۔

یقبضن: وہ سمیٹتی ہیں۔ وہ بند کرتی ہیں، وہ سکیڑتی ہیں۔ قَبۡضٌ سے مضارع۔

یُمۡسِکُهُنَّ: وہ اُن کو روکتا ہے، وہ اُن کو تھامتا ہے۔ اِمۡسَاکٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ دُنیا میں طرح طرح کے عذاب بھیجنے پر قادر ہے لیکن وہ اپنے حلم وعفو کی بنا پر ایسا

نہیں کرتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ (فاطر:۴۵)

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک اُنہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ جب اُن کا وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے مجرم بندوں سے خود سمجھ لے گا۔

اگرچہ زمین تمہارے لئے مسخر کر دی گئی ہے مگر اس پر حکومت اُسی آسمان والے کی ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں اس زمین میں دھنسا دے اور اس میں اچانک لرزہ پیدا کر دے اور تم اس کے اندر اُترتے چلے جاؤ، بے شک تم زمین پر چلو پھرو، روزی کماؤ مگر اللہ کو نہ بھولو، ورنہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیج دے یا پتھروں کی بارش کر دے۔ اُس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں اور نہ ماننے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ پہلے لوگوں نے بھی میرے احکام کا انکار اور اُن کی تکذیب کی تھی، سو دیکھ لو کہ اُن کا کیسا برا اور عبرت ناک انجام ہوا۔ اس سلسلے میں عاد و ثمود اور قومِ لوط وغیرہ کی تاریخ اہلِ عرب کے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور اُس کی قدرت وعظمت کی گواہی فضا میں اُڑتے ہوئے پرندے بھی دے رہے ہیں۔ کیا اُنہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو ان کے اوپر بازو پھیلائے ہوئے اُڑتے ہیں۔ کیا ان پرندوں کو اللہ کے سوا کوئی اور تھامے ہوئے ہے۔ اللہ ہی نے ہواؤں کو ان کے لئے مسخر کر رکھا ہے اور یہ اس میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ بے شک وہ پروردگار جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (ابن کثیر: ۴/۳۹۸، عثمانی: ۲/۷۱۲)

مومن اور کافر کی مثال

۲۰-۲۲: اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾

بھلا تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا۔ کافر
تو سراسر دھوکے میں ہیں۔ اگر وہ (اللہ) اپنا رزق روک لے تو بتاؤ وہ کون
ہے جو تمہیں رزق دے گا۔ بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں۔
بھلا جو شخص اندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہے وہ سیدھی راہ پر ہوگا یا وہ جو سیدھا
ایک ہموار راستے پر چلا جا رہا ہے۔

جُنْدٌ: لشکر، فوج۔ جمع جُنُوْدٌ۔

غُرُوْرٍ: فریب، دھوکہ، جھوٹا وعدہ۔ مصدر ہے۔

لَجُّوْا: اُنہوں نے اصرار کیا، وہ اڑے رہے، وہ جمے رہے۔ لَجَاجٌ سے ماضی۔

عُتُوٍّ: سرکشی کرنا، نافرمانی کرنا۔ مصدر ہے۔

نُفُوْرٍ: نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا۔ مصدر ہے۔

مُکِبًّا: منہ کے بل گرتا ہوا، اوندھا۔ اِکْبَابٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ اُن کی مدد کر سکتے ہیں اور ان کو رزق پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس عقیدے کی تردید میں فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے، نہ روزی پہنچا سکتا ہے، اور نہ کسی مصیبت سے بچا سکتا ہے۔ کوئی لشکر ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلے میں ان مشرکین کی حمایت کر سکے اور اللہ کے بھیجے ہوئے عذاب کو دفع کر سکے۔ یہ لوگ محض دھوکے میں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا رزق روک لے تو کوئی بھی اسے جاری نہیں کر سکتا۔ رزق دینے اور روکنے پر، پیدا کرنے اور فنا کرنے پر، مدد کرنے اور مصیبت لانے پر اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے لیکن یہ کفار اپنی کج روی اور سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا انجام ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

پھر فرمایا کہ کافر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ناہموار راستے پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چل رہا ہو۔ نہ اُسے راستہ دکھائی دیتا ہے اور نہ اُسے منزل کا پتا ہے بلکہ حیران و پریشان راستہ بھولا ہوا اور ہکا بکا ہے۔ اس کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

بخاری و مسلمؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ جو دنیا میں پیروں سے چلاتا ہے قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟ (مظہری: ۱۰/۲۷)

۰اس کے برعکس مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف اور سیدھے راستے پر آدمیوں کی طرح سیدھا کھڑا ہو کر صحیح اور اچھی چال سے چل رہا ہو اور وہ راستے کو بھی جانتا ہو۔ ظاہر ہے ایسا ہی شخص منزلِ مقصود تک پہنچے گا۔ قیامت کے روز کافروں کا یہی حال ہوگا کہ وہ اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اور مومن عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

قیامت کا علم

۲۳۔۲۷: قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اُسی نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اُسی نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اُسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔ وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) وہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب وہ اس وعدے (کے وقت) کو قریب آتا دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور (ان سے) کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

اَنْشَاَ: اُس نے پیدا کیا، اُس نے پرورش کی۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

اَفْئِدَةَ: دل، قلوب۔ واحد فُؤَادٌ۔

ذَرَءَ: اُس نے پیدا کیا۔ اُس نے پھیلایا۔ ذَرْءٌ سے ماضی۔

زُلْفَةً: نزدیک، قریب، درجہ، گھڑی۔

سِيْئَتْ: وہ بدشکل کر دی گئی۔ سُوْءٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو وہی وحدہٗ لاشریک ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا جب تم کچھ نہ تھے، تمہیں رُشد و ہدایت اور نصیحت کی باتیں سننے کے لئے کان دیئے، قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں اور غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے دل دیئے لیکن ایسے شکرگزار بہت کم ہیں جو ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے اور اُس کی اطاعت و فرماں برداری میں خرچ کرتے ہیں۔ اگر یہ مشرکین و منکرین اس پر بھی قبولِ حق کی طرف مائل نہ ہوں تو پھر آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور اس کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد کیا۔ پھر اس پراگندگی اور انتشار کے بعد ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو جمع کر کے اس کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ جس طرح اُس نے تمہیں زمین میں ادھر اُدھر پھیلایا ہے، اسی طرح وہ سب کو سمیٹ کر اکٹھا کرلے گا۔ جس طرح اُس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اُسی طرح مرنے کے بعد زندہ کر کے اُٹھائے گا۔

پھر فرمایا کہ کافر مرکر دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے، اسی لئے وہ دوسری زندگی کو محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو بتاؤ کہ وہ قیامت کب آئے گی جس کی آپ ہمیں خبر دے رہے ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم تو صرف علام الغیوب ہی کو ہے۔ میرا کام تو صرف تمہیں اُس دن کی ہولناکیوں سے خبردار کرنا ہے۔ سو میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ اب تو تم جلدی مچا رہے ہو مگر جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو بڑے بڑے سرکشوں کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور وہ حواس باختہ ہو جائیں گے۔ اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی کر رہے تھے۔

اللہ پر ایمان و بھروسہ

۲۸۔۳۰: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ
مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ
مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ
يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک

مَنْ هُوَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ ۝

کرے یا ہم پر مہربانی کرے تو وہ کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ رحمان ہے، ہم اُسی پر ایمان لائے اور اُسی پر ہمارا بھروسہ ہے، سوعن قریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے۔

یُجِیْرُ: وہ حفاظت کرتا ہے، وہ پناہ دیتا ہے۔ اِجَارَۃ سے مضارع۔

غَوْرًا: خشک ہونا، جذب ہونا، نیچے چلے جانا۔ مصدر بہ معنی فاعل۔

مَعِیْنٍ: بہتا ہوا، آبِ رواں، جاری، چشمہ۔ عَیْنٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: آپ ﷺ ان مشرکوں کو کہہ دیجئے کہ تم جو میری اور میرے ساتھیوں کی موت کے متمنی ہو، اس سے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، اور نہ اس سے تمہاری نجات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا جو عذاب کافروں اور منکروں پر ہونے والا ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اسی طرح اس کے جو انعامات اور مہربانیاں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں پر ہونے والی ہیں ان کو بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ عذابِ الٰہی سے بچنے کی صورت تو یہ ہے کہ تم اپنے گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کرو، اللہ اور اس کے رسول پر خلوصِ دل سے ایمان لاؤ، اُس کے احکام بجالاؤ اور منہیات سے رُک جاؤ۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ رحمٰن تو وہی ہے جس پر ہم ایمان لائے اور جس پر ہم نے بھروسہ کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہی ہدایت و کامیابی ہے۔ تم اس دولت سے محروم ہو، نہ تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ بھروسہ اس لئے تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کون کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور آخرت کی فلاح و بہبود کس کو حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ زندگی اور موت کے تمام اسباب اُسی ذاتِ واحد کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس پانی ہی کو لے لو جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر زمین چشموں اور کنوؤں کے پانی کو روک لے اور اُس کو نکلنے ہی نہ دے، اگرچہ تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو اللہ کے سوا کون اس پر قادر ہے جو تمہیں بہنے والا اور جاری پانی دے سکے۔ وہی اپنے فضل و کرم سے صاف و شفاف پانی زمین پر جاری کرتا ہے جس سے بندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

سورۃ القلم

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ ''قلم'' سے ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام القلم ہے۔ اس کو سورۃ ''ن'' بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۲ آیتیں، ۳۰۰ کلمات اور ۱۲۵۶ حروف ہیں۔ حسن بصری، عکرمہ، عطا و جابر بن زید نے کہا ہے کہ یہ مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت، کا اثبات، مشرکین و منکرین کے شبہات و اعتراضات کا جواب ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: آپ کا خلقِ عظیم اور ایک کافر کے اوصاف مذکور ہیں۔ پھر اہلِ مکہ اور باغ والوں کی آزمائش کا بیان ہے۔

رکوع ۲: کفار کی خوش فہمی کا جواب اور اہلِ نفاق کی سجدے سے محرومی کا بیان ہے۔ آخر میں کفار کا غیظ و غضب میں آنا مذکور ہے۔

آپ (ﷺ) کا خلقِ عظیم

۱-۷: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝٣ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝٤
فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧

اور قسم ہے قلم کی اور اس کے لکھنے کی، آپ اپنے ربّ کی عنایت سے دیوانے

نہیں اور آپ کے لئے تو بے انتہا اجر ہے اور یقیناً آپ کا خلق عظیم الشان
ہے۔ سوعن قریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے
کون دیوانہ ہے۔ بے شک آپ کا ربّ خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ
سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

یَسْطُرُوْنَ: وہ لکھتے ہیں۔ سَطْرٌ سے مضارع۔

مَمْنُوْنٍ: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔ مَنٌّ سے اسمِ مفعول۔

مَفْتُوْنُ: فتنہ، جنون، دیوانہ۔ فَتْنٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: یہاں قلم سے مراد عام قلم بھی ہوسکتا ہے۔ جس میں قلمِ تقدیر، فرشتوں اور انسانوں کے قلم جن سے کچھ لکھا جاتا ہے سب داخل ہیں اور اس سے خاص قلمِ تقدیر بھی مراد ہوسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیر کو آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قلمِ تقدیر پیدا فرمایا جس نے تمام کائنات اور مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں۔ پھر دوسرا قلم پیدا فرمایا جس سے زمین پر بسنے والے لکھتے ہیں اور لکھیں گے۔ اس دوسرے قلم کا ذکر سورۂ علق میں (علم بالقلم) آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھا کر فرمایا کہ آپ اپنے ربّ کی نعمت اور فضل سے دیوانے نہیں ہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ علم وحکمت اور عقل ودانائی کے مالک ہیں۔ جس شخص کو فضلِ الٰہی سے عقل وحکمت، دانائی اور دوسرے کمالات حاصل ہوں اس کو دیوانہ کہنے والا خود دیوانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں مایسطرون کے لفظ سے، دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے اس کو شہادت کے طور پر پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو۔ ایسے اعلیٰ اخلاق واعمال والے کہیں دیوانے ہوتے ہیں۔ وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔

یہ مشرکینِ مکہ آپ ﷺ کے جس کام کو جنون کہہ رہے ہیں وہ تو اللہ کے نزدیک سب سے مقبول عمل ہے اس پر تو آپ کو ایسا اجرِ عظیم ملنے والا ہے جو دائمی ہوگا اور کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ کہیں کسی مجنون کو اس کے عمل پر اجر ملتا ہے۔ بلاشبہ آپ تو خلقِ عظیم کے مالک ہیں کیونکہ آپ نہایت تکلیف دہ باتیں برداشت کر لیتے ہیں جو دوسرے لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ بہت جلد آپ بھی دیکھ لیں گے اور

کفار و مشرکین بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون مجنون ہے ۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنے والوں میں سے ہزاروں لوگ اسلام قبول کر کے آپ کی اتباع و محبت کو سرمایۂ سعادت سمجھنے لگے اور بہت سے بدبخت ایسے تھے جن کو توفیق نہیں ہوئی، وہ آخرت میں تو رسوا ہوں گے ہی، دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے ۔ بے شک آپ کا ربّ خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے ۔ حقیقت میں کافر ہی دیوانے ہیں کیونکہ یہ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور راہِ حق سے بہک جانا ہی دیوانگی کی علامت ہے ۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے بھی خوب واقف ہے جو کمالِ عقل کی وجہ سے کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہنچے ہوئے ہیں ۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۔ ۵۳۱ ۔ ۸/۵۳۳)

ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اُس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا ہو اور دن بھر روزہ رکھتا ہو ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو ۔

(مظہری: ۱۰/۳۳)

ایک کافر کے اوصافِ رذیلہ

۸ ۔ ۱۶: فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝

سو آپ (ﷺ) مکذبین کی نہ مانیں وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذرا نرم پڑیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ۔ آپ کسی ایسے کے کہنے میں نہ آئیں جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت ہو، طعنے باز، چغل خور ہو، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گناہ گار ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ بدذات ہو (یہ

سب) اس لئے کہ وہ مال واولاد رکھتا ہے ۔ جب اُس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں ۔ ہم بہت جلد اُس کی ناک پر داغ لگائیں گے ۔

تُدْهِنُ: تو نرمی کرتا ہے، تو سستی کرتا ہے، تو ڈھیلا پڑتا ہے ۔ اِدْهَانٌ سے مضارع ۔

مَهِيْنٍ: ذلیل، حقیر، بے عزت ۔ هُوْنٌ سے صفتِ مشبہ ۔

هَمَّازٍ: بڑا عیب گو، بہت طعن کرنے والا ۔ هَمْزٌ سے مبالغہ ۔

مَشَّاءٍ: بہت زیادہ چلنے والا ۔ مَشْیٌ سے اسمِ مبالغہ ۔

نَمِيْمٍ: چغلی ۔ جمع نَمَائِمٌ ۔

عُتُلٍّ: سخت مزاج، بدخو ۔ عَتْلٌ سے مبالغہ ۔

زَنِيْمٍ: زنا کار، بے نصیب، بدذات ۔

نَسِمُهٗ: ہم اُس کو داغ لگائیں گے ۔ وَسْمٌ سے مضارع ۔

خُرْطُوْمٍ: ناک، سونڈ ۔ جمع خَرَاطِيْمُ ۔

تشریح: آپ ﷺ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانئے، یہ تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ تبلیغ دین میں کچھ نرم پڑ جائیں اور ان کو شرک و بت پرستی سے روکنا چھوڑ دیں تو یہ بھی آپ پر طعن وتشنیع اور آپ کو تکلیفیں دینا چھوڑ دیں گے، ان مکذبین کی غرض محض آپ کو ان کے بتوں کے بارے میں نرم کرنا ہے، ایمان لانا اور حق وصداقت کو قبول کرنا نہیں ۔ آپ کسی ایسے شخص کی بھی بات نہ مانیں جو خوب قسمیں کھانے والا، حقیر وذلیل انسان ہو، طعن وتشنیع کرنے والا اور لوگوں پر عیب لگانے والا ہو، چغل خوری کرتا پھرتا ہو اور ہر اچھے کام سے لوگوں کو روکتا ہو، حد سے زیادہ ظالم وسرکش اور بکثرت گناہ کرنے والا ہو، بہت قسمیں کھانے والا، کج خلق اور بخیل ہو اور ان سب صفاتِ رذیلہ کے ساتھ وہ ایسا شخص ہو جس کا نسب کسی باپ سے ثابت نہ ہو ۔ اُس شخص کا غرور وتکبر اور سرکشی اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا تھا ۔ اُس کا غرور اور سرکشی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتیں تو وہ ان کو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیاں بتاتا ۔ اس بدبخت کو اپنی سرکشی میں یہ تک احساس نہ رہا کہ دنیا میں کسی کا دولت مند یا کثیر الاولاد ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی بات حق ہے اور وہی کامیاب ہے ۔ اصل عزت وکامیابی تو انسان کے اخلاق وعادات اور کردار کی خوبی

ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ ہم اُسے اس قدر رسوا کریں گے کہ اُس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہیں رہے گی۔ ہر ایک اسے پہچان لے گا جیسے کوئی نشان زدہ ناک والے کو ہزاروں کے مجمع میں ایک نگاہ میں پہچان لیتا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ مذکورہ بالا صفاتِ رذیلہ ولید بن مغیرہ کی ہیں۔

اہلِ مکہ اور باغ والوں کی آزمائش

۱۷۔۲۲: إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾
وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۱۹﴾
فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ
إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿۲۲﴾

بے شک ہم نے باغ والوں کی طرح اُن کی آزمائش کی ہے جب اُنہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا پھل ضرور توڑ لیں گے اور اُنہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا، سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ آپ کے رب کی طرف سے اُس (باغ) پر ایک آفت پھر گئی اور وہ (باغ) کٹی ہوئی کھیتی کی مانند ہو گیا۔ پھر وہ صبح کو ایک دوسرے کو پکارنے لگے، اگر تمہیں پھل توڑنا ہے تو اپنی کھیتی پر صبح سویرے چلو۔

يَصْرِمُنَّهَا: اُس کو ضرور کاٹیں گے، وہ ضرور اُس کے پھل توڑیں گے۔ صَرْمٌ سے مضارع۔

صَرِيْم: کٹی ہوئی کھیتی، ٹوٹا ہوا (پھل)۔ صَرْمٌ سے مفعول کے معنی میں۔

حَرْثِكُمْ: تمہاری کھیتی۔ مصدر ہے۔

تشریح: یہاں ان کافروں کی مثال بیان فرمائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو جھٹلا رہے تھے۔ جس طرح ایک مخصوص باغ والوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کر کے اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے دوچار کر لیا، اُسی طرح یہ کافر بھی اللہ کی نعمت یعنی آپ کی رسالت کا انکار کر کے اُس کی ناراضگی کے مستحق ہو گئے۔ سو ہم نے باغ والوں کی طرح اہلِ مکہ کو بھی آزمائش میں ڈال دیا۔

ہم نے باغ والوں کو اُس وقت قحط میں مبتلا کیا جب اُنہوں نے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم صبح

ہوتے ہی فقرا و مساکین کو خبر ہونے سے پہلے پہلے باغ کے پھل توڑ لیں گے اور کھیتی کاٹ لیں گے۔ اپنے منصوبے پر اُن کو اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ جب رات کو وہ سوئے ہوئے تھے تو آپ کے رب کی طرف سے اُس باغ پر ایک آسمانی آفت آئی اور اُس کو جلا کر رات کی تاریکی کی مانند سیاہ کر گئی اور وہاں درختوں اور کھیتی کے بجائے صاف زمین رہ گئی۔ پھر علی الصبح اندھیرے میں وہ ایک دوسرے کو آواز دے کر جگانے لگے کہ اگر کھیتی کاٹنی ہے تو سویرے سویرے چلو۔

اعترافِ حماقت

۲۳۔۳۳: فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر وہ چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج تمہارے پاس اُس (باغ) کے اندر کوئی محتاج نہ آنے پائے اور وہ اپنے آپ کو قادر سمجھ کر سویرے ہی لپکتے ہوئے چلے۔ پھر جب اُس کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ یقیناً ہم راہ بھول گئے بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ اُن میں سے جو بہتر تھا، اُس نے کہا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے دے۔ ہم تو اب اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح عذاب آتا ہے اور آخرت کا

عذاب تو سب سے بڑھ کر ہے۔ کاش وہ جانتے۔

اِنْطَلَقُوْا: وہ چلے۔ اِنْطِلَاقٌ سے ماضی۔

حَرْدٍ: بخیلی، تیزی اور غصے کے ساتھ روکنا، قصد کرنا۔ مصدر ہے۔

یَتَلَاوَمُوْنَ: وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے کو الزام دیتے ہیں۔ تَلَاوُمٌ سے مضارع۔

تشریح: گھر سے نکلتے وقت اہل باغ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ کہیں کسی فقیر و مسکین کو خبر نہ ہو جائے اور پوری قوت و شدت اور غریبوں پر غصے کے ساتھ جا رہے تھے، لیکن وہاں پہنچ تو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے کہ ہرا بھرا لہلہاتا ہوا اور پھلوں سے لدا ہوا باغ جل کر کوئلہ ہو گیا تھا۔ پہلے تو یہ سمجھے کہ راستہ بھول کر کسی اور باغ میں چلے آئے پھر غور سے دیکھنے پر یقین ہو گیا کہ باغ تو ہمارا ہی ہے لیکن ہم بدقسمت ہیں۔ ہمارے نصیب میں اس کا پھل اور فائدہ نہیں۔

ان میں سے ایک درمیانی عمر کے آدمی نے جو سب سے زیادہ انصاف پسند اور سمجھ دار تھا کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے، ہم ہی نے مسکینوں کا حق روک کر اپنے اُوپر ظلم کیا، پھر وہ مسکینوں کا حق روکنے پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہائے افسوس! ہم ہی نے زیادتی کی۔ اللہ نے تو ہمیں نعمتیں عطا فرمائیں اور ہم نے اُس کا شکر ادا نہیں کیا جیسے ہمارے باپ نے کیا تھا۔ اب ہم ندامت و شرمندگی کے ساتھ توبہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، اُمید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے گا۔ بس ہم تو اپنے رب ہی سے آرزو رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کرے، اُس کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں و محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور اُس کی نعمتوں کی ناشکری کرے تو اُس پر اسی طرح کا عذاب آتا ہے۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ جو اس دنیوی عذاب سے کہیں زیادہ اور سخت ہوگا۔ اگر وہ یہ بات جانتے تو ایسی حماقت نہ کرتے جو اُنہوں نے کی۔

کفار کی خوش فہمی کا جواب

۳۴۔۴۱: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ

كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
زَعِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾

بے شک پرہیزگاروں کے لئے اُن کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھ لیتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی ہوئی ہو) جو تم پسند کرتے ہو۔ کیا ہم نے تمہارے لئے قیامت تک باقی رہنے والی قسمیں کھالی ہیں کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے۔ آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ لیتا ہے۔ کیا ان کے معبود ہیں۔ سو ان کو چاہئے کہ وہ اپنے معبودوں کو لے آئیں، اگر سچے ہیں۔

تَخَيَّرُوْنَ: تم پسند کرتے ہو، تم اختیار کرتے ہو۔ تَخَيُّرٌ سے مضارع۔

زَعِيْمٌ: ذمے دار، ضامن، کہنے والا۔ زَعْمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: پرہیزگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے باغ ہیں جن کے اندر ہر قسم کی راحت و آسائش اور ایسی نعمتیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے قلب و دماغ میں ان کا تصور گزرا۔ ظاہر ہے کہ یہ کفار و مجرمین ان نعمتوں سے محروم ہوں گے۔ مشرکین مکہ نے غرور و تکبر سے اپنے دل میں یہ خیال پختہ کر رکھا تھا کہ اگر قیامت کے روز مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی بخشش و عنایت ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہم پر ان سے زیادہ مہربان ہوگا کیونکہ اُس نے مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیں دنیا میں بھی عیش و آرام دے رکھا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات تو عقلِ سلیم اور فطرت کے خلاف ہے۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم یہ فیصلہ کیسے کرتے ہو، کیا تمہارے پاس اس دعوے پر کوئی لکھی ہوئی چیز ہے جس کو تم دلیل کے طور پر سنا سکو یا ایسی کوئی قابل اعتبار کتاب ہے جس کو سند کے طور پر پیش کر سکو اور اس میں وہی کچھ لکھا ہوا ہو جو تم چاہتے ہو اور جو تم کہہ رہے ہو یا تم سے ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد

ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی ہوگا اور تمہاری بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر رہیں گی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے اس بات کا کون ذمے دار ہے۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کیسا ذمہ لیتا ہے۔ اُن کے پاس عقلی یا نقلی کوئی دلیل نہیں۔ اُنہوں نے تو محض باطل معبودوں پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ سو اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ثبوت میں اپنے باطل معبودوں سے اپنی بے جا اور غلط خواہشیں پوری کرا کر دکھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے باطل معبود ان سے بھی زیادہ عاجز و بے بس ہیں۔ وہ ان کی مدد تو کیا کریں گے خود اپنی بھی نہیں کر سکتے۔

اہلِ ریا کی سجدے سے محرومی

۴۲۔۴۷: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾
خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى
السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۖ
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَأُمْلِيْ لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِيْ
مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور وہ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور اُن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی حالانکہ وہ سجدے کے لئے (اُس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب وہ صحیح سالم تھے۔ سو مجھے اور انہیں جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں، چھوڑ دو۔ ہم انہیں آہستہ آہستہ (جہنم کی طرف) لے جا رہے ہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں۔ میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ کیا آپ ان سے کچھ صلہ طلب کرتے ہیں کہ یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ وہ اس کو لکھ لیتے ہیں۔

سَاقٍ: پنڈلی، ٹانگ کا وہ حصہ جو ٹخنے اور گھٹنے کے درمیان ہے۔

نَسْتَدْرِجُهُمْ: ہم ان کو بتدریج (جہنم کی طرف) لے جائیں گے، ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں۔ اِسْتِدْرَاجٌ سے مضارع۔

اُمْلِیْ: میں ڈھیل دوں گا۔ اِمْلَاءٌ سے مضارع۔

کَیْدِیْ: میرا مکر، میرا فریب، میری تدبیر، میری چالاکی۔

مَتِیْنٌ: مضبوط، قوی، محکم۔ مَتَانَةٌ سے صفتِ مشبہ۔

مَغْرَمٌ: جرمانہ، تاوان۔ غُرْمٌ سے مصدر میمی۔

تشریح: قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ پنڈلی کھول دے گا یعنی تجلی فرمائے گا اور اُس کی عظمت سے لوگ پہچان لیں گے کہ وہ اُن کا رب ہے، اُس وقت تمام مومنین اور مومنات سجدے میں گر پڑیں گے مگر جو دنیا میں دکھاوے کے لئے سجدہ کرتے تھے اُس وقت اُن کی کمر نہیں مڑے گی بلکہ تختے کی مانند سخت ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ قیامت کے روز میدانِ حشر میں یہ سب کچھ اس لئے کیا جائے گا تاکہ مومن و کافر اور مخلص و منافق صاف صاف ظاہر ہو جائیں۔ اُس وقت ندامت و شرمندگی سے اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ حالانکہ دنیا میں جب ان کو سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو اُس وقت وہ صحیح سالم تھے اور سجدے کی قدرت رکھتے تھے لیکن بغاوت و سرکشی میں اللہ کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ قیامت کے روز جب اُن کی پشت لکڑی کے تختے کی مانند سخت ہو جائے گی تو اُس وقت دلی خواہش کے باوجود اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کر سکیں گے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے اور میرے قرآن کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجئے۔ ان بدبختوں سے میں خود نبٹ لوں گا اور ان کو نافرمانی کی سزا مل کر رہے گی۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ عذاب میں گرفتار کر لیں گے۔ ابھی تو ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں۔ پھر میں ان کو اچانک پکڑ لوں گا۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ میری تدبیر بہت مضبوط ہے، یہ اس سے بچ نہیں سکتے۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے کوئی اُجرت اور بدلہ تو طلب نہیں کر رہے کہ ان پر بھاری پڑتا ہو اور جس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہوں، اس لئے ایمان لانے کے لئے تیار نہیں اور نہ ان کے پاس کوئی غیبی اطلاعات ہیں جن کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہو کہ انہیں ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔

کفار کا غیظ وغضب میں آنا

۴۸۔۵۲: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ
مَكْظُومٌ ﴿۴۸﴾ لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْ
مُومٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِن يَكَادُ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ
لَمَجْنُونٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۵۲﴾

پس آپ تو اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جایئے جبکہ اُس نے غم کی حالت میں دعا کی۔ اگر آپ کے رب کی نعمت اُن کی دست گیری نہ کرتی تو وہ برے حال میں بنجر زمین پر ڈال دیئے جاتے۔ پھر اُن کے رب نے اُن کو نوازا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا اور یقیناً یہ کافر تو چاہتے ہیں کہ اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں۔ جب بھی یہ قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔ حالانکہ یہ (قرآن) تمام جہان کے لئے نصیحت ہے۔

حُوْتِ: مچھلی۔ جمع حِیْتَانٌ۔

مَکْظُوْمٌ: غمگین، غم زدہ۔ کَظْمٌ سے اسمِ مفعول۔

تَدٰرَکَهٗ: اُس نے اس کا تدارک کیا، اس نے اس کو پالیا۔ تَدَارُکٌ سے ماضی۔

نُبِذَ: وہ پس پشت ڈال دیا گیا، وہ پھینکا گیا۔ نَبْذٌ سے ماضی مجہول۔

عَرَاءِ: چٹیل میدان، بغیر گھاس کی زمین۔ جمع اَعْرَاءٌ۔

یُزْلِقُوْنَ: وہ پھسلا دیں گے، وہ گرا دیں گے۔ اِزْلَاقٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کی ایذا رسانی اور اُن کی تکذیب پر صبر کیجئے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ بے دلیل ہے، اللہ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ ڈھیل ختم ہونے پر وہ اُن کی گرفت کرے گا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے آپ اس پر صبر کیجئے آخر کار آپ کو اور آپ کی

اتباع کرنے والوں ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ آپ ان مکذبین کے معاملے میں مچھلی والے نبی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح تنگ دلی اور غصے کا اظہار نہ کیجئے جبکہ وہ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانی پر دل برداشتہ ہوکر غصے میں بستی سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور قوم کے حق میں عذاب کی دعا کی بلکہ پیشین گوئی بھی کردی تھی۔ جب قوم پر عذاب نازل نہ ہوا اور اُن کی بات غلط ثابت ہوگئی تو قوم کے سامنے جانے سے کترائے اور سمندر پر پہنچ کر ایک کشتی میں سوار ہوگئے جو بیچ سمندر میں پہنچ کر ٹھہر گئی، نہ آگے چلتی تھی اور نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ ملاحوں نے اپنے عقیدے کے مطابق کہا کہ کشتی میں کوئی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے اس لئے کشتی نہیں چلتی۔ پھر ملاحوں نے قرعہ ڈالا تو حضرت یونس کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ اُسی وقت اللہ کے حکم سے ایک مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ پھر آپ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی اللہ کی تسبیح پڑھی اور اُس کی برکت سے اُن کی دعا قبول ہوئی اور اس مصیبت سے نجات پائی (مزید تفصیل سورۂ یونس اور سورۃ الصفت میں دیکھئے)۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور مہربانی اُن پر نہ ہوتی تو وہ اسی چٹیل میدان میں برے حال میں پڑے رہتے جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے اور وہ کمالات وکرامات باقی نہ رہتے جو محض اللہ کی مہربانی سے اس ابتلا کے وقت میں بھی باقی رہے مگر یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اُس نے اُن کی توبہ قبول کی، اُن کو اپنی گراں قدر نعمتوں سے نوازا اور اُن کو پھر سے نیک اور برگزیدہ لوگوں میں سے بنادیا۔ اور اُن کے مراتب ودرجات مزید بلند کردیئے۔ یہ مشرکینِ مکہ آپ کو غضب ناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی جگہ اور مقام سے ہٹادیں۔ جب وہ اللہ کا قرآن اور ذکرِ الٰہی سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں، حالانکہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے پیغامِ نصیحت ہے اور فلاح کا ذریعہ ہے۔ اس کی ایک ایک آیت حکمتوں اور نصیحتوں سے لبریز ہے۔ بھلا ایسے کلام کو پیش کرنے والا دیوانہ ہوسکتا ہے۔ یقیناً ایسا کہنے والے ہی دیوانے ہیں۔

سورۃ الحاقہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ الحاقہ سے ہوئی ہے اور یہ اسی نام سے مشہور ہے۔
تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۲ آیات، ۲۶۰ کلمات اور ۱۰۶۴ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیر نے کہا کہ یہ سورتِ مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ سب علما کا یہی قول ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۃ الحاقہ اور اسی طرح کی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۹/۶۰)
اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید، قیامت کے ہول ناک احوال اور قرآنِ کریم کی صداقت وحقانیت کا بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: معذب قوموں کی ہلاکت کا احوال اور قیامت کے روز آسمان کا پھٹ جانا مذکور ہے۔ آخر میں قیامت کے دن کفار کی حسرت وندامت کا بیان ہے۔
رکوع ۲: اس میں عظمتِ قرآن کا بیان ہے۔

عاد وثمود کی ہلاکت

۱۔۸: اَلْحَاقَّةُ ۝ مَا الْحَاقَّةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ
وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَاَمَّا
عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ
وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ
نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝

وہ حق ہونے والی (قیامت)۔ کیا ہے وہ حق ہونے والی اور تجھے کیا معلوم وہ

حق ہونے والی کیا ہے۔ ثمود اور عاد نے کھڑ کھڑا دینے والی کو جھٹلایا تھا، سو ثمود
تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کردیئے گئے اور عاد تند و تیز ہوا سے ہلاک
ہوئے، جو ان پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار مسلط رہی (اے مخاطب) تو
اس قوم کو اس طرح گرے ہوئے دیکھتا گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ کیا
تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے۔

اَلْحَاقَّۃُ: حق ہونے والی (قیامت)، ثابت ہونے والی، نہ ٹلنے والی مصیبت۔ حَقٌّ سے اسمِ فاعل۔
اَلْقَارِعَۃ: قیامت، بڑا حادثہ، کھڑ کھڑا دینے والی۔ قَرْعٌ سے اسمِ فاعل۔
صَرْصَرٍ: نہایت تند و تیز آندھی، سخت ٹھنڈک۔ جمع صَرَاصِرٌ۔
عَاتِیَۃ: تیز، نافرمان، سرکش، حد سے نکل جانے والی۔ عُتُوٌّ سے اسمِ فاعل۔
حُسُوْمًا: لگاتار، پے درپے، جڑ کاٹنے والی، منحوس۔ مصدر بھی ہے اور حَسْمٌ سے اسمِ فاعل بھی۔
صَرْعٰی: زمین پر گرے ہوئے۔ بیہوش۔
اَعْجَازٌ: (درختوں کے) تنے۔ واحد عَجُزٌ۔
خَاوِیَۃ: کھوکھلے۔ گرے ہوئے۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قرآنِ کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں۔ ان ہی میں سے حاقہ (حق اور ثابت) اور قارعہ (کھڑ کھڑانے والی) بھی ہیں۔ قیامت چونکہ حق ہے، امرِ واقعہ ہے اور اس کے وقوع میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، اس لئے اس کو حاقہ کہا گیا یا اس وجہ سے اس کو حاقہ کہا گیا کہ اُس روز تمام اُمور کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ پس قیامت ایسی ہول ناک چیز ہے کہ کوئی بھی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے قیامت کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین، آسمان، چاند، سورج، پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کر رکھ دے گی اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کردے گی۔ سو دیکھ لو دونوں کا انجام کیا ہوا۔ پس ثمود کو تو ایک سخت بھونچال سے تہ و بالا کردیا گیا جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا اور عاد کے لوگ اس دعوے کے باوجود کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے (من اشد مناقوۃ۔ حٰم السجدہ: ۱۵) ہماری شدید ٹھنڈی ہوا کا مقابلہ نہ کرسکے اور اپنے ڈیل ڈول اور قوت کے ہوتے ہوئے ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں، جن کے سراُوپر سے کٹ گئے ہوں۔ یہ ہوا اُن پر

لگا تار سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رہی اور یہ قومیں صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹادی گئیں کہ اُن کا بیج بھی باقی نہ رہا۔ (عثمانی: ۲۲ ۷، ۲/۳۲۷، مظہری: ۴۸، ۱۰/۵۰)

قیامت کی منکر قوموں کا انجام

۹۔۱۲: وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور جن کی بستیاں اُلٹ دی گئیں، اُنہوں نے بھی خطائیں کیں۔ سو اُنہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے اُن کو بہت سخت پکڑا۔ بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کرلیا تاکہ ہم اس کو تمہارے لئے یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

مُؤْ تَفِكٰتُ: اُلٹی ہوئی۔ منقلب۔ اِئْتِفَاکٌ سے اسمِ فاعل بمعنی مفعول۔

رَابِيَةً: سخت، بلند، ٹیلہ۔ رُبُوٌّ سے اسمِ فاعل۔

تَعِيَهَا: وہ اس پر نگاہ رکھے، وہ اس کو یاد رکھے۔ وَعْیٌ سے مضارع۔

وَاعِيَةٌ: یاد رکھنے والی مراد کان، محفوظ رکھنے والی۔ وَعْیٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: عاد و ثمود کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا ہوا آیا اور اس سے پہلے بھی کئی خطاکار قومیں آئیں، مثلاً، قومِ نوح، قومِ شعیب اور قومِ لوط جن کی بستیاں اُلٹ دی گئی تھیں۔ ان سب قوموں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی اور ان کو جھٹلایا۔ آخر اللہ نے سب کو بڑے سخت عذاب میں پکڑ لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب پانی کا طوفان آیا تو ظاہری اسباب کے اعتبار سے کوئی انسان بھی زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ یہ تو ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکرین کو غرق کر کے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو کشتی میں سوار کر کے پانی میں غرق ہونے سے بچالیا تاکہ لوگ رہتی دنیا تک اس واقعے سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے

رہیں اور معقول بات سن کر سمجھنے اور یاد رکھنے والے بھی اس کو یاد رکھیں کہ جس طرح دنیا میں فرماں برداروں کو نافرمانوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے ہول ناک حاقہ میں بھی فرماں برداروں اور نافرمانوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معاملہ ہوگا۔ (عثمانی: ۲/۷۲۳، مظہری: ۱۰/۵۰)

قیامت کے دن آسمان کا پھٹ جانا

۱۳۔۱۸: فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

پھر جب صور میں ایک بار پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں دونوں ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے تو اُس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہوجائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا، پھر اُس دن وہ بالکل کمزور ہوجائے گا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آٹھ (فرشتے) آپؐ کے رب کا عرش اپنے اوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اُس دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

دَكَّةً: ایک دم ریزہ ریزہ کردینا، توڑنا۔ مصدر برائے مرۃ۔

وَاهِيَةٌ: سست، کمزور۔ وَهْیٌ سے اسم فاعل۔

اَرْجَائِهَا: اس کے کنارے۔ واحد رَجاءٌ۔

تشریح: جب صور میں جو ایک سینگ کی مانند ہوگا، ایک پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اُٹھا لیا جائے گا اور زمین اپنی قوت و مضبوطی اور پہاڑ اپنی عظمت و پختگی کے باوجود کوٹ پیٹ کر ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے، تو اُس وقت دنیا ختم ہوجائے گی اور قیامت واقع ہوجائے گی۔ جو آسمان آج اس قدر مضبوط و محکم ہے کہ لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس میں کہیں ذرا

سا شگاف نہیں پڑا، اُس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ جس وقت وہ درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائیں گے۔ اُس روز اللہ تعالیٰ کے عرش کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ پھر نفخۂ ثانی کے بعد لوگ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر کیے جائیں گے اور کسی کی کوئی بدی یا نیکی تو کیا کوئی معمولی سے معمولی حرکت بھی چھپی ہوئی نہ رہے گی، سب منظرِ عام پر آ جائے گی۔

اعمال نامے کا دائیں ہاتھ میں ملنا

۱۹۔۲۴: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ۟ۚ﴿۱۹﴾
اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۟ۚ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۟ۙ﴿۲۱﴾ فِیْ
جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۟ۙ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَاۤ
اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

پھر جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (خوشی سے) کہے گا، لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ (ایک دن) مجھے حساب ملنا ہے۔ پس وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا، عالی شان جنت میں جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ پیو ان کاموں کے صلے میں جو تم نے گزشتہ زمانے میں کئے تھے۔

هَاؤُمُ: تم لو، تم پکڑو۔ اسمِ فعل۔

قُطُوْفُهَا: اس کے پھل، اس کے میوے، اس کے خوشے۔ واحد قِطْفٌ۔

دَانِیَةٌ: نزدیک، جھکنے والی۔

هَنِیْٓـًٔا: خوش مزہ، پاکیزہ، زود ہضم۔ هَنَاءٌ سے صفتِ مشبہ۔

تشریح: قیامت کے روز جس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوشی کے مارے اپنا اعمال نامہ ہر ایک کو دکھاتا اور پڑھواتا پھرے گا اور کہے گا کہ میرے رب نے مجھ پر کیسا عظیم انعام و احسان فرما دیا۔ میرا تو پہلے ہی سے گمان تھا کہ میرے اعمال کا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے نوازے گا۔ اسی لئے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا تھا۔

پھر فرمایا کہ جس کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا گیا وہ خوشی اور عیش و آرام کے ساتھ نہایت بلند اور عظیم المرتبت باغ میں ہوگا جس کے خوشے اور پھل اس پر جھکے ہوئے ہوں گے تاکہ ان کو حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اس حالت میں اہل جنت سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں اللہ کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اُٹھائی تھیں اس لئے آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوشی سے خوب سیر ہو کر کھاؤ پیو۔ اب نہ یہ نعمتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ ان سے پیٹ میں کسی گرانی کا اندیشہ ہے۔ یہ سب تمہارے گزشتہ زمانے میں کئے ہوئے ان اعمال کا صلہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دنیا میں کرتے تھے۔

اعمال نامے کا بائیں ہاتھ میں ملنا

۲۵۔۲۹: وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝
وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَاۤ اَغْنٰى
عَنِّیْ مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِيَهْ ۝

اور جس کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش موت ہی میرا کام تمام کر دیتی۔ میرا مال بھی میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت بھی مجھ سے جاتی رہی۔

اَلْقَاضِيَةَ: ختم کر دینے والی، کام تمام کر دینے والی۔ قَضَاءٌ سے اسمِ فاعل۔

سُلْطٰنِيَهْ: میری حکومت، میری قوت، میرا غلبہ۔

تشریح: جس کے بائیں ہاتھ کو اس کی پشت کے پیچھے کر کے اُس کا نامۂ اعمال اُس میں دیا جائے گا تو وہ اپنے اعمال بد اور اُن کا برا انجام دیکھ کر حسرت و پشیمانی کے عالم میں کہے گا، کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لئے تمام کر دیتی اور میرا نام و نشان ہی مٹ جاتا اور یہ عذاب و ہلاکت کی نوبت ہی نہ آتی۔ افسوس میرا وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت اور اولاد و خدام بھی کچھ کام نہ آئے، جن پر مجھے بھروسہ اور گھمنڈ تھا اور میں سمجھتا تھا کہ جو بھی مصیبت آئے گی، میں اپنی دولت، اولاد اور خدام کے ذریعے اس سے بچ جاؤں گا۔ آج ان میں سے

کسی چیز کا پتہ نہیں، سب غائب ہیں۔ اب نہ میری کوئی دلیل چلتی ہے اور نہ معذرت کی گنجائش ہے۔

نافرمانوں کا انجام

۳۰۔۳۷: خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝

(پھر حکم ہوگا) اس کو پکڑ لو اور طوق پہناؤ۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو پھر اس کو ایک ایسی زنجیر میں جکڑ و جس کا طول ستر گز ہے کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ سو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی کھانا ہے سوائے پیپ کے جس کو گناہ گاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

غُلُّوْهُ: تم اس کو باندھ دو، تم اس کو طوق پہناؤ۔ غَلٌّ سے امر۔

سِلْسِلَةٍ: زنجیر۔ جمع سَلَاسِلُ۔

ذَرْعُهَا: اس کی پیمائش، اس کی لمبائی، اس کی طاقت۔

ذِرَاعًا: گز، ہاتھ (کہنی سے لے کر بیچ کی انگلی کے سرے تک)۔ جمع اَذْرُعٌ۔

يَحُضُّ: وہ آمادہ کرتا ہے، وہ ترغیب دیتا ہے، وہ تاکید کرتا ہے۔ حَضٌّ سے مضارع۔

حَمِيْمٌ: دلی دوست، غم کھانے والا۔

غِسْلِيْنٍ: پیپ، دوزخیوں کے زخموں کا دھوون۔

تشریح: اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں لینے والا حسرت و پشیمانی کے عالم میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کے دربانوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑ کر اس کی گردن میں طوق ڈال دو اور گھسیٹ کر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو اور اس کو ایک ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو تاکہ یہ آگ کی سوزش سے بچنے کے لئے ذرا

بھی حرکت نہ کر سکے۔ آیت میں گز سے مراد آخرت کا گز ہے جس کی مقدار اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ دوزخ کے اندر کافر کی ڈاڑھ کوہِ اُحد کے برابر اور اُس کی کھال کی موٹائی تین روز کی راہ کے بقدر ہوگی۔

(مظہری: ج ۱۰، ص ۵۵)

پھر فرمایا کہ اس کو یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اس کے احکام کا انکار کرتا تھا۔ نہ اللہ کے حقوق ادا کرتا تھا اور نہ بندوں کے حقوق پہچانتا تھا۔ فقیر محتاج کو خود تو کیا کھلاتا دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ سو ایسے نافرمان کے لئے آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کے واسطے کھانے کی کوئی چیز ہے، سوائے زخموں کے دھون کے اور ان میں سے بہتی ہوئی پیپ کے جس کو خطا کاروں اور مجرموں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا۔ (عثمانی: ۷۲۴، ۷۲۵/۲)

عظمتِ قرآن

۳۸۔۴۷: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝

میں اُن چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو اور اُن کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (لیکن) تم بہت کم یقین کرتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (لیکن) تم بہت کم سمجھتے ہو۔ یہ تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اگر یہ (نبی) ہمارے متعلق کوئی بات اپنی طرف سے کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ اور ان کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

وَتِیْنْ: شہ رگ، دل کی رگ جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔اسم ہے۔

حٰجِزِین: روکنے والا، بچانے والا۔ حَجْزٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: قسم ہے اُن تمام چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، یا دیکھ سکتے ہو اور جن کو تم نہ دیکھتے ہو اور نہ دیکھ سکتے ہو۔اس میں تمام مخلوقات آگئیں۔بعض کے نزدیک دیکھنے کی چیزوں سے مراد دنیا کی چیزیں ہیں اور نہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد آخرت کی اشیا ہیں۔

اے مشرکینِ مکہ! جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا، یہ کوئی شاعری نہیں جیسا کہ تم کبھی کبھی دعویٰ کرتے ہو اور نہ یہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے جو اللہ کا کلام ہے جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اُترا۔ جو آسمان سے لایا وہ اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا وہ دونوں رسولِ کریم ہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں کفارِ مکہ کے اس بے ہودہ خیال کا رد تھا کہ ان میں سے کوئی آپ کو شاعر کہتا تھا اور کوئی آپ کے کلام کو شعر کہتا تھا۔اسی طرح ان میں سے بعض آپ کاہن اور آپ ﷺ کے کلام کو کہانت کہتے تھے۔غرض آپ کو شاعر یا کاہن کہنے والوں کے الزام کا حاصل یہ تھا کہ آپ جو کلام سناتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ آپ نے خود اپنے خیالات سے یا کاہنوں کی طرح شیاطین سے کچھ کلمات جمع کر لئے ہیں اور آپ ان کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کے رد میں فرمایا کہ اگر بفرضِ محال یہ رسول معاذ اللہ ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے اور ہم پر افترا کرتے تو ہم ان کو یونہی آزاد نہ چھوڑ دیتے کہ خلقِ خدا کو گمراہ کرتے رہیں بلکہ ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگِ جان کاٹ دیتے اور ہماری سزا سے ان کو کوئی بھی نہ بچا سکتا۔
(معارف القرآن: ۵۴۷۔۵۴۸/ ۸، ابن کثیر: ۴/۴۱۷)

نصیحت کا ذریعہ

۴۸۔۵۲: وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۝ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ۝۴۹ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۝۵۲

بے شک یہ (قرآن) پرہیز گاروں کے لئے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے
ہیں کہ تم میں سے بعض (اس کو) جھٹلاتے ہیں۔ بے شک یہ (قرآن)
کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے اور بے شک یہ (قرآن) یقیناً حق
ہے۔ سو آپ اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کرتے رہیے۔

تشریح: یہ قرآن پرہیز گاروں کے لئے نصیحت کا ذریعہ ہے۔ جس شخص میں ادنیٰ درجے کا بھی خوفِ خدا ہوگا وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تو ایمان داروں کے لئے ہدایت اور شفا کا ذریعہ ہے اور جو بے ایمان ہیں وہ بہرے اور اندھے ہیں۔ (حٰم السجدہ: ۴۴)

چونکہ دنیا میں اہل تقویٰ بہت کم ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھٹلاتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ تکذیب ان مکذبین کے لئے باعثِ حسرت و ندامت ہوگی۔ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے بلاشبہ یہ قطعی اور یقینی امر ہے۔ اس میں کسی کو کسی بھی طرح کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی ان حقائق کو نہیں مانتا اور ان پر ایمان و یقین نہیں رکھتا تو آپ اس سے غمگین اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں بلکہ آپ تو اپنے ربِ عظیم کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہیے۔ اسی سے سب غم دور ہوں گے۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۸/۵۴۸۔ ابنِ کثیر: ۴/۴۱۷)

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو لفظ زبان پر ہلکے ہیں، وزن میں بھاری ہیں اور رحمان کو محبوب ہیں (وہ یہ ہیں) **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔**

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو "**سبحان الله العظيم و بحمده**" کہتا ہے اس کے لئے جنت کے اندر کھجور کا ایک درخت بو دیا جاتا ہے۔ (مظہری: ۱۰/۵۹)

سورۃ المعارج

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام المعارج ہے جو اس کی تیسری آیت میں آیا ہے۔ اس کو سورۃ سال سائل بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۴۴ آیتیں، ۲۱۶ کلمات اور ۱۰۶۱ حروف ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ قیامت کے احوال شدیدہ، مومنین پر انعامات اور مجرمین پر عذابوں کی شدت کا بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کافروں کے لئے یوم قیامت کا غیر معمولی طویل ہونا اور قیامت کے احوال کا بیان ہے۔ اس کے بعد مومنوں کے اوصاف مذکور ہیں۔

رکوع ۲: کفار کی جنت سے محرومی کا بیان ہے۔

پچاس ہزار سال طویل دن

۱۔۷: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰہِ
ذِی الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ
خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ۝ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ۝ اِنَّھُمْ یَرَوْنَہٗ بَعِیْدًا ۝
وَّنَرٰىہُ قَرِیْبًا ۝

ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو واقع ہونے والا ہے (اور جو) کافروں کے لئے ہے، جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ وہ (اُس) اللہ کی طرف سے ہوگا جو درجات کا مالک ہے۔ فرشتے اور روح اُس دن کی

طرف چڑھیں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، سو آپ (ان کی مخالفت پر) صبرِ جمیل کیجئے۔ بے شک ان کی نگاہ میں وہ (دن) دور ہے اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مانگنے والے نے اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مانگا تھا۔ نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا النضر بن حارث تھا جس نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس جرأت سے کام لیا کہ کہنے لگا:

اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم،

اگر یہ (قرآن) حق ہے اور آپ اللہ! کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دوسرا دردناک عذاب بھیج دے۔

اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا۔ اب آگے اس عذاب کی حقیقت کا بیان ہے جو اُس نے اپنے منہ سے مانگا تھا۔ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہوگا خواہ اسی دنیا میں ہو یا آخرت میں یا دونوں جگہ۔ اس عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور یہ اُس اللہ کی طرف سے ہے جو بڑے اُونچے درجوں والا ہے۔ اس کی عظمت و برتری اور درجات کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ فرشتے اور روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام تمام آسمانوں کو درجہ بہ درجہ طے کرتے ہوئے اُس کی بارگاہ تک چڑھتے ہیں۔ جس عذاب کا اُوپر ذکر ہوا ہے وہ کافروں پر اُس روز واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے لئے تو یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور مومنوں کے لئے بہت مختصر۔

احمد، ابویعلی، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس روز کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی کہ وہ کس قدر طویل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اُس کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ دن مومن کے لئے ہلکا ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جو فرض نماز پڑھتا تھا اُس کے لئے اتنے وقت سے بھی آسان (کم) ہوگا۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۶۱)

حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ مومنوں کے لئے قیامت کا

دن اتنا ہوگا جتنا ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۶۲)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تمسخر اور استہزا کرنے والوں کا رویہ بے شک نہایت تکلیف دہ ہے اور اس پر رنج و غم کا ہونا فطری امر ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دل نہ ہوا اور نہ حرفِ شکایت زبان پر لائیے بلکہ آپ ﷺ تو خوبی کے ساتھ صبر کیجئے۔ بے شک یہ لوگ تو قیامت کو دور ہی نہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والی سمجھ رہے ہیں، لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں۔ نہ تو عذابِ خداوندی کے آنے میں کوئی دیر ہے اور نہ قیامت کے آنے میں۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۵۵۴، ۵۵۵/ ۸، مظہری: ۶۰۔۶۳/ ۱۰)

قیامت کے احوال

۸۔۱۸: يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝ يُبَصَّرُونَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۝ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۝ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۝ كَلَّا إِنَّهَا لَظَىٰ ۝ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ۝ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۝ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ۝

جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگین اُون کی طرح ہوں گے، کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (حالانکہ) وہ ان کو دکھائے جائیں گے۔ گناہ گار اُس دن کے عذاب کے فدیے میں اپنی اولاد کو دینا چاہے گا اور اپنی بیوی اور بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اُسے پناہ دیتا تھا اور سب اہلِ زمین کو تاکہ اس کو نجات مل جائے۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ یقیناً وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو کھال ادھیڑ ڈالے گی وہ اس کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور مال جمع کیا اور سنبھال کر رکھا۔

اَلْمُهْلِ: تیل کی تلچھٹ، پیپ، پگھلا ہوا تانبا۔ اسم ہے۔

اَلْعِهْنِ: رنگین اُون۔ جمع عُهُونٌ۔

یفتدی: وہ فدیہ دیتا ہے، وہ بدلے میں دیتا ہے۔ اِفْتِدَاءٌ سے مضارع۔

فَصِيْلَتِهٖ: اُس کا کنبہ، اُس کا قبیلہ۔ جمع فَصَائِلُ۔

لَظٰى: دہکتی ہوئی آگ، بھڑکتی ہوئی آگ۔ مبالغے کے طور پر صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نَزَّاعَةً: اُدھیڑنے والی، اُتارنے والی۔ نَزْعٌ سے مبالغہ۔

الشَّوٰى: منہ کی کھال، اطراف بدن یعنی ہاتھ، پیر وغیرہ۔ واحد شَوَاةٌ۔

اَوْعٰى: اُس نے حفاظت سے رکھا۔ اِیْعَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: جس عذاب کو یہ مشرکین و منکرین طلب کر رہے ہیں وہ ان پر اُس دن آئے گا جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہوں گے، جیسے ارشاد ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعۃ: ۵)

اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔

اُس دن پریشانی اور بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی دوست کسی کو نہیں پوچھے گا حالانکہ سب ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے، ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، دوسرے کا حال پوچھنے کا ہوش بھی نہ رہے گا۔ وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ ہر گناہ گار تمنا کرے گا کہ کاش آج وہ عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو فدیے میں دے دیتا یا اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے ٹھکانا دیتا تھا فدیہ میں دے دیتا حتیٰ کہ اگر اُس کے امکان میں ہوتا تو روئے زمین کے سب لوگوں کو بطورِ فدیہ دے دیتا اور اپنے آپ کو اس عذاب سے بچالیتا۔ غرض وہ تمام محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے فدیے میں دینے پر تیار ہوگا لیکن کوئی چیز اُس کے کام نہ آئے گی۔ کوئی بدلہ اور عوض قبول نہ کیا جائے گا۔

پھر فرمایا ہرگز نہیں! یقیناً اُس کو ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جو سخت بھڑکنے اور شعلے والی ہوگی اور سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لائے گی اور ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دے گی۔ وہ آگ ہر اُس شخص کو پکارے گی جس نے دنیا میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری سے منہ موڑا ہوگا اور جو مال کی محبت میں اس کو خوب سمیٹ سمیٹ کر جمع رکھتا تھا۔ اس میں سے نہ اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ مسکین و محتاج کی مدد کرتا تھا۔ اس کے برعکس مومن اپنے دوستوں کی خبر گیری کریں گے اور اُن کی شفاعت بھی کریں گے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے! اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اپنے واضح حق کے

لئے اتنا نہیں جھگڑتا جتنا قیامت کے روز مومن اپنے دوزخی بھائیوں کی رہائی کے لئے اللہ سے جھگڑیں گے اور عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے۔
(مظہری: ۶۳، ۱۰/۶۴)

مومنین کے اوصاف

۱۹۔۲۸: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾

بے شک انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اُس کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور جب اُس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز کے پابند ہیں اور جن کے مال میں (حق داروں کا) حق مقرر ہے۔ مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا اور جو قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور جو اپنے ربّ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اُن کے ربّ کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔

هَلُوْعًا: کم ہمت، بہت بے صبرا، لالچی۔هَلْعٌ سے مبالغہ۔

جَزُوْعًا: پریشان ہونے والے، مضطرب ہونے والے۔جَزْعٌ سے صفتِ مشبہ یا مبالغہ۔

مَنُوْعًا: بہت منع کرنے والا، بڑا بخیل، بڑا کنجوس۔مَنْعٌ سے مبالغہ۔

مُشْفِقُوْنَ: ڈرنے والے۔اِشْفَاقٌ سے اسمِ فاعل۔

مَاْمُوْن: پناہ دیا ہوا، بے خوف کیا ہوا۔اَمْنٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: انسان بہت ہی بے صبرا اور کم ہمت پیدا کیا گیا ہے اور اس کا حوصلہ اور دل نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے۔اس کی کم ہمتی اور بے صبری کا یہ عالم ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آ جاتی

ہے تو صبر سے کام لینے کی بجائے بے قرار ہو جاتا ہے اور جب کوئی راحت و آرام اور مال و دولت مل جاتی ہے تو اس میں بخل کرنے لگتا ہے ۔ نہ اللہ کا شکر کرتا ہے اور نہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے ۔

بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں ۔ مال کی حرص اور (درازئ) عمر کی حرص ۔ (مظہری: ۶۵، ۶۶/ ۱۰)

یہ بری خصلت ہر انسان میں ہوتی ہے سوائے: ا۔ اُن نمازی بندوں کے جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں، واجباتِ نماز کو اچھی طرح بجالاتے ہیں، سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں ۔

۲۔ ان کے مالوں میں سائل اور محتاج و مسکین کے لئے بھی مقررہ حصہ ہے جیسے زکوٰۃ اور مقررہ صدقات وغیرہ ۔

۳۔ یہ لوگ حساب اور جزا کے دن یعنی قیامت پر بھی یقینِ کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں ۔ اسی لئے وہ ایسے اعمال کرتے ہیں جن کا اللہ کے ہاں اجر و ثواب ہے ۔

۴۔ وہ لوگ اپنے ربّ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں ۔ بے شک اُن کے رب کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اُس سے ڈرا جائے ۔

مومنین کے مزید اوصاف

۲۹۔۳۵: وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا
مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾
وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اُن کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں، اُنہیں کوئی ملامت نہیں ۔ پھر جو اس کے سوا کچھ اور چاہے تو وہی حد سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد

کا پاس کرتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہی لوگ جنتوں میں عزت سے رہیں گے۔

رٰعُوْنَ: رعایت کرنے والے، خیال رکھنے والے۔ رِعَایَۃ سے اسمِ فاعل۔ واحد رَاعِيٍ۔

مُکْرَمُوْنَ: بزرگ، عزت دیئے ہوئے۔ اِکْرَامٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: مومنین کے مزید اوصاف یہ ہیں:

۵۔ وہ لوگ اپنی شرم گاہوں کو اپنی بیویوں اور اپنی مملوکہ کنیزوں کے علاوہ سب سے بچائے رکھتے ہیں، البتہ اپنی بیویوں اور اپنی مملوکہ کنیزوں سے خواہش پوری کرنے میں اُن پر کوئی ملامت نہیں۔

۶۔ وہ لوگ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور امانتوں کو اُن کے مالکوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے عہد کو بھی پورا کرتے ہیں۔

۷۔ وہ لوگ اپنی شہادتوں (گواہیوں) پر بھی قائم رہتے ہیں، نہ شہادت کو چھپاتے ہیں، نہ اُس کو بدلتے ہیں خواہ شہادت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو، جیسے شہادتِ توحید و رسالت، رمضان کے چاند کی شہادت، اللہ تعالیٰ کی حدود قائم کرنے کی شہادت وغیرہ یا بندوں کے حقوق کے بارے میں شہادت ہو جیسے باہمی لین دین وغیرہ کی شہادت۔

۸۔ وہ نماز کے اوقات، ارکان، سنن اور مستحبات کی نگہداشت کرتے ہیں، کسی ضروری رکن یا وقت کو فوت نہیں ہونے دیتے۔ یہی لوگ جنتی ہیں۔ جنت میں ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا۔ (مظہری: ۶۶۔۶۸/۱۰)

کفار کی جنت سے محرومی

۳۶۔۳۹: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

پھر ان کافروں کو کیا ہوا ہے جو آپ کی طرف سے دوڑے چلے آتے ہیں۔ دائیں اور بائیں (جانب سے) گروہ کے گروہ۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو

توقع ہے کہ اس کو نعمت کے باغوں میں داخل کرلیا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ بے
شک ہم نے انہیں ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ بھی جانتے ہیں۔

مُهْطِعِيْنَ: دوڑ کر آنے والے، اُمنڈ کر آنے والے۔ اِهطاعٌ سے اسم فاعل۔

عِزِيْنَ: جماعت در جماعت، گروہ در گروہ۔ واحد عِزَۃٌ۔

تشریح: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کا ذکر ہے کہ وہ خود آپ کو دیکھ رہے ہیں اور جو دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں وہ اُن کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ کے کھلے معجزے بھی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ دین اسلام کی ہنسی اور مذاق اُڑاتے ہیں۔ قرآن سن کر بدکتے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر آپ ﷺ سے دائیں بائیں کتراجاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ اُمید رکھتے ہیں کہ ان کو جنت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہی پڑا تو وہاں بھی ہمارے لئے بہتری ہی بہتری ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے۔ اس کے ہاں اندھیر نہیں ہوسکتا۔ وہ کسی کو ایمان وعملِ صالح کے بغیر جنت میں داخل نہیں کرے گا۔

بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کو وہ خود بھی جانتے ہیں اور وہ مٹی جیسی حقیر چیز اور ایک ناپاک پانی کا قطرہ ہے۔ لہٰذا اس طرح پیدا کیا ہوا انسان اس لائق نہیں کہ اس کو بہشت کے باغات ملیں۔ یہ نعمتیں تو ایمان وعملِ صالح کے ذریعے پاک وصاف اور مکرم ومحترم ہو کر ہی مل سکتی ہیں جس سے یہ لوگ عاری ہیں۔ (عثمانی: ۱/۲۳۱۔ ابن کثیر: ۴/۲۴۳،۴۲۲)

کفار کو تھوڑے دن کی مہلت

۴۰۔۴۴: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ
اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ
الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

سو میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم اس پر قادر ہیں
کہ اُن کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ پس آپ
ان کو چھوڑ دیں کہ یہ باتیں بناتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ انہیں اُس دن
سے سابقہ پڑے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے
دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی نشان کی طرف دوڑے چلے جا رہے
ہیں۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ
ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

مَسْبُوْقِيْنَ: پیچھے چھوڑے ہوئے، عاجز۔ سَبْقٌ سے اسمِ مفعول۔

يَخُوْضُوْا: وہ بحث کرتے ہیں، وہ مصروف ہوتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

اَجْدَاثِ: قبریں۔ واحد جَدَثٌ۔

نُصُبٍ: پرستش گاہ، نشان۔ اسم ہے۔ جمع اَنْصَابٌ۔

يُوْفِضُوْنَ: وہ دوڑ کر جاتے ہیں۔ اِيْفَاضٌ سے مضارع۔

تَرْهَقُهُمْ: وہ ان کو ڈھانکتی ہے، وہ ان پر چھا جائے گی۔ رَهْقٌ سے مضارع۔

تشریح: میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھاتا ہوں۔ یقیناً ہم اس پر قادر ہیں کہ اسلام کی خدمت کے لئے، ہم ان مشرکین و منکرین کو ہلاک کر کے ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لے آئیں۔ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی جگہ انصار مدینہ کو کھڑا کر دیا اور مکے والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جا سکے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے اور ان کو کھیل تماشے میں لگا رہنے دیجئے یہاں تک کہ وہ دن آ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اُس وقت حقیقت کھل کر ان کی نظروں کے سامنے آ جائے گی۔ اُس دن یہ اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف اس طرح دوڑیں گے جیسے کوئی کسی نشان یا علامت کی طرف تیزی سے دوڑتا ہے تا کہ وہ دوسروں سے پہلے وہاں پہنچے۔ اُس وقت اُن کی نظریں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی وہ دن ہوگا جس کے عذاب کی وعید ان کو دنیا میں دی جاتی تھی اور یہ اس کا انکار کرتے تھے۔

(عثمانی: ۲/۷۳۲۔ ابن کثیر: ۴/۴۲۴،۴۲۳)

سورۃ النوح

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کا بیان ہے اس لئے یہ اسی نام سے مشہور ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۸ آیات، ۲۲۴ کلمات اور ۹۲۹ حروف ہیں۔ ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید کا اثبات اور شرک و بت پرستی کی تردید ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اور بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قومِ نوحؑ کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

۱۔۴: إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن
يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝٢ أَنِ
ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ۝٣ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ
وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ
لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝٤

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تھا تا کہ وہ اپنی قوم کو خبردار کریں قبل اس کے کہ اُن پر دردناک عذاب آئے۔ نوحؑ نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو،

اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (تا کہ) وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے۔ یقیناً اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاتا ہے تو ٹلتا نہیں۔ کاش تم سمجھتے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر اُن کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ اُن کی بت پرستی اور نافرمانی کے نتیجے میں ان پر آنے والے دردناک عذاب سے پہلے ہی وہ ان کو خبردار کردیں۔ اگر وہ شرک و نافرمانی سے توبہ کرلیں گے اور اللہ کی طرف رجوع کریں گے تو اللہ کا عذاب ان سے اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچادیا کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے صاف صاف لفظوں میں خبردار کرتا ہوں، اللہ سے ڈرو، شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو، اُس کے احکام بجالاؤ۔ جو کام اللہ نے تم پر حرام کئے ہیں اُن سے بچو، گناہ کے کاموں سے اجتناب کرو، میری رسالت کی تصدیق کرو، توحید و اطاعتِ الٰہی کے بارے میں جو کچھ میں حکم دوں اس کو مانو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہاری خطاؤں اور غلط کاریوں پر جس عذاب سے وہ تمہیں ہلاک و برباد کرنے والا ہے اس کو بھی تم سے ہٹا دے گا اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا تا کہ تم اپنی طبعی عمر پوری کرلو۔

پھر فرمایا کہ اللہ کا عذاب آنے سے پہلے نیک اعمال کرلو اس لئے کہ جب وہ آجاتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکتا اور نہ روک سکتا ہے اور نہ اس میں ایک لمحے کی تاخیر ہوسکتی ہے۔ کاش تم یہ باتیں سمجھتے۔ (ابن کثیر: ۴/۴۲۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت

۵۔۷: قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے ربّ! میں اپنی قوم کو رات دن (تیری طرف) بلاتا رہا مگر میرے بلانے سے وہ (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور جب بھی میں نے اُن کو بلایا تا کہ تو اُن کو بخش دے تو اُنہوں نے

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے اوپر کپڑے ڈال لئے اور وہ (کفر پر) اڑے رہے اور انتہائی تکبر کرتے رہے۔

اَصَابِعَهُمْ: اُن کی انگلیاں۔ واحد اِصْبَعٌ۔

اِسْتَغْشَوْا: اُنہوں نے اوڑھ لئے، اُنہوں نے لپیٹ لئے۔ اِسْتِغْشَاءٌ سے ماضی۔

ثِيَابَهُمْ: اُن کے کپڑے، اُن کی پوشاک۔ واحد ثَوْبٌ۔

اَصَرُّوْا: اُنہوں نے اصرار کیا۔ اِصْرَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی بے رخی و نافرمانی کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے ربّ! میں نے تیرے حکم کی پوری سرگرمی سے تعمیل کی اور اپنی قوم کو دن رات تیری توحید و بزرگی کی طرف بلاتا رہا۔ میں جتنا ان کو دین کی طرف بلاتا اُتنا ہی یہ ایمان و طاعت سے بھاگتے رہے اور حق سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک کہ جب میں نے ان سے کہا کہ آؤ ایمان و توحید کی بات سنو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے تو انہوں نے میری دعوت کو سننے کے بجائے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے منہ کپڑوں سے چھپا لئے تاکہ وہ پہچانے نہ جائیں اور نہ کوئی حق بات ان کے کانوں میں پڑے۔ وہ اپنے کفر و شرک اور عناد و ضد پر جمے رہے اور حق کی اتباع کو حقیر جان کر نہایت غرور اور تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔ یہی حال کفار قریش کا تھا کہ وہ اللہ کا کلام سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اور ان کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو۔ اور جب یہ پڑھا جائے تو شور و غل کرو تاکہ تم غالب رہو۔ (حٰم السجدہ: ۲۶)

علی الاعلان دعوت و تبلیغ

۸۔۱۲: ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ

لَكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

پھر میں نے ان کو باآوازِ بلند بلایا۔ پھر میں نے ان کو علانیہ بھی کہا اور پوشیدہ طور پر بھی اور میں نے کہا اپنے ربّ سے گناہوں کی معافی مانگو۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر خوب بارش برسائے گا اور تمہیں مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔

جِهَارًا: پکارنا، بلند آواز کرنا، برملا۔ مصدر ہے۔

مِدْرَارًا: بہت برسنے والا۔ دَرٌّ سے مبالغہ۔

يُمْدِدْكُمْ: وہ تمہاری مدد کرے گا، وہ تم کو بڑھائے گا۔ اِمْدَادٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے مزید عرض کی کہ اے میرے ربّ! میں نے ان کو علی الاعلان تیرا پیغام پہنچایا اور ان کو واضح طور پر بتایا کہ اللہ کی بندگی ہی میں نجات ہے اور اکثر اوقات ان میں سے ایک ایک کو چپکے چپکے نصیحت کے انداز میں سمجھایا۔ غرض تمام جتن کر لئے کہ شاید کسی طرح یہ راہِ راست پر آجائیں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ تم اپنے ربّ سے معافی ہی مانگ لو، وہ غفار ہے، ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے، خواہ اُس سے کیسے ہی بدترین اعمال سرزد ہوئے ہوں وہ ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ تمہارے استغفار کی وجہ سے وہ تمہیں دنیا میں بھی طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور تمہاری تکلیفیں اور پریشانیاں دور کر دے گا اور تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا جس سے رزق کی فراوانی اور مال و اولاد میں ترقی ہوگی۔ تمہارے باغ سرسبز و شاداب ہو جائیں گے۔ اور تمہاری نہریں پانی سے لبریز ہو کر بہنے لگیں گی جیسے تکذیب سے پہلے بہتی تھیں۔ اس طرح ایمان استغفار کی برکت سے وہ قحط سالی بھی دور ہو جائے گی جو برسوں سے تم پر مسلط ہے اور بارش کی کثرت سے تمہارے کھیت اور باغات سرسبز و شاداب ہو جائیں گے اور غلے اور پھلوں کی کثرت ہو جائے گی۔ نیز ایمان و استغفار کی برکت سے دنیا کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ آخرت کی نجات بھی حاصل ہو جائے گی۔

آسمان وچاند وسورج کی تخلیق

۱۳۔۲۰: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ
تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ
جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ
يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت پر اعتقاد نہیں رکھتے حالانکہ اُس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح اُوپر تلے سات آسمان بنائے اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا اور سورج کو (روشن) چراغ بنایا اور اللہ ہی نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقے سے اُگایا اور پیدا کیا ہے۔ پھر وہ تمہیں اسی زمین میں لوٹائے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کر کھڑا کرے گا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔

وَقَارًا: وقار، عزت، بزرگی۔ مصدر و اسم۔

اَطْوَارًا: طرح طرح سے، کئی بار۔ واحد طَوْرٌ۔

طِبَاقًا: اُوپر تلے، تہ بہ تہ۔ مصدر بمعنی صفت۔

اَنْبَتَكُمْ: اُس نے تم کو اُگایا۔ اِنْبَاتٌ سے ماضی۔

بِسَاطًا: بچھونا، فرش۔

فِجَاجًا: دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے۔ واحد فَجٌّ۔

تشریح: اے میرے پروردگار! میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ سے اُمید نہیں رکھتے کہ وہ تمہاری عبادت کی قدردانی اور تمہارا اکرام کرے گا، حالانکہ اُسی نے تمہیں مختلف طور سے مختلف حالات میں پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے سات آسمانوں کو کس طرح ایک کے

اُوپر ایک بنایا ہے۔ پھر ان میں چاند اور سورج پیدا کئے جن کی چمک دمک، روشنی اور اُجالا الگ الگ ہے، جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے۔ اُس نے تمہیں بڑی حکمت کے ساتھ زمین سے اُگایا یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر مرنے کے بعد وہ تمہیں اسی زمین کے اندر قبروں میں لوٹا دے گا۔ پھر قیامت کے دن تمہیں اسی زمین سے دوبارہ پیدا کرے گا۔ جیسے پہلی دفعہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا، نہ زیادہ سخت ہے کہ تم اس پر لیٹ یا بیٹھ نہ سکو اور نہ ایسی نرم کہ تم اس میں دھنستے چلے جاؤ بلکہ وہ ایسی نرم اور مضبوط ہے کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں اطمینان سے چلتے پھرتے ہو۔

قوم کا انجام

۲۱۔۲۵: قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ۝

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے ربّ! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی کی جن کے مال و اولاد نے ان کو نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور انہوں نے (آپس میں) کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدّ اور سُواع اور یَغُوث اور یَعُوق اور نَسر کو چھوڑنا حالانکہ وہ بہت سوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور (اے اللہ!) تو بھی ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دے (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور جہنم میں داخل کر دیئے گئے۔ پھر انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے ربّ! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کسی طرح میری بات سننے پر تیار نہیں ہوئے۔ یہ لوگ اپنے مال داروں اور سرداروں کی ہی بات

مانتے رہے جو تیرے احکام سے بالکل غافل تھے اور مال واولاد میں مست تھے اگرچہ مال واولاد نے ان کے نقصان ہی میں اضافہ کیا۔ ان سرداروں نے جو مال واولاد والے تھے ان سے بڑی مکاری کی۔ وہ ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ نہ وَدّ اور سُواع کو اور نہ یَغوث، یَعوق اور نَسر کو۔ اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اگر یہ لوگ سازش نہ کرتے اور قوم کو نہ بہکاتے تو ممکن تھا کہ قوم کے بہت سے لوگ ایمان لے آتے۔ اے میرے پروردگار! اب تو بھی ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دے۔

پھر جب قومِ نوح کی سرکشی، ضد، ہٹ دھرمی اور اللہ کے رسول کی مخالفت و دشمنی حد سے بڑھ گئی تو ان کو غرق کر دیا گیا اور آگ میں دھکیل دیا گیا اور اللہ کے سوا ان کو عذابوں سے بچانے کے لئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا

۲۶۔۲۸: وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

اور نوحؑ نے کہا اے میرے ربّ! تو روئے زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑنا۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یقیناً یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی فاجر اور کافر ہی ہوگی۔ اے میرے ربّ! مجھے اور میرے ماں باپ اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما دے اور تو ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دے۔

دَیَّارًا: بسنے والا، رہنے والا۔

تَبَارًا: ہلاکت، بربادی۔ تَبرٌ سے اسمِ مصدر۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہ اے میرے ربّ! اب ان

کافروں میں سے کسی ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا ہوا نہ چھوڑ ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے اور بندوں کو گمراہ کریں گے اور جو نسل ان سے پھیلے گی وہ بھی ان ہی جیسی بدکار اور نافرمان ہوگی ۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی اور سب کو غرق کردیا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو کافروں میں شامل تھا، وہ بھی نہ بچ سکا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں کسی بلند پہاڑ پر چڑھ کر پانی سے بچ جاؤں گا حالانکہ وہ پانی نہیں تھا بلکہ عذابِ الٰہی تھا، اس سے کون بچ سکتا تھا۔ پانی نے اُسے وہیں جالیا جہاں کھڑا ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام سے باتیں کر رہا تھا (واقعے کی مزید تفصیل سورۂ ہود میں دیکھئے)۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے ربّ! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور ہر اُس شخص کو بھی بخش دے جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آ جائے اور تمام ایمان دار مردوں اور عورتوں کو بھی بخش دے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ پھر فرمایا کہ ان کافروں کی ہلاکت و تباہی اور نقصان میں اضافہ فرما۔ وہ اسی قابل ہیں کہ انہیں پوری طرح ہلاک و برباد کر دیا جائے اور وہ دنیا و آخرت میں برباد ہی رہیں۔

سورۃ الجنّ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں جنّات کا قرآنِ کریم سن کر اُس کی حقانیت پر ایمان لانا اور اپنی قوم کو دعوتِ ایمان دینا مذکور ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الجن ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۸ آیتیں، ۲۸۵ کلمات اور ۸۷۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ، اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے بھانجے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ سب علما کا یہی قول ہے کہ یہ مکیہ ہے۔ اس میں بھی اُصولِ توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے۔ جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا، دیگر معجزات رسالت ﷺ اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۹/۱۱۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا، اُن کے فرقوں اور ایمان کے دنیوی منافع کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مساجد میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت اور اللہ کے سوا کسی کو قیامت کے مقررہ وقت کا علم نہ ہونا مذکور ہے۔

جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا

۱۔۵: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳ وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۵

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جا کر) کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ بتاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے اور ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے۔ نہ اس کے بیوی ہے اور نہ اولاد اور ہم میں سے بعض بے وقوف اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جنات اللہ کی شان میں کبھی جھوٹ بات نہیں کہیں گے۔

جَدُّ: بزرگی، شان، عظمت۔ اسم مصدر ہے۔

سَفِيْهُنَا: ہم میں کا بے وقوف، ہم میں کا نادان۔ سَفَاهَةٌ سے صفتِ مشبہ۔

شَطَطًا: زیادتی، ناحق، جھوٹ۔ حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: جن جنات کا یہاں ذکر ہے وہ نصیبین کے رہنے والے تھے اور اُن کی تعداد نو یا سات تھی۔ نصیبین، موصل سے شام جانے والے قافلوں کے راستے میں ایک بڑا شہر تھا۔ جن ایسی مخلوق کا نام ہے جن کے جسم بھی ہیں اور وہ ذی روح بھی ہیں۔ انسان کی طرح ان میں عقل و شعور بھی ہے لیکن وہ لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں، اسی لئے ان کو جن کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اسی طرح جنوں کو آگ سے بنایا، جیسے ارشاد ہے:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۝ (الحجر: ۲۷)

اور اس (انسان) سے پہلے ہم نے جنوں کو لُو والی آگ سے پیدا کیا۔

انسانوں کی طرح ان میں بھی مذکر و مؤنث ہوتے ہیں۔ شیاطین بھی جنات کی ایک قسم ہے۔ جنات کے جس واقعے کا یہاں ذکر ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا تھا۔ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب جنات کو شہابِ ثاقب کے ذریعے آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا تھا۔ جنات نے ابلیس سے شکایت کی جس نے اس واقعے کا سبب معلوم کرنے کے لئے ہر طرف وفود بھیجے۔ اُن میں سے ایک وفد تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہ وفد وادیٔ نخلہ میں اُس وقت پہنچا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ

دین کے لئے سوقِ عُکاظ جاتے ہوئے وادیٔ نخلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور صحابۂ کرامؓ کے ساتھ فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ جنات نے قرآن سن کر آپس میں کہا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے اُن کی اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ پھر اُنہوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر اُن کو مطلع کیا۔ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی قوم کو بتا دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآنِ کریم سن کر اپنی قوم کو جا کر خبر دی ہے کہ آج ہم نے ایک عجیب و غریب کتاب سنی جو نیکی اور نجات کا راستہ دکھاتی ہے اور ہدایت وتقویٰ اور سعادت وفلاح کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ یقیناً یہ اللہ کا کلام ہے سو ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں۔ اب ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ وہ اس سے پاک اور بلند و بالا، عزت وشان والا ہے کہ اس کے بیوی اور اولاد ہو۔ یقیناً ہم میں سے کوئی بے وقوف ہی تھا جس نے اللہ کی طرف اس طرح کی نازیبا اور لغو باتیں منسوب کیں ورنہ ہمارا تو خیال تھا کہ جن اور انسان اللہ پر جھوٹ نہیں بولتے، اس لئے ان بے وقوفوں کی باتوں میں آ کر ہم بھی اب تک کفر وشرک میں مبتلا تھے۔ اب قرآن سنا تو حقیقت کھلی۔

(مظہری: ۹۷-۸۳/۱۰)

ویرانوں میں جنات کی پناہ لینا

۶-۱۰: وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

اور انسانوں میں سے کچھ لوگ بعض جنات کی پناہ لیا کرتے تھے، سو اس نے ان (جنات) کی بد دماغی اور بڑھا دی اور انہوں نے بھی تمہاری طرح گمان

کرلیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہروں اور شعلوں (شہابِ ثاقب) سے بھرا ہوا پایا۔ اور اس سے پہلے ہم (وہاں کی) باتیں سننے کے لئے بہت سے مقامات میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کا ربّ انہیں راہِ ہدایت پر لانا چاہتا ہے۔

رَهَقًا: بد دماغی، سرکشی، تکبر۔ مصدر ہے۔

مُلِئَتْ: وہ بھر گئی۔ مَلَأٌ و مِلْئَةٌ سے ماضی مجہول۔

رَصَدًا: تیار، گھات لگانا، نگہبان۔ مصدر بمعنی اسمِ فاعل۔

تشریح: یہ بھی نہایت تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ جب بھی کسی جنگل یا ویرانے میں جاتے تو وہ شر اور ایذا سے بچنے کے لئے وہاں کے جن سردار کی پناہ طلب کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ ہم اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں آتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اس طرح کہہ لینے کے بعد وہ تمام جنات کے شر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان اُن کی پناہ لیتے ہیں تو اُن کی سرکشی اور بڑھ گئی اور اُنہوں نے انسانوں کو بری طرح ستانا شروع کر دیا۔ آج جتنا انسان جنوں سے ڈرتا ہے پہلے جنات انسان سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے تھے یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا، وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب اہل شرک نے اُن سے پناہ مانگنی شروع کی اُس وقت سے جنوں کو پتہ چل گیا کہ انسان تو خود اُن سے ڈرتا ہے، اس لئے اُن کی جرأت بہت بڑھ گئی اور انہوں نے انسانوں کو ڈرانا اور طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔

پھر فرمایا کہ ان مسلمان جنوں نے اپنی قوم سے کہا کہ جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اس خیال میں تھے کہ بس جو رسول پہلے آ چکے وہ آ چکے اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا اور نہ قیامت ہوگی اور نہ حشر و نشر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین کسی رکاوٹ کے بغیر آسمان کے

قریب پہنچ کر فرشتوں کی کچھ باتیں سن لیا کرتے تھے اور پھر زمین پر آ کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ ﷺ کی آسمان سے حفاظت کے لئے اس سلسلے کو بند کر دیا گیا۔ آج کل بہت سخت پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی شیطان کو غیب کی خبریں سننے نہیں دیتے اور جب کوئی شیطان سن گن لینے آسمان کا رخ کرتا ہے تو فوراً اُس پر شہابِ ثاقب پھینکا جاتا ہے۔ اس سے پہلے اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی۔ یہی وہ نیا حادثہ تھا جس کی تحقیق کے لئے جنات کے وفود دنیا کے ہر کونے میں گئے تھے اور ایک وفد مقامِ نخلہ میں آپ سے قرآن سن کر ایمان لایا۔

پھر جنات نے اپنی قوم سے مزید کہا کہ جنات وشیاطین کو آسمانی خبریں سننے سے روک دینا سزا کے طور پر بھی ہو سکتا ہے کہ زمین والوں کو آسمانی خبریں نہ ملا کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے آسمانی وحی کی حفاظت کا انتظام کیا ہو کہ جنات وشیاطین آسمانی وحی میں کوئی خلل نہ ڈال سکیں۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۹۷ ۔ ۵۸۱/ ۸، مظہری: ۸۵ ۔ ۸۷/ ۱۰)

جنات کے فرقے

۱۱۔۱۵: وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝۱۱
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲
وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ
بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝۱۳ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ
اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝۱۵

اور یہ کہ ہم میں سے بعض نیک ہیں اور بعض اس کے برعکس۔ ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اللہ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ کہیں بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم اُس پر ایمان لے آئے۔ اور جو اپنے رب پر ایمان لے آیا تو اُسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہوگا اور نہ ظلم کا اور ہم میں سے بعض تو مسلمان ہیں اور بعض نافرمان۔ پس جو اسلام لے آیا اُس نے بھلائی کا راستہ تلاش

کرلیا اور جو نافرمان ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

قِدَدًا: مختلف، علیحدہ علیحدہ، جدا جدا۔ واحد قِدَّةٌ۔

هَرَبًا: بھاگنا، فرار ہونا۔ مصدر ہے۔

بَخسًا: بہت کم، ناقص۔ صفتِ مشبہ۔

رَهَقًا: بد دماغی، سرکشی، تکبر۔ مصدر ہے۔

تَحَرَّوْا: وہ چلے، اُنہوں نے ارادہ کیا۔ تَحَرِّیٌ سے ماضی۔

حَطَبًا: لکڑی، ایندھن۔ جمع اَحْطَابٌ۔

تشریح: جنات کا وہ گروہ جو نخلہ میں ایمان لایا تھا، اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی اور قرآن نازل ہونے سے پہلے ہم متفرق طریقوں پر بٹے ہوئے تھے۔ اب بھی اس بات کی توقع نہیں کہ سب ایک ہی راستے یعنی حق و ہدایت کو قبول کرلیں گے۔ اختلاف تو بہرحال رہے گا۔ اب جبکہ حق ظاہر ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و خالقیت ثابت ہو چکی ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کو اُس کی زمین میں رہتے ہوئے عاجز و بے بس نہیں کرسکتے اور نہ اس سے بھاگ کر اُس کو مغلوب کرسکتے ہیں کیونکہ نہ تو ہم اُس کی سلطنت سے نکل سکتے ہیں اور نہ اُس کے علم وقدرت سے باہر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے ہم ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی۔ بلاشبہ یہ بات ہمارے لئے فخر اور سعادت کی ہے۔ پس جو شخص بھی اللہ پر ایمان رکھے گا اُس کو نہ تو اجر و ثواب میں کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ ذلت و رسوائی کا۔ ہم میں سے بعض تو مسلمان اور فرماں بردار ہیں اور بعض ظالم و نافرمان، حق سے ہٹے ہوئے اور عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ مسلمان تو نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں اور ایندھن ہیں۔

ایمان کے دنیوی منافع

۱۶۔۱۷: وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾
لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

اگر یہ لوگ راہِ راست پر رہتے تو ہم ان کو بافراغت پانی پلاتے تاکہ اس میں

ہم اُن کو آزمالیں اور جو شخص اپنے ربّ کی یاد سے منہ موڑے گا تو اللہ اُس کو سخت عذاب دے گا۔

غَدَقًا: پانی کا بہت ہونا، کثیر، وافر۔ مصدر ہے۔

صَعَدًا: کٹھن، سخت، الم ناک، مشکل کام۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس یہ بھی وحی آئی ہے کہ اگر جن و انس اسلام اور اس فطرت پر قائم رہیں گے جس پر اللہ نے اُن سب کی تخلیق کی ہے تو ہم اُن پر کثرت سے بارشیں برسائیں گے اور ان کو خوب فراخی اور وسعت سے رزق دیں گے تاکہ رزق کی اس وسعت و فراخی سے ہم اُن کی آزمائش کرلیں کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر کون ہدایت پر جمارہتا ہے اور ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے اور کون کفرانِ نعمت کر کے پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ (الاعراف:۹۶)

اور ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

اور اگر یہ لوگ توریت و انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان کے رب کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا تو یہ اپنے اوپر اور اپنے نیچے سے خوب کھاتے۔ (المائدہ:٦٦)

آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ہم ان پر رزق کے دروازے کھول دیتے تاکہ یہ خوب مست ہوجائیں، اللہ کو بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہوجائیں، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰۤى

اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، جس سے وہ مست ہوئے اور ناگہاں ہم نے ان کو پکڑ لیا اور پھر وہ مایوس ہو گئے۔ (الانعام: ۴۴)

جو لوگ اللہ کی یاد سے منہ موڑتے ہیں اور شیاطین سے تعلق قائم کرتے ہیں، اُن کو کبھی سکون اور چین نصیب نہیں ہوتا بلکہ اُن کی پریشانی اور عذاب ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ ہم ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کریں گے اور آخرت میں بھی۔ (ابن کثیر: ۴۳۱/۴، مظہری: ۹۰-۱۰/۰۲)

غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت

۱۸-۲۴: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ
اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ
وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا
رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ
مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ
فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

اور مسجدیں اللہ (کی عبادت) کے لئے ہیں، سو تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو اور جب اللہ کا بندہ (نبی) اُس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس پر ہجوم کرنے لگتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اختیار میں نہ تمہیں نقصان پہنچانا ہے اور نہ ہدایت دینا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کہیں پناہ پا سکتا ہوں۔ میں تو اللہ کی طرف سے اُس کے پیغام کو پہنچاتا ہوں اور جو اللہ اور

اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا تو اُس کے لئے دوزخ
کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ جب اُس (دن) کو
دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ سو بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے
گا کہ کس کے مددگار کمزور اور گنتی میں کم ہیں۔

لِبَدًا: ٹھٹ کے ٹھٹ، ہجوم، بھیڑ۔ واحد لِبْدَةٌ۔

یُجِیْرَنِیْ: وہ مجھ کو پناہ دے گا۔ اِجَارَة سے مضارع۔

مُلْتَحَدًا: پناہ کی جگہ۔ اِلْتِحَادٌ سے مصدر میمی و اسمِ ظرف۔

تشریح: مساجد کے نام سے خاص اللہ کی عبادت کے لئے جو جگہیں بنائی جاتی ہیں وہاں اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا ظلمِ عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حکم دیا ہے کہ اس کی مسجدوں کو شرک سے پاک رکھو، وہاں کسی اور کا نام نہ پکارو اور نہ کسی اور کو اُس کی عبادت و اطاعت میں شریک کرو۔

جب آپ کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آپ (ﷺ) پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مومنین تو شوق و رغبت سے قرآنِ کریم سننے کے لئے اور کفار و مشرکین تمسخر و عداوت سے آپ پر ہجوم کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے لئے تلاوتِ قرآن فرماتے ہیں تو جنوں کے غول کے غول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ جمع ہوتے ہیں۔

آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مخالفت میں مجھ پر ہجوم کیوں کرتے ہو۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات نہیں کہتا۔ میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی چیز میں بھی کسی کو اُس کا شریک نہیں ٹھہراتا، نہ اُس کی ذات و صفات میں اور نہ اُس کے حقوق و افعال میں۔ میں تو اُسی کی پناہ میں ہوں اور اُسی پر میرا توکل اور بھروسہ ہے۔ میں تمہارے نفع و نقصان اور ہدایت و گمراہی کا مالک نہیں بلکہ اپنا نفع و ضرر بھی میرے اختیار میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو کون ہے جو مجھے اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور نہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں بھاگ کر میں پناہ حاصل کر سکوں۔ میرا کام تو صرف اللہ کا پیغام لانا اور اُس کے بندوں کو پہنچا دینا ہے سو وہ میں نے پہنچا دیا۔ اب خوب سمجھ لو کہ جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اُس کے لئے جہنم کی

آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اس سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔ قیامت کے دن جب یہ مشرکین جن وانس اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اُس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ کس کے ساتھی کمزور اور گنتی میں کم تھے۔

قیامت کا علم

۲۵۔۲۸: قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ۞ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۞ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۞ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۞

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے نہیں معلوم کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لئے میرے رب نے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ سو وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا، سوائے اپنے کسی پسندیدہ رسول کے۔ پھر اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے تاکہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے ربّ کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ اُن کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔

اَمَدًا: مدت، زمانۂ دراز۔ جمع آماد۔

اَحْصٰی: اُس نے احاطہ کرلیا، اُس نے گن لیا۔ اِحْصَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ جس قیامت کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے مجھے اس کے واقع ہونے کا علم نہیں بلکہ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اُس کا وقت قریب ہے یا دور، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے مقرر کردہ وقت کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا۔ یہ ان غیوب میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ غیب کی خبروں کا جاننے والا صرف اللہ ہے وہ اپنے بھیدوں کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا، البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جن کو چاہے وحی کے ذریعے اس قدر بتا دیتا ہے کہ جس قدر

اُن کی شان اور منصب کے لائق ہو اور وہ اتنا ہی جانتے ہیں جتنا ان کو بتایا جاتا ہے اور اس وحی کے ساتھ فرشتوں کا زبردست پہرہ ہوتا ہے تا کہ وحیٔ الٰہی ہر طرح محفوظ رہے اور جب اللہ کا رسول اس وحی کو بیان کرے تو اس میں شک وشبہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ یہ اس لئے تا کہ وہ جان لے اور دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اللہ کے پیغامات پہنچادیئے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی تبدیلی اور کمی بیشی نہیں ہوئی۔ ہر چیز اُسی کی نگرانی میں ہے۔ کسی کی مجال اور طاقت نہیں کہ وہ ان پہروں کو توڑ سکے۔ اللہ نے ان تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے جو اُن کے پاس ہیں اور اُس نے ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔ اس لئے کوئی بھی چیز اُس کے علم کے احاطے سے باہر نہیں۔ وہی عالم الغیب ہے اور اُسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں۔ (عثمانی:۷۴۲،۷۴۳/۲)

سورۃ المزّمل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ایھا المزمل اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اسی لئے اس کا نام المزمل ہوگیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۰ آیتیں، ۲۸۵ کلمات اور ۸۳۸ حروف ہیں۔ حسن، عکرمہ، عطا اور جابر بن زیدؓ کے قول کے مطابق یہ پوری سورت مکیہ ہے۔ ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے کہا کہ واصبر علی مایقولون سے اس کی دو آیتیں مدنیہ ہیں اور ثعلبی کہتے ہیں کہ ان ربک یعلم انک تقوم سے آخر سورت تک مدینے میں نازل ہوئی۔

(مواہب الرحمٰن: ۱۵۴، ۱۵۵/ ۲۹)

اس میں وحیٔ الٰہی کی عظمت اور قیام اللیل کی تاثیر و برکت کا بیان ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین مکہ کی بے رُخی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین و گستاخی کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کی تلقین ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیام اللیل کی تاثیر و برکت اور بچوں کو بوڑھا کر دینے والے دن کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قیام اللیل کے حکم میں تخفیف مذکور ہے۔

قیام اللیل کا حکم

۱۔۴: يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝

اے کپڑا اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کیجئے مگر تھوڑی رات، آدھی رات یا

اس سے کچھ کم یا اس (نصف) سے کچھ زیادہ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے۔

اَلْمُزَّمِّلُ: کپڑے میں لپٹنے والا، مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ تَزَمُّلٌ سے اسمِ فاعل۔

رَتِّلِ: تو خوب صاف صاف پڑھ، تو خوب کھول کھول کر پڑھ۔ تَرْتِیْلٌ سے امر۔

تشریح: یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ ابتدا میں جب وحی کی دہشت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے گھر آ کر فرمایا زملونی زملونی۔ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھا دیا گیا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسی نام سے مخاطب کیا کہ اے چادر میں لپٹنے والے! اپنی طبیعت و ہمت کے لحاظ سے رات کے آخری نصف حصے یا کم و بیش میں اُٹھ کر نماز پڑھا کریں۔ اگر اتفاقاً یا عذر سے کسی رات کو نہ اُٹھ سکو تو کوئی مضائقہ نہیں اور نماز میں حسنِ صوت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کیا کریں تاکہ اس کو سمجھنے اور اس میں غور کرنے میں آسانی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید کی تلاوت اسی طرح فرمایا کرتے تھے۔ قرآنِ مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے تلاوت کے وقت اس کی عظمت و ادب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے۔ تہجد کی نماز صرف آپ ﷺ پر واجب تھی۔ اُمت پر واجب نہیں مستحب ہے۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھ اور ترتیل کر۔ تیری منزل اس آخری آیت کے پاس ہے جو تو پڑھتا تھا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ (سننے میں) اتنی توجہ کسی چیز کی طرف نہیں کرتا جتنی اس خوش آواز نبی کی طرف کرتا ہے جو بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو۔ (مظہری: ۱۰۲-۱۰۴/۱۰)

رات کی عبادت کی فضیلت

۵-۹: إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً

وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

عن قریب ہم آپ (ﷺ) پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے۔ بے شک رات کا اُٹھنا نفس کو خوب پامال کرتا ہے اور سیدھی بات نکلتی ہے۔ بے شک دن میں آپ کے لئے بڑے مشغلے رہتے ہیں اور آپ اپنے ربّ کا ذکر کرتے رہیے اور سب کو چھوڑ کر اُسی کے ہو جائیے۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو آپ اسی کو کارساز بنائے رکھیے۔

نَاشِئَةٌ: رات کا اُٹھنا، رات کی عبادت، مراد نماز تہجد۔ مصدر ہے۔

وَطْأً: روندنا، پامال کرنا، مراد نفس کا کچلنا۔ مصدر ہے۔

تَبَتَّلْ: تو سب سے الگ ہو جا، تو سب سے تعلق ختم کر لے۔ تبتُّلٌ سے امر۔

تشریح: اب ہم آپ صلی اللہ علیہ پر قولِ ثقیل القا کریں گے یعنی اس کے بعد آپ پر پے در پے قرآن نازل کریں گے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور اپنی عظمت و کیفیات کے اعتبار سے بہت بھاری ہے، قوائے بشریہ اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کی بنا پر نبی ہی اس کا تحمل کرتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزولِ وحی کی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گراں گزرتی تھی اور آپ ﷺ سخت سردی کے موسم میں بھی پسینے پسینے ہو جاتے تھے۔ اُس وقت اگر آپ کسی سواری پر ہوتے تو سواری بھی آپ ﷺ کا بوجھ برداشت نہیں کرتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک زید بن حارث رضی اللہ عنہ کی ران پر تھا۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ زیدؓ فرماتے ہیں اُس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میری ران ٹوٹ رہی ہو۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر وحی کس طرح آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ زیادہ سخت ہوتی ہے۔ جب وحی کی کیفیت دور ہوتی ہے تو میں اس کو محفوظ کر چکا ہوتا ہوں۔ کبھی فرشتہ آدمی کی شکل میں آ کر کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد رکھتا ہوں۔ (مظہری: ۱۰/۱۰۶)

بے شک نفس کو زیر کرنے کے لئے رات کو اُٹھ کر عبادت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ نفس پر بہت شاق ہے۔ اس سے نیند اور آرام جیسی خواہشات پامال ہوتی ہیں۔ تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ اس وقت دل اور زبان ایک ہو جاتے ہیں۔ زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ دل میں اُتر جاتی ہے جبکہ دن میں یہ بات نہیں ہوتی کیونکہ دن میں ویسی فارغ البالی نہیں ہوتی جیسی رات میں ہوتی ہے۔ نیز تہجد کا وقت اللہ ربُّ العزت کے آسمانِ دنیا پر نزول کرنے اور اپنے بندوں پر خاص عنایت و رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے اس لئے یہ وقت خاص روحانی برکات کا حامل ہے۔ لہٰذا عبادت، مناجات، ذکر و تسبیح اور دعا یکسوئی کے ساتھ رات کے اسی حصے میں ہو سکتی ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے، تو ہمارا ربّ نیچے والے آسمان پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں، کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اُس کے گناہ معاف کردوں''۔

مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اُس ساعت میں کوئی مسلمان اللہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کرے تو اللہ اُس کو ضرور عطا فرماتا ہے۔ (مظہری: ۱۰۸، ۱۰۹/ ۱۰)

بے شک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سے مشاغل ہوتے ہیں، مثلاً تبلیغِ دین، لوگوں کو احکامِ الٰہی سے آگاہ کرنا اور ان کے مطابق عمل کی تلقین و تربیت وغیرہ۔ اس لئے آپ قیام اللیل کے علاوہ بھی دن رات اُسی کی طرف متوجہ رہئے اور چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اُسی کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور اسی پر بھروسہ رکھیے کیونکہ اُس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کارساز۔

(عثمانی: ۴۵، ۷۶/۲، ابنِ کثیر: ۴۳۴۔ ۴۳۷/۴)

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر پورا توکل کرلو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے تم کو بھی دے گا۔ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔

(مظہری: ۱۱۲/ ۱۰)

زمین اور پہاڑوں کا کانپنا

۱۰۔۱۴: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ
وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا
وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ
الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝

جو کچھ وہ (کافر) کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اچھے انداز سے ان سے کنارہ کش ہو جایئے۔ مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو جو ناز و نعمت میں رہتے ہیں چھوڑ دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے۔ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور دوزخ ہے اور حلق میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلوں کی مانند ہو جائیں گے۔

اُهْجُرْهُمْ: تو اُن کو چھوڑ دے، تو ان کو الگ کر دے۔ هَجْرٌ سے امر۔

اَنْكَالًا: بیڑیاں۔ واحد نِكْلٌ۔

تَرْجُفُ: وہ کانپے گی، وہ ہلنے لگے گی، وہ لرزے گی۔ رَجْفٌ سے مضارع۔

كَثِيْبًا: جمع کرنا، ریت کا ٹیلہ، بالوں کا ڈھیر۔ كَثْبٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

مَهِيْلًا: بھربھرا، ریزہ ریزہ۔ هَيْلٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکینِ مکہ کی طعن آمیز اور دل آزار باتوں کو نہایت صبر اور ہمت و استقلال سے برداشت کرتے رہیے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ نہ کسی کے سامنے اُن کی بدسلوکی کی شکایت کی ضرورت ہے اور نہ آپ غیض و غضب میں آ کر اُن سے انتقام لینے کے درپے ہوں، بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن کی ہدایت و رہنمائی میں کوشش کرتے رہیے۔ حق و صداقت کو جھٹلانے والے یہ مکذبین و متکبرین جو دنیا میں عیش و آرام سے رہ رہے ہیں تو اُن کی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ آپ ان کا معاملہ میرے سپرد کر دیجئے اور ان کو کچھ مہلت دیجئے، پھر میں

خود ان سے نمٹ لوں گا۔ یہ لوگ میری گرفت اور عذاب سے نہ دنیا میں بچ سکیں گے اور نہ آخرت میں۔ بے شک ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں، دہکتی ہوئی آگ اور ایسا کھانا ہے جو حلق میں اٹک جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی دردناک عذاب ہیں جیسے نہایت زہریلے اور ہیبت ناک سانپ وغیرہ جن کے زہر سے پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اس عذاب کی ابتدا اُس دن سے ہوگی جب زمین کانپنے لگے گی اور پہاڑ زلزلے سے ڈھیلے ہو کر زمین پر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ریت کے ایسے تودے کی مانند ہو جائیں گے جس پر قدم نہ جم سکے۔

بچوں کو بوڑھا کر دینے والا دن

۱۵۔۱۹: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سختی سے پکڑ لیا۔ سو اگر تم کفر کرو گے تو اُس دن کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ جس دن آسمان پھٹ جائے گا، اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف (ہدایت کا) راستہ اختیار کر لے۔

وَبِيْلًا: سخت، بھاری۔ وَبْلٌ سے صفتِ مشبہ۔

شِيْبًا: بڑھاپا۔ واحد اَشْيَبُ۔

مُنْفَطِرٌ: پھٹ جانے والا۔ اِنْفِطَارٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: اے مشرکینِ مکہ! جس طرح ہم نے ایک مستقل شریعت اور کتاب دے کر حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تھا، اسی طرح ہم نے تم پر گواہی دینے والا ایک رسول تمہاری طرف بھیج دیا ہے۔ جس طرح فرعون نے ہمارے رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اسے سخت عذاب میں پکڑ لیا اور اس کو اپنے لاؤ لشکر، طاقت وقوت اور مال و دولت کے باوجود ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ دریا میں غرق کر دیا کہ تاریخ عالم اس سے زیادہ ذلت و بے بسی کی ہلاکت کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اگر تم نے بھی اس نبی آخر الزماں کی بات نہ مانی تو تم پر بھی اللہ کا عذاب آ جائے گا اور تمہیں تہس نہس کر دے گا کیونکہ یہ رسول تمام رسولوں کے سردار ہیں، اُن کی تکذیب کا وبال بھی سب سے زیادہ ہے۔ اگر تم کفر کرتے رہے تو اُس دن کے عذاب سے کیسے نجات پاؤ گے جس کی ہیبت اور خوف بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اُس دن کی شدت سے آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا خواہ تم اپنی شقاوت و بدبختی سے اس کو کتنا ہی بعید اور محال سمجھو۔ بلاشبہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے۔ جو بھی طالب ہدایت ہوگا وہ اس نصیحت پر عمل کر کے اس کو اپنے ربّ کی طرف پہنچنے کا ذریعہ بنا لے گا۔

قیام اللیل کے حکم میں تخفیف

۲۰: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ

بے شک آپ کا ربّ جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت (کبھی) دو تہائی رات (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز تہجد میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے اس لئے اُس نے تم پر مہربانی فرمائی۔ سو تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لیا کرو۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ کا اور آپ کے اصحابؓ کی ایک جماعت کا کبھی رات کے دو تہائی حصے میں قیام اللیل میں مشغول رہنا، کبھی آدھی رات اور کبھی سفر و مرض اور مصروفیت

کی وجہ سے تہائی رات میں تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ روایات میں ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے پاؤں راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے سوج جاتے تھے اور پھٹنے لگتے تھے۔

رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ وہی ایک خاص اندازے سے کبھی رات کو گھٹا دیتا ہے اور دن کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دن کو گھٹا دیتا ہے اور رات کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو نیند اور غفلت کے وقت روزانہ آدھی، تہائی اور دو تہائی رات کی پابندی کرنا آسان نہیں تھا جبکہ وقت کا اندازہ کرنے کے لئے گھڑیاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے بعض صحابہؓ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند میں ایک تہائی رات جاگنا بھی نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس حکم میں تخفیف فرما دی کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نہ نبھا سکو گے اس لئے اب تمہاری راحت و سہولت کے پیش نظر اجازت دی جاتی ہے کہ جس کو تہجد میں اُٹھنے کی توفیق ہو وہ اتنی نماز پڑھے جتنی آسانی سے پڑھ سکتا ہو۔ اس میں قرآن بھی جتنا دل چاہے پڑھ لے۔ اب وقت یا مقدار تلاوت کی کوئی قید نہیں۔

تخفیف کی حکمت

۲۰: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾

اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض بیمار ہوں گے اور بعض روزی کی تلاش میں ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے سو جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے اس میں سے پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرضِ حسن دو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے

بھیجو گے تو اللہ کے پاس (جا کر) اس کو بہتر اور اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا
پاؤ گے اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: اس تخفیف کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے کیونکہ کوئی بھی انسان ہمیشہ تندرست نہیں رہتا اور کچھ مسافر بھی ہوں گے جو روزی اور علم وغیرہ کی تلاش میں مختلف علاقوں کا سفر کریں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اس لئے ان عذروں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ تم آسانی سے جس قدر بھی قرآن پڑھ سکو، اسی قدر پڑھ لیا کرو۔ اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ فرض نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیتے رہو۔ یعنی اللہ کے راستے میں صدقہ و خیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور پورا پورا بدلہ دے گا اور خوب جان لو کہ تم جو بھی نیکیاں اپنے لئے آگے بھیجو گے یقیناً تم ان کو اللہ کے ہاں پاؤ گے کیونکہ وہ بہت ہی بہتر اور عظیم اجر و ثواب عطا کرنے والا ہے۔ انسان اپنی طبعی کمزوریوں سے بہت کچھ کوتاہیاں اور خطائیں کرتا ہے اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہنا چاہئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت (پابندی) کی جائے خواہ وہ عمل تھوڑا ہی ہو۔

سورۃ المدّثر

وجۂ تسمیہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مدثر'' یعنی کپڑا اوڑھنے والے کہہ کر مخاطب فرمایا ہے، اسی لئے اس کا نام سورۃ المدثر ہو گیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۶ آیتیں، ۲۵۵ کلمات اور ۱۰۱۰ حروف ہیں۔ ابنِ عباسؓ اور ابن الزبیرؓ نے کہا کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب علماء کا قول ہے۔ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ (مواہب الرحمٰن: ۱۹۹/۲۹)

اس سورت کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت کی ذمے داریاں پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر یہ واضح کیا گیا کہ مجرمین کو اُن کے کفر و نافرمانی کی سزا مل کر رہے گی اور مومنین کو انعاماتِ الٰہی سے سرفراز کیا جائے گا۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: لوگوں کو آخرت کے بارے میں خبردار کرنے کی تاکید اور کفرانِ نعمت کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: اہل جنت کے سوال کرنے پر اہل دوزخ کا جواب۔

انذار کا حکم

۱-۷: يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

اے کپڑے میں لپٹنے والے، اُٹھیے اور لوگوں کو ڈرائیے اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے اور احسان کر کے زیادتی کی خواہش نہ کیجئے اور اپنے ربّ کی راہ میں صبر کیجئے۔

مُدَّثِّرْ: چادر میں لپٹنے والا، لحاف میں لپٹنے والا، مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۔تـدثُّر سے اسم فاعل ۔

رُجْزَ: بت، نجاست ۔

شانِ نزول: شیخین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فترۃ الوحی کے بارے میں بیان فرما رہے تھے ۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''راستہ چلتے ہوئے میں نے اُوپر سے ایک آواز سنی، نظر اُٹھائی تو وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ مجھے اُس سے اتنا ڈر لگا کہ میں زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آ کر کہا کہ مجھے اوڑھاؤ'' ۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے **یایھا المدثر قم فانذر .... فاھجر** نازل فرمائی ۔(مظہری: ج ۱۰، ص ۱۲۳)

تشریح: یہ اُن سورتوں میں سے ہے جو نزولِ قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں۔ بعض نے اس کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کہا ہے ۔صحیح روایات کی رُو سے سب سے پہلے سورۂ اقراً کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں ۔پھر کچھ مدت تک نزولِ قرآن کا سلسلہ بند رہا جس کو زمانۂ فترتِ وحی کہتے ہیں ۔اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں ۔سورۂ مزمل کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کپڑا اوڑھنے والے کہہ کر مخاطب فرمایا اور اس کے بعد آپ کو چھ احکام دیئے ۔

۱۔**قُمْ فانذر:** منصبِ رسالت کی ذمے داریاں پوری کرنے کے لئے عزم و ہمت اور قوی ارادے کے ساتھ کمربستہ اور تیار ہو جایئے، خلقِ خدا کی اصلاح کا کام سنبھال لیجئے، لوگوں کو ہماری ذات سے، جہنم سے اور اُن کی بداعمالیوں سے ڈرایئے اور اُن کی غفلت دور کیجئے ۔

۲۔**وربک فکبر:** اپنے قول و عمل سے صرف اپنے رب کی عظمت و کبریائی بیان کرتے رہیے ۔تمام جہان کا پالنے والا صرف اللہ ہی ہے، اس لئے وہی ہر بڑائی کا مستحق ہے ۔اس کی بڑائی اور بزرگی بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے ۔

۳۔**وثیابک فطھر:** ثِیَابٌ ثَوْبٌ کی جمع ہے ۔اس کے حقیقی معنیٰ کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب اور لباس کہا جاتا ہے ۔قلب اور نفس کو بھی، خلق اور دین کو بھی اور انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔یہاں اس لفظ کے سبھی معنی مراد لئے جاسکتے ہیں ۔مطلب یہ ہے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھیے، قلب و

نفس کو باطل عقائد و خیالات اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک رکھیے۔ بہر حال آیت میں ظاہری و باطنی طہارت کی تاکید ہے۔

۴۔والرجز فاهجر: بتوں کو یا گناہ و معصیت کو چھوڑ یئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو اس کا حکم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہیے۔

۵۔ولاتمنن تستکثر: کسی شخص پر اس نیت سے احسان نہ کیجئے کہ جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس نیت سے تحفہ دینا کہ وہ بدلے میں اس سے زیادہ دے گا، مذموم و مکروہ ہے۔

۶۔ولربک فاصبر: صبر کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں۔ اس لئے صبر کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر قائم رکھئے اور صبر میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نفس کو روکے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع وفزع اور شکوہ و شکایت سے بچے۔ اس لحاظ سے یہ ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے۔

(معارف القرآن: ج ۸، ص ۶۱۰، ۶۱۲)

کافروں پر یومِ قیامت کا سخت ہونا

۸۔۱۰: فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ ایک سخت دن ہوگا (جو) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔

نُقِرَ: وہ پھونکا جائے گا۔ نَقْرٌ سے ماضی مجہول۔

عَسِیْرٌ: سخت، مشکل، بھاری۔ عُسْرٌ سے صفتِ مشبہ۔

تشریح: پھر جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی تو وہ دن کافروں کے لئے بہت ہی سخت اور دشوار ہوگا اور کسی طرح آسان نہ ہوگا بلکہ اس کی دشواری بڑھتی ہی جائے گی۔ اس کے

برخلاف اُس دن اگر مومنوں پر سختی ہوگی بھی تو کچھ مدت کے بعد پھر آسانی کردی جائے گی ۔ اس لئے آپ صبر و استقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیے اور منکرین و مخالفین کی عداوتوں اور سازشوں کو خاطر میں نہ لایئے ۔

احمد اور ترمذی نے بہ سندِ قوی حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کس طرح آرام پاؤں ، صور والا تو صور منہ میں لئے پیشانی جھکائے کانوں کو حکمِ خدا کی طرف متوجہ کئے موجود ہے کہ کب اُس کو (صور پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے" ۔ یہ بات صحابہؓ پر شاق گزری ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھو ۔

(مظہری : ج ۱۰ ، ص ۱۳۶)

ولید کا غرور و تکبر

۱۱۔۲۵ : ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾

آپ (ﷺ) مجھے اور اُسے چھوڑ دیجئے ، جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور میں نے اُسے کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیئے اور اُس کو سب طرح کا سامان مہیا کردیا ۔ پھر بھی وہ اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں ۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے ۔ عن قریب میں اُس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھادوں گا ۔ اُس نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی ۔ وہ غارت ہو ، اُس نے کیسی (بات) تجویز کی ۔ پھر غارت ہو اُس نے کیسی تجویز کی ۔ پھر اُس نے دیکھا ، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا ، پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا ۔ پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو نقل ہوتا آ رہا ہے ۔ یہ تو بس آدمی کا کلام ہے ۔

وَحِیْدًا: تنہا، اکیلا، جس کا نسب کسی باپ سے نہ ملتا ہو۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۱۲۷)۔ وَحْدٌ و وَحْدَۃٌ سے صفتِ مشبہ۔

مَمْدُوْدًا: پھیلا ہوا، کثرت سے دیا ہوا۔ مَدٌّ سے اسمِ مفعول۔

شُھُوْدًا: گواہ، حاضرین، بیٹھنے والے۔ واحد شَاھِدٌ۔

مَھَّدْتُّ: میں نے مہیا کیا، میں نے بچھایا۔ تَمْھِیْدٌ سے ماضی۔

عَنِیْدًا: عناد رکھنے والا، مخالف۔ عُنُوْدٌ سے صفتِ مشبہ۔

اُرْھِقُہٗ: میں اس کو چڑھاؤں گا، میں اس کو سخت مشقت میں مبتلا کروں گا۔

عَبَسَ: اُس نے تیوری چڑھائی، اُس نے منہ بنایا، وہ ترش رو ہوا۔ عَبْسٌ و عُبُوْسٌ سے ماضی۔

بَسَرَ: اُس نے منہ بسورا، اُس نے منہ بنایا۔ بُسُوْرٌ سے ماضی۔

یُؤْثَرُ: وہ ترجیح دیتا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے۔ اِیْثَارٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اُس (ولید بن مغیرہ) کی پرواہ نہ کیجئے جس کو میں نے تنہا کسی شریک کے بغیر پیدا کیا، میں آپ ﷺ کی طرف سے اُس کے لئے کافی ہوں۔ پیدائش کے وقت اُس کے ساتھ کوئی چیز بھی نہ تھی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ اور تنہا دنیا میں آیا تھا۔ ہر انسان ماں کے پیٹ سے اسی طرح پیدا ہوتا ہے، نہ مال و اولاد ساتھ لے کر آتا ہے اور نہ لشکر و سامان۔ اُس شخص کو بھی یہ مال و اولاد، کنیز و غلام، نوکر چاکر اور ہر طرح کا آرام و آسائش وغیرہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا سے دنیا ہی میں ملا ہے۔ اس لئے اس کو اس پر غرور و تکبر زیب نہیں دیتا۔

اتنا کچھ ہونے کے باوجود اس کی ہوس اور خواہش نفس پوری نہیں ہوتی اور چاہتا ہے کہ اس میں مزید اضافہ ہو اور جو کچھ اس کو دنیا میں ملا ہوا ہے وہ سب آخرت میں بھی مل جائے لیکن اب ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ آخرت تو کیا وہ تو دنیا میں بھی دیکھ لے گا کہ کیسا ذلیل و خوار ہوتا ہے کیونکہ یہ ہماری آیتوں کو جاننے کے باوجود جھٹلاتا اور اُن کو جادو کہتا ہے اور یہ بہت ہی بغض و عناد رکھنے والا ہے۔ میں بہت جلد اس کو ایسے سخت عذاب سے ڈھانک دوں گا جو ہر عذاب سے بڑھ کر ہوگا کیونکہ یہ قرآن کے بارے میں خوب سوچ سوچ کر گھڑنت گھڑتا ہے اور بار بار غور و فکر کر کے پیشانی پر بل ڈال کر اور منہ بنا بنا کر حق و صداقت سے منہ موڑ کر صاف صاف کہتا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ انسانی قول اور جادو ہے جو پہلے لوگوں کے منتروں سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو

قریش کا سردار تھا۔

ولید کا انجام

۲۶۔۳۰: سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝
لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝

میں عن قریب اُسے دوزخ میں ڈالوں گا اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا ہے، نہ باقی رکھتی اور نہ چھوڑتی ہے۔ وہ آدمی کو جھلسا دیتی ہے۔ اس پر ۱۹ (فرشتے) مقرر ہیں۔

سَقَرَ: آگ، دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔

لَوَّاحَةٌ: جھلس دینے والی، رنگ بدل دینے والی۔ لَوْحٌ سے مبالغہ۔

تشریح: میں عن قریب اُس ملعون کو دوزخ میں ڈالوں گا جس کی آگ ایسی زبردست اور خوف ناک ہے کہ ایک ہی لپٹ میں وہ گوشت پوست، رگوں اور پٹھوں کو کھا جاتی ہے۔ یہ سب پھر نئے سرے سے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا، نہ موت آئے گی اور نہ راحت والی زندگی ملے گی۔ دوزخ پر ۱۹ فرشتے مقرر ہیں جو نہ تھکتے ہیں اور نہ کسی پر رحم کرتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **سارھقہ صعودا** کی تشریح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں آگ کا ایک پہاڑ ہے۔ ولید کو اُس پر چڑھنے کا حکم ہوگا۔ جب وہ اپنا ہاتھ اُس پر رکھے گا تو ہاتھ پگھل جائے گا اور جب ہاتھ اُٹھائے گا تو وہ دوبارہ اصلی حالت پر ہو جائے گا اور جب اُس پہاڑ پر قدم رکھے گا تو قدم پگھل جائے گا۔ پھر جب قدم کو اُٹھائے گا تو قدم اصلی حالت پر ہو جائے گا۔ حضرت ابو سعیدؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کے اندر ایک پہاڑ ہوگا۔ ولید ستر سال تک اُس پر چڑھے گا پھر لڑھک کر نیچے گر جائے گا اور ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے گا۔ (ابن کثیر: ۴/۴۴۴،۴۴۳)

کفار کے استہزا کا جواب

۳۱: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ
وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ
بِهٰذَا مَثَلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَا
يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے اُن کی تعداد کافروں کے لئے آزمائش بنائی ہے تاکہ اہلِ کتاب یقین کرلیں اور مومنوں کا ایمان بڑھے اور تاکہ اہلِ کتاب اور مومن شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا غرض ہے۔ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور آپ کے ربّ کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو لوگوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

یَرْتَابَ: وہ شک کرتا ہے، وہ شبہ کرتا ہے۔ اِرْتِیَابٌ سے مضارع۔

جُنُوْدَ: لشکر، فوجیں۔ واحد جُنْدٌ۔

تشریح: دوزخ کے نگراں فرشتوں کی تعداد ۱۹ سن کر مشرکینِ مکہ تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ ہم تو ہزاروں ہیں۔ اُنیس ہمارا کیا کرلیں گے۔ ان کو ہرانے کے لئے تو ہمارے زیادہ سے زیادہ ۱۹۰ آدمی کافی ہوں گے۔ ان میں سے ایک جو بڑا مغرور تھا کہنے لگا میں تو اکیلا سترہ کو کافی ہوں گا، جو دو بچیں گے اُن کا تم مل کر تیا پانچہ کرلینا۔ مشرکین کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو ہم نے دوزخ کی نگرانی پر مقرر کیا ہے وہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ نہ تم انہیں ہرا سکو گے اور نہ تھکا سکو گے۔ وہ کسی پر رحم نہیں کھاتے بلکہ پوری پوری سزا دیتے ہیں۔ اُن کی قوت کا یہ حال ہے کہ صرف ایک فرشتے نے قومِ لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اُٹھا کر پٹخ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کا ذکر تو تھا ہی امتحان کے لئے، اس سے ایک طرف تو کافروں کا کفر کھل گیا، دوسری طرف اہل کتاب کا یقین پختہ ہوگیا کہ اس رسول کی رسالت

حق ہے کیونکہ اُن کی کتاب میں بھی تعداد لکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے اہل ایمان کا ایمان بھی مزید پختہ ہوا اور اہل کتاب اور مومنوں کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہا۔ البتہ جن لوگوں کے دلوں میں کفر ونفاق کی بیماری ہے وہ چیخ اُٹھے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگ شک و شبہے میں پڑ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت سے پُر ہیں۔ اس کے لشکروں کی صحیح تعداد اور اُن کی کثرت کا کسی کو علم نہیں۔ وہی خوب جانتا ہے۔ یہ جہنم جس کا حال تم گزشتہ آیات میں سن چکے ہو، لوگوں کے لئے سراسر باعثِ عبرت ونصیحت ہے۔

اہلِ دوزخ سے سوال

۳۲-۴۲: كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾

نہیں نہیں۔ قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی، جب وہ روشن ہو جائے کہ یقیناً وہ (دوزخ) بڑی بھاری چیز ہے، لوگوں کو ڈرانے والی ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہے، ہر شخص اپنے اعمال کے وبال میں مبتلا ہے، سوائے داہنی طرف والوں کے، کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے اور گناہ گاروں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں پہنچایا۔

اَسْفَرَ: وہ روشن ہوا۔ اِسْفَارٌ سے ماضی۔

رَهِينَةٌ: گروی رکھی ہوئی، پھنسا ہوا، محبوس۔ رَهْنٌ سے صفتِ مشبہ بہ معنی مفعول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے چاند کی، رات کے جانے کی اور صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرمایا کہ بے شک وہ جہنم جس پر ۱۹ فرشتوں کے پہرے اور انتظام کا ذکر کیا گیا ہے وہ زبردست اور بڑی بڑی

بلاؤں میں سے ایک بلا ہے جو بنی آدم کو ڈرانے اور خبردار کرنے والی ہے۔ سو تم میں سے جو چاہے آگے بڑھ کر سعادت و فلاح اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کر کے جنت اور اُس کی نعمتیں حاصل کر لے اور جو چاہے شقاوت و بدی کا راستہ اختیار کر کے جہنم حاصل کر لے۔ پس جو جیسا کرے گا وہ ویسا ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو بھلائی کا راستہ اختیار کر لے اور چاہے برائی کا راستہ اختیار کر لے۔

ایمان و کفر اور نیکی و بدی کے نتائج قیامت کے روز ہی سامنے آئیں گے۔ اُس دن ہر شخص اپنے اعمال میں بندھا ہوا ہوگا لہٰذا قیامت کے روز کوئی بھی اپنے کفر و شرک، بداعمالیوں اور گناہوں کی سزا سے نہیں بچ سکے گا مگر دائیں طرف والے اس سے مستثنیٰ ہوں گے، یعنی جن لوگوں کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ جنت کے بالا خانوں میں نہایت آرام و سکون سے بیٹھے ہوئے اہلِ جہنم کو بدترین عذابوں میں مبتلا دیکھ کر اُن سے پوچھیں گے کہ تم تو بڑے عقل مند تھے۔ اپنی عقل و دانائی کے باوجود تم اس ہلاکت و تباہی کے مقام پر کیسے پہنچ گئے۔

اہلِ دوزخ کا جواب

۴۳۔۵۱: قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا
وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤى اَتٰىنَا
الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ
مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾

وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ بحث کرتے تھے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔ پھر کسی سفارش کرنے والے کی سفارش اُن کے کام نہ آئے گی۔ پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے (ڈر کر) بھاگ رہے ہیں۔

نَخُوْضُ: ہم بحث کرتے ہیں، ہم باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

حُمُرٌ: گدھے۔ واحد حِمَارٌ۔

مُسْتَنْفِرَةٌ: بدکنے والی، وحشی۔ اِسْتِنْفَارٌ سے اسمِ فاعل۔

قَسْوَرَةٍ: شوروغل، شیر، شکاری لوگ۔ جمع قَسَاوِرَةٌ۔

تشریح: اہلِ دوزخ اپنے جرموں کا اقرار کرتے ہوئے جنت والوں کو جواب دیں گے کہ نہ ہم نے اپنے رب کی عبادت کی اور نہ مخلوقِ خدا کے ساتھ احسان کیا، یہاں تک کہ ہم نے کبھی ایک مسکین کو بھی کھانا نہیں دیا بلکہ ہم تو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن وتشنیع کرنے والوں کے ساتھ مل کر اُس کے دین کا تمسخر اُڑاتے رہتے اور قیامت کو جھٹلاتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم پر قیامت آ گئی اور جن باتوں میں ہم شک وشبہ کرتے تھے، اُن پر یقین حاصل ہوگیا۔ کاش ہم اپنی غلط روش کو ترک کر کے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر توبہ کر لیتے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیتے مگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی، اس لئے یہ دن دیکھنا پڑا۔

یہ لوگ کبھی جہنم سے چھٹکارا نہیں پائیں گے، نہ ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی نفع دے گی۔ قریشِ مکہ میں سے جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لا رہے، آخر اُن کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ہر نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس طرح بھاگ رہے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے بھاگتے ہیں۔

مغفرت کا ذریعہ

۵۲-۵۶: بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ۖ بَلْ لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۝ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝

بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اُس کو کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ ہر گز نہیں بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔ نہیں نہیں۔ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور اللہ کے چاہے بغیر یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے۔ اسی سے ڈرنا چاہئے اور وہی بخشنے والا ہے۔

تشریح: یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ کتابیں اُتریں، جن میں ان

کے لئے یہ تحریر ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو نصیحت کرتے ہیں، اُس کو سنو۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ

اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ ہم پر ایسی کتاب نازل کرا دیں جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں۔ (الاسراء: ۹۳)

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ

وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی رسولوں کو دی گئی۔ (الانعام: ۱۲۴)

خبردار! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اُن کی یہ بے ہودہ خواہش اس لئے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو وہ واقعی ایمان لے آئیں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہی نہیں اور نہ ان کو آخرت کے حساب کتاب اور جزا و سزا کا یقین ہے۔ یہ قرآن تو سراسر پیغامِ نصیحت ہے جو ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب کو پہنچا دیا۔ اب جس کا دل چاہے اس کو قبول کرلے اور جس کا دل چاہے چھوڑ دے۔ اس کو وہی قبول کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے گا اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا فرما دے گا اور جو اس سے منہ موڑے گا تو اللہ اُس کے دل میں کفر پیدا کر دے گا۔ اُسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اپنے لطف و کرم اور مہربانی سے اپنے بندوں کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔ (عثمانی: ج ۲، ۷۵۴، ۷۵۵)

احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ھو اھل التقویٰ کے بارے میں فرمایا ''تمہارے ربّ نے فرمایا کہ میں اسی قابل ہوں کہ میرا شریک قرار دینے سے اجتناب کیا جائے اور کسی کو میرا ساجھی نہ بنایا جائے اور میں اس بات کا اہل ہوں کہ جو تقویٰ رکھے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائے تو میں اُس کی بخشش کر دوں''۔ (مظہری: ۱۰/۱۳۵)

سورۃ القیامہ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے اور اس کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی قسم کھائی ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ القیٰمہ ہوگیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۴۰ آیتیں، ۱۵۷ کلمات اور ۶۵۲ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ سے روایت ہے کہ اس کا نزول مکے میں ہوا۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ بالاجماع سب علما کے نزدیک مکیہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۹/۲۳۰)

اس میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے جو اُس دن لوگوں پر گزریں گے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ کی قدرتِ کاملہ اور آخرت سے غفلت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: انسان کی حقیقت وانجام مذکور ہے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ

۱۔۵: لَآ اُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾ اَيَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيۡنَ عَلٰٓى اَنۡ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلۡ يُرِيۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِيَفۡجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾

قسم ہے قیامت کے دن کی! اور قسم ہے اُس نفس کی! جو (برائی پر) ملامت کرے۔ کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔ کیوں نہیں۔ ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اُس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کردیں بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آئندہ بھی نافرمانیاں کرتا رہے۔

لَوَّامَۃ: بہت ملامت کرنے والا ۔ لَوْمٌ سے مبالغہ۔

عِظَامَہٗ: اُس کی ہڈیاں ۔ واحد عَظْمٌ۔

نُسَوِّیَ: ہم برابر کرتے ہیں، ہم ٹھیک ٹھاک کرتے ہیں ۔ تَسْوِیَۃ سے مضارع ۔

بَنَانَہٗ: اُس کی پوریں، اُس کی انگلیوں کے سرے ۔ واحد بَنَانَۃٌ۔

یَفْجُرَ: وہ نافرمانی کرتا ہے، وہ کھلے عام گناہ کرتا ہے ۔ فُجُوْرٌ سے مضارع ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے منکرین کے اس قول کی تردید میں کہ قیامت قائم نہیں ہوگی، قیامت اور نفسِ لوامہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی مانے یا نہ مانے قیامت ضرور قائم ہوگی اور مرنے کے بعد تمہیں زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا، تمہارے اچھے برے اعمال کا حساب ہوگا، اور تمہیں اسی کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی ۔ نفسِ لوامہ سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز ہر شخص خواہ وہ نیک ہو یا بد اپنے آپ کو ملامت کرے گا ۔ اگر اُس نے اچھے کام کئے ہوں گے تو نفس سے کہے گا کہ تو نے اس سے زیادہ نیک کام کیوں نہیں کئے اور اگر برے کام کئے ہوں گے تو کہے گا کہ تو نے یہ برے کام کیوں کئے ۔

اگر انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ قیامت کے دن ہم اُس کی ہڈیوں کو جو ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو چکی ہیں، جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے تو یہ اُس کی محض خام خیالی ہے ۔ ہم تو اس پر بھی پوری طرح قادر ہیں کہ اُس کی ہڈیوں اور جسم کے منتشر اجزا کو متفرق مقامات سے جمع کر کے اُس کو دوبارہ کھڑا کر دیں اور اُس کی انگلیوں کی پوریں بھی ٹھیک ٹھیک بنا دیں ۔ جب ہم اُنگلیوں کی پوروں جیسی نازک اور باریک ہڈیوں کو جوڑ کر درست کر سکتے ہیں تو پھر تمام اجزا اور ہڈیوں کا جوڑنا کیا مشکل ہے ۔

جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کو محال جانتے ہیں تو اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ کوئی بہت مشکل بات ہے یا اس سلسلے میں اللہ کی قدرت کے دلائل و نشانات صاف اور واضح نہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اُس کی جو عمر باقی رہ گئی وہ اس میں بے فکری سے فسق و فجور کرتا رہے ۔ اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب و کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو پھر فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اور ڈھٹائی نہ ہو سکے گی ۔ اس لئے وہ دل میں ایسا خیال ہی نہیں آنے دیتا جس سے اُس کے عیش و لذت میں خلل پڑے ۔

قیامت کے دن جائے پناہ نہ ملنا

۶۔۱۵: يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۞ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۞ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۞
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۞ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۞ كَلَّا لَا وَزَرَ ۞
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِلْمُسْتَقَرُّ ۞ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ
وَ اَخَّرَ ۞ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۞ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۞

وہ پوچھتا ہے قیامت کا دن کب آئے گا؟ پھر جب آنکھیں پتھرا جائیں اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں، اُس دن انسان کہے گا کہ کہاں ہے بھاگ کر جانے کی جگہ۔ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ اُس روز صرف آپ (ﷺ) کے رب کے پاس ٹھکانا ہوگا۔ اُس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا (پیچھے) چھوڑ آیا بلکہ انسان اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا اگرچہ اپنے حیلے پیش کرے گا۔

اَيَّانَ: کب، حرفِ استفہام زمان۔

بَرِقَ: وہ خیرہ ہوگئی، وہ چندھیا گئی، وہ پتھرا گئی۔ بَرَقٌ سے ماضی۔

خَسَفَ: وہ بے نور ہوا، وہ گہن میں آیا۔ خُسُوْفٌ سے ماضی۔

وَزَرَ: پناہ کی جگہ، پناہ گاہ۔

مَعَاذِيْرَهٗ: اُس کے عذر، اُس کے بہانے۔ واحد مَعْذِرَةٌ۔

تشریح: پھر انسان بطورِ تمسخر اور استہزا سوال کرتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کوئی کھیل تماشا نہیں بلکہ وہ تو ایسی ہول ناک ہوگی کہ اُس وقت آنکھیں حیرت سے پتھرا جائیں گی اور گہن لگنے کی طرح چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور چاند و سورج کو بے نور کر کے لپیٹ دیا جائے گا یعنی آسمان و زمین کا تمام نظام جو شمس و قمر کی گردش پر قائم ہے درہم برہم کر دیا جائے گا۔ وہ ایسا ہیبت ناک دن ہوگا کہ آدمی بدحواس ہو کر ادھر اُدھر بھاگے گا اور کہے گا کہ پناہ کی جگہ کہاں ہے جہاں میں اس بدحواسی اور ہول سے نکل کر جا سکوں۔ اُس وقت اُس کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے جواب ملے گا کہ آج کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ آج نہ کوئی تجھے بچا سکتا ہے اور نہ پناہ دے سکتا ہے۔ آج سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اُس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝

اُس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔ (الشوریٰ: ۴۷)

آج ہر شخص کو اُس کے اگلے پچھلے، اچھے برے اور چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کر دیا جائے گا بلکہ اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ تو اپنے آپ کو خوب جانتا ہے اور اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے۔ اُس وقت وہ عذر، حیلے اور بہانے کرے گا لیکن سب بے سود۔ (عثمانی: ۷/۷۵۸)

آپ (ﷺ) کے سینے میں قرآن محفوظ کرنا

۱۶۔۱۹: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝

آپ (ﷺ) اس (قرآن) کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں کیونکہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ پھر جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ بھی اس کو اسی طرح پڑھیں۔ پھر اس کو کھول کر بیان کرا دینا (بھی) ہمارے ذمے ہے۔

شانِ نزول: صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ وحی کو یاد رکھنے کے لئے اپنی زبان اور لبوں کو حرکت دیتے تھے (یعنی جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ دہراتے تھے) اور یہ عمل آپ ﷺ پر سخت گزرتا تھا جس کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (مظہری: ۱۰/۱۳۹)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو اُس کو یاد کرنے کے لئے آپ ﷺ کو جلدی کرنے اور محنت و مشقت اُٹھانے کی ضرورت نہیں، اس وقت آپ ﷺ تو

بس سنتے رہیں۔ پھر جب جبرائیل علیہ السلام پڑھ چکیں تو اُن کی تلاوت کردہ آیات کو آپ بھی پڑھیں تاکہ وہ آپ کو ذہن نشین ہو جائیں۔ بلاشبہ اس قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں جمع کرنا پھر آپ کی زبان پر اس کا ورد کر دینا اور اس کی تفسیر و بیان اور اس کے معنی و مطالب واضح کرانا سب ہمارے ذمے ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ

اور اے نبی! جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس مفید اور عجیب قرآن کو آپ پر بہ تدریج نازل کرتے ہیں۔ آپ بھی اس کو جبرائیل علیہ السلام سے لینے میں جلدی نہ کیا کریں۔ جب فرشتہ آپ ﷺ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے اس کو دہرانے میں جلدی نہ کیا کریں۔ قرآنِ کریم کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ رکھنے کا ذمہ ہم لے چکے ہیں، اس لئے اس کو یاد رکھنے کی فکر میں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

حصولِ دنیا میں انہماک

۲۰۔۲۵: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝

ہرگز نہیں بلکہ تم تو دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ اُس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے اُس دن اُداس ہوں گے اور خیال کر رہے ہوں گے کہ اُن پر کمر توڑ دینے والی مصیبت آئے گی۔

نَاضِرَةٌ: بارونق، تر و تازہ۔ نَضْرٌ و نَضْرَةٌ سے اسمِ فاعل۔

نَاظِرَةٌ: دیکھنے والی، انتظار کرنے والی۔ نَظْرٌ سے اسمِ فاعل۔

بَاسِرَةٌ: پریشان، اُداس، بے رونق ۔ بَسْرٌ و بُسُوْرٌ سے اسمِ فاعل ۔

فَاقِرَةٌ: کمر توڑ دینے والی ہر مصیبت ۔ فَقْرٌ سے اسمِ فاعل ۔

تشریح: انسان اس بات سے خوب واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ حشر و نشر اور تخلیق پر قادر ہے اور قیامت کے دن کوئی عذر و معذرت اس کو نفع نہ دے گی ۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ دنیا کی محبت میں خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ۔ ہوا و ہوس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور دلوں کو نابینا کر رکھا ہے اسی لئے وہ آخرت سے غافل اور بے پرواہ ہیں، حالانکہ قیامت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے ۔ اُس دن بہت سے لوگ تو ایسے ہوں گے جن کے چہرے تر و تازہ، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے اور ان کی آنکھیں اپنے ربّ کے دیدار سے مشرف ہوں گے ۔ اُس دن بہت سے چہرے اُداس اور بے رونق ہوں گے ۔ انہیں یقین ہوگا کہ اُن پر اب کوئی سخت مصیبت اور اللہ کی پکڑ آنے والی ہے اور اُنہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا ۔

احمد، ترمذی اور دار قطنی وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغوں کو، بیویوں کو، سامان و آسائش کو، خدمت گاروں کو اور مسہریوں کو ایک ہزار سال کی راہ کے بقدر دیکھا کرے گا اور اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ جنتی ہوگا جو صبح و شام اللہ کا دیدار کرے گا ۔ پھر آپ ﷺ نے آیت **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ** تلاوت فرمائی ۔

صحیحین میں حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آپ کی خدمتِ گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا ''بلاشبہ تم اپنے ربّ کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی ۔ جہاں تک ہو سکے طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کی پابندی کرو ۔

مرتے وقت جدائی کا احساس ہونا

۲۶۔۳۰: كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ۣ الْمَسَاقُ ۝

ہر گز نہیں۔ جب جان گلے تک پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اور وہ (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ اب جدائی کا وقت آ گیا ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جاتی ہے۔ اُس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربّ کی طرف ہی جانا ہوتا ہے۔

اَلتَّرَاقِیَ: گلے کی ہڈی، ہنسلی۔ واحد تَرْقُوَۃٌ۔

رَاقٍ: جھاڑ پھونک کرنے والا، منتر پڑھنے والا۔ رُقْیٌ سے اسمِ فاعل۔

اِلْتَفَّتِ: وہ لپٹ گئی۔ اِلْتِفَافٌ سے ماضی۔

اَلسَّاقُ: پنڈلی، ٹانگ کا وہ حصہ جو ٹخنے اور گھٹنے کے درمیان ہے۔ جمع سُوْقٌ۔

اَلْمَسَاقُ: چلنا، ہنکانا۔ سَوْق سے مصدر میمی۔

تشریح: جب انسان کی روح سمٹ کر گلے تک پہنچنے لگے اور سانس حلق میں رُکنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کا آخرت کا سفر شروع ہو گیا ہے۔ ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی۔ لوگ ظاہری علاج اور تدبیروں سے مایوس ہو جاتے ہیں اور جھاڑ پھونک والوں کو تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اُس وقت مرنے والے کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب عزیز و اقارب اور محبوب چیزوں سے جدا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

بعض اوقات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن یعنی ٹانگوں سے روح کا تعلق ختم ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اس لئے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ بعض سلف نے یہاں پنڈلی کو سخت مصیبت کے معنی میں لیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ مل گئی کیونکہ مرنے والے کو اُس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ ایک سختی تو اہل و عیال، عزیز و اقارب، دوست احباب اور مال و اسباب وغیرہ چھوڑنے کا رنج و غم ہے اور دوسری سختی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے جس کی کیفیت کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔ پس اب بندے کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔

انسان کی کم بختی

۳۱۔۳۵: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝

نہ تو اُس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی لیکن تکذیب کی اور منہ موڑا پھر اتراتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف روانہ ہوا۔ تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔ پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔

یَتَمَطّٰی: وہ اترا کر چلتا ہے، وہ غرور سے اکڑتا ہے۔ تَمَطِّیٌ سے مضارع۔

اَوْلٰی: زیادہ قریب، بہت لائق، زیادہ مستحق، تباہی ہو، کم بختی ہو۔ وَلْیٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: افسوس کہ انسان سمجھتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں نہیں جوڑیں گے اور قیامت کے روز اُس کو زندہ کر کے نہیں اُٹھائیں گے، اسی لئے اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی بات پر یقین نہیں کیا اور نہ اپنے رب کی اطاعت و بندگی کرتے ہوئے نماز پڑھی۔ اس کے برعکس اُس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور غرور و تکبر کرتے ہوئے ان سے منہ موڑا۔ پھر وہ اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا گویا کہ وہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے کر آ رہا ہے۔ اے بدنصیب انسان! اب تیری کم بختی آئی۔ ایک مرتبہ نہیں چار مرتبہ۔ دنیا میں بھی تیری بربادی ہو اور مرنے کے وقت بھی تیری ہلاکت ہو۔ جب قبر سے اُٹھایا جائے اُس وقت بھی تیری تباہی ہو اور جہنم میں داخل ہوتے وقت بھی تو تباہ و برباد ہو۔ پہلا اور دوسرا اَوْلٰی دنیوی تباہی کے لئے ہے یعنی دنیوی زندگی میں اور مرتے وقت تیری تباہی ہوگی۔ تیسرا اور چوتھا اَوْلٰی آخرت کی تباہی کے لئے ہے یعنی حشر کے وقت اور جہنم میں داخلے کے وقت تیری تباہی ہوگی۔ (عثمانی: ۷۵۹، ۷۶۰/۲، مظہری: ج ۱۰، ص ۱۴۵، ۱۴۶)

انسان کی حقیقت و انجام

۳۶۔۴۰: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا، پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اُس کو پیدا کیا اور اعضا درست کئے۔ پھر اُس سے مرد و عورت کا جوڑا بنایا۔ کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کردے۔

سُدیً: بے کار، بے قید، مہمل۔ واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

عَلَقَۃٌ: جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی، خون کا لوتھڑا۔

تشریح: کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔ نہ اُس کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے گا، نہ کسی فعل سے منع کیا جائے گا، نہ مرنے کے بعد اُس کو زندہ کیا جائے گا اور نہ اُس سے نیک و بد کا حساب لے کر اُس کو جزا یا سزا دی جائے گی حالانکہ اُس کی پیدائش کی تو غرض ہی یہ ہے کہ وہ اوامر و نہی کی پابندی کرے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (الذریٰت: ۵۶)

اور ہم نے جن اور انسان اپنی عبادت کے لئے پیدا کئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ انسان حشر کا کیسے انکار کرتا ہے اور وہ دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے کو کس طرح ناممکن قرار دیتا ہے۔ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو چالیس روز کے بعد خون کا لوتھڑا ہوا، پھر اتنے ہی دنوں بعد بوٹی بنا، پھر ہڈیاں بنیں اور پھر ان کو گوشت پہنایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہری اعضا اور باطنی قوتیں ٹھیک کر کے اُس میں روح پھونک کر اس کو انسانِ عاقل بنا دیا۔ پھر اسی نطفے سے دو قسمیں مرد اور عورت پیدا کئے اور ان میں سے ہر ایک کی ظاہری و باطنی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہلی مرتبہ سب کو ایسی حکمت و قدرت سے بنایا، اس پر قادر نہیں کہ مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کردے۔ بے شک وہ قادر ہے۔ (عثمانی: ۲/۷۶۱، مظہری: ۱۰/۱۴۶)

احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص سورۂ والتین آخر تک پڑھے یعنی الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو وہ بلی وانا علی ذالک من الشٰھدین (ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں) کہے اور جو شخص سورۂ قیامت الیس ذالک بقدر علیٰ ان یحیی الموتیٰ تک پڑھے تو وہ بلیٰ کہے اور جو سورۃ والمرسلٰت فبای حدیث بعدہ یؤمنون تک پڑھے وہ امنا باللّٰہ کہے"۔ (روح المعانی: ۲۹/۱۵۰)

سورۃ الدہر

وجہ تسمیہ: حدیث میں اس کا نام سورۃ الدہر اور سورۃ الانسان آیا ہے کیونکہ اس میں دہر اور انسانی تخلیق کا ذکر ہے۔ اس کو سورۃ ھل اتی اور سورۃ الامشاج بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۲۹/۱۵۰)

تعارف: اس میں دو رکوع، ۳۱ آیتیں، ۲۴۰ کلمات اور ۱۰۵۴ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے روز فجر کی نماز میں الم السجدہ اور سورۂ دہر پڑھتے تھے یعنی پہلی رکعت میں الم السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھتے تھے۔ یہ اکثر اوقات کے لحاظ سے ہے۔ کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھتے تھے۔

اس میں آخرت کے احوال کا خصوصیت سے ذکر ہے اور پرہیز گاروں کو جن انعامات سے نوازا جائے گا ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: انسان کی تخلیق، ابرار کے اوصاف اور جنت کی نعمتوں کا بیان ہے۔

رکوع ۲: ذکرِ الٰہی کی تاکید مذکور ہے۔

انسان کی تخلیق

۱۔۳ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا
مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ
بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

بیشک انسان پر ایسا زمانہ آچکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بیشک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ ہم اس کو آزمائیں سو ہم نے اس کو سننے والا

اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

اَمْشَاج: ملے ہوئے مخلوط۔ واحد مَشَجٌ

تشریح: بیشک انسان پر ایک زمانۂ دراز گزر چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ کوئی اسے جانتا اور پہچانتا نہ تھا بلکہ وہ فراموش کردہ اور متروک الذکر تھا۔ ہم نے اسے مرد و عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے اسے مختلف قسم کی غذاؤں اور ان کے جوہر اور خلاصے سے پیدا کیا اور عجیب عجیب طرح کے الٹ پھیر کرنے کے بعد ہم اسے موجودہ شکل و صورت میں لے آئے۔ اب وہ کانوں سے سنتا ہے اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا، گویا دوسرے سب حیوانات اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں۔

بیشک ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیج کر کتابیں نازل کر کے اور معجزات و دلائل کے ذریعے انسان کے لئے اللہ کی خوشنودی، حق و ہدایت کا خوب واضح، صاف اور سیدھا راستہ کھول دیا ہے۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ چاہے تو ہماری ہدایت کا شکر کرے اور اس کو قبول کرے اور چاہے اس نعمت کو ٹھکرا کر ناشکری کرے۔ اب اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد: ۱۰)

ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔

مسند احمد میں حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے۔ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر عمل کریں گے اور نہ میرے طریقے پر چلیں گے۔ پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آ سکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اے کعب! روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے۔ اے کعب! وہ گوشت پوست جنت میں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو؟ وہ تو جہنم ہی میں جانے کے قابل ہے۔ اے کعب لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۵۵۳)

ابرار پر اللہ کا خاص انعام

۴۔۶ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ
يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ
يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝

بے شک ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے البتہ نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی جو ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ (جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے۔

اَغْلَالًا: طوق، ہتھکڑیاں۔ واحد غُلٌّ

كَاْسٍ: ایسا جام جو لبالب بھرا ہوا ہو۔ جمع كُئُوْسٌ

يُفَجِّرُوْنَ: وہ بہا کر لے جائیں گے۔ وہ نکال کر لے جائیں گے۔ تَفْجِيْرٌ سے مضارع۔

تشریح: مخلوق میں سے جو بھی اللہ کے احکام کا انکار کرتا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتا ہے اور اپنے کفر و معصیت پر قائم رہتا ہے تو ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے زنجیریں، طوق اور شعلوں والی دہکتی ہوئی تیز آگ تیار کر رکھی ہے۔ وہ اسی لائق ہیں کہ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے، ہمیشہ دہکتی ہوئی آگ میں جلتے رہیں۔ ان کے برعکس نیک اور فرماں بردار لوگوں کو ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں کافور نامی چشمے کا پانی ملا ہوا ہوگا۔ اس کا ذائقہ بھی اعلیٰ ہوگا اور خوشبو بھی بہت عمدہ۔ یہ ایک خاص چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص برگزیدہ بندے پئیں گے۔ ان کو اس چشمے تک آنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہ اپنے باغوں اور مکانوں میں بیٹھے بیٹھے ہی جس طرف چاہیں گے اسی طرف اس کی شاخ پہنچ جائے گی۔ چشمہ ان کے حکم کے تابع ہوگا۔

ابرار کے اوصاف

۷۔۱۲ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾ اِنَّا نَخَافُ
مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿١٠﴾ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ
وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿١١﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿١٢﴾

(ابرار وہ ہیں) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔ وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور امیر کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تمہیں اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں، نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکرگزاری۔ ہم تو اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو تنگی اور سختی والا ہوگا۔ سو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا اور ان کے صبر کے بدلے میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔

مُسْتَطِيْرًا: پھیلنے والا، عام۔ اِسْتِطَارَةٌ سے اسم فاعل۔

عَبُوْسًا: اداس کرنے والا (قیامت کا دن)، منہ بنانے والا۔ عَبْسٌ و عُبُوْسٌ سے صفت مشبہ۔

قَمْطَرِيْرًا: مصیبت اور رنج کا طویل دن (مراد قیامت کا دن)۔

تشریح: اللہ کے برگزیدہ بندوں کی نیکیوں کا بیان ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان عبادتوں کو تو بجا ہی لاتے ہیں جو ان کے ذمے ہیں بلکہ وہ تو اس نذر کو بھی پورا کرتے ہیں جو کسی چیز کے حاصل ہونے پر یا کسی مصیبت کے ٹلنے پر مان لیتے ہیں۔ یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی۔ کوئی بھی اس کی ہیبت و پریشانی سے مستثنیٰ نہیں سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ کا فضل وکرم ہو۔ اسی لئے یہ لوگ نافرمانیوں سے بچتے رہتے ہیں۔ ان کے اندر ایمان وتقویٰ کے ساتھ ایثار و ہمدردی کا جذبہ بھی ہے کہ یہ اللہ کی محبت میں نہایت اخلاص کے ساتھ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس نیک سلوک پر وہ ان لوگوں سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ بلکہ وہ تو اس دن کے بارے میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو سخت اداسی اور ہیبت کا سبب ہوگا سو اللہ ان کی نیک نیتی اور حسن عمل کے سبب ان کو اس دن کی تکلیف اور ہ :: سے بچالے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا اور ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۵۴، ۴۵۵)

جنت کی نعمتیں

۱۳۔۱۸ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ۟
وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۟ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ
مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۟ قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا
تَقْدِيْرًا ۟ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۟ عَيْنًا فِيْهَا
تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۟

وہ لوگ اس میں تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے، نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی کی شدت اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے پھلوں کے گچھے نیچے لٹکے ہوئے ہوں گے اور ان پر چاندی کے برتنوں اور شیشے کے آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا۔ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جن کو (خدام) نے ٹھیک انداز سے بھرا ہوگا، ان کو وہاں وہ جام پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ اس (جنت) میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔

اَرَائِکِ: بہت سے تخت، مسہریاں۔ واحد اَرِیْکَۃٌ

زَمْهَرِيْرًا: جاڑا، سخت سردی۔

قُطُوْفُهَا: اس کے پھل، اس کے میوے، اس کے خوشے۔ واحد قِطْفٌ

قَوَارِیْرًا: شیشے کے برتن۔ واحد قَارُوْرَۃٌ

فِضَّۃِ: چاندی۔ اسم جنس۔

زَنْجَبِیْلاً: ادرک، سونٹھ، جنت کے ایک چشمے کا نام۔

سَلْسَبِیْلاً: بہتا ہوا صاف پانی، جنت کے ایک چشمے کا نام۔

تشریح: اہل جنت نہایت آرام و اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکیے لگائے ہوئے جنت کے باغوں میں ہوں گے جہاں نہ سخت گرمی ہوگی اور نہ سخت سردی بلکہ وہاں کا موسم ہمیشہ معتدل رہے گا۔ وہاں آرام و راحت اور نعمتوں کی فراوانی کا یہ عالم ہوگا کہ جنت کے درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کئے ہوئے ہوں گی اور اس کے پھلوں کے خوشے لٹکا کر نیچے

کر دیئے جائیں گے تاکہ اہل جنت جو پھل بھی لینا چاہیں تو بلا تکلف ہاتھ بڑھا کر لے لیں۔ یہ پھل ان کے اتنے قریب ہوں گے کہ چاہے وہ کھڑے کھڑے توڑ لیں یا بیٹھ کر یا لیٹے لیٹے۔ ان کو درختوں پر چڑھنے اور اس کے لئے تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بس ہاتھ بڑھا کر توڑا اور کھالیا۔

ایک طرف تو خوش وخرم، باادب، سلیقہ شعار، فرماں بردار خادم، قسم قسم کے کھانے، چاندی کی کشتیوں میں لئے کھڑے ہوں گے اور دوسری طرف شراب طہور سے جھلکتے ہوئے بلوریں جام ہوں گے۔ یہ جام صاف وشفاف اور چمکدار ہونے میں شیشے کی مانند اور سفیدی میں چاندی کی مانند ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئے گی۔ اہل جنت کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی یہ جام ٹھیک اسی اندازے کے مطابق بھرے ہوئے ہوں گے تاکہ نہ پینے والے کے لئے کم پڑے اور نہ بچے۔ ایک جام شراب تو وہ تھا جس میں کافور ملی ہوئی تھی اور دوسرا وہ ہوگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ سونٹھ دنیا کی سونٹھ کی مانند نہیں بلکہ جنت میں وہ ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہتے ہیں اور یہ بڑے عالی مقام مقربین کے لئے ہیں۔ (عثمانی: ج ۶، ص ۷۶۷، ۷۶۵)

اہلِ جنت کے خدام

۱۹۔۲۰ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾

ان کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ اگر تو ان کو دیکھے تو سمجھے گا کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور جب تو نظر اٹھا کر دیکھے گا تو تجھے (ہر طرف) نعمت ہی نعمت اور بڑی بادشاہت نظر آئے گی۔

مَنْثُوْرًا: بکھرا ہوا، غیر منظوم۔ نَثْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ خوبصورت نوعمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے۔ یہ جنتی خدمت گار نہ مریں گے اور نہ بوڑھے ہوں گے بلکہ ان کا حسن و جمال ہمیشہ قائم رہے گا اور وہ لطافت وصفائی میں ایسے خوش منظر ہوں گے کہ دیکھنے والا ان کو دیکھ کر محسوس کرے گا کہ گویا زمین پر خوبصورت موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اے مخاطب! جنت کا حال یہ ہوگا کہ جب تو وہاں نظر ڈالے گا تو دیکھے گا کہ وہاں بہت ہی عظیم نعمتیں اور بڑا ہی عظیم الشان ملک ہے۔ وہاں کا چپہ چپہ راحت وسرور اور

نعمت ونور سے معمور ہے۔ وہاں اہل جنت کو وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ نہ ان کو ان نعمتوں میں کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ ان کے فنا ہونے کا احتمال ہوگا۔ اس دنیا میں نہ ان نعمتوں کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور نہ وہاں کی سلطنت کی شان وشوکت کا کوئی تصور ہو سکتا ہے۔

اہلِ جنت کا لباس اور زیور

۲۱۔۲۲ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۡ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاۗءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

ان جنتیوں پر باریک سبز ریشم اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا (ان سے کہا جائے گا) یہ تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ہے۔

سُنْدُسٍ: باریک کپڑا، باریک ریشمی کپڑا۔

خُضْرٌ: سبز، ہرے۔ واحد اَخْضَرُ

اِسْتَبْرَقٌ: دبیز ریشمی کپڑا۔ دیبا۔

حُلُّوْا: ان کو پہنایا جائے گا۔ تَحْلِيَةٌ سے ماضی مجہول۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ

تشریح: اہل جنت کا لباس سبز رنگ کا باریک نہایت نرم اور چمکدار ریشم کا ہوگا۔ نیز ان کے لئے قیمتی، دبیز ریشمی کپڑے بھی ہوں گے تاکہ وہ باریک اور دبیز قسم کے لباس استعمال کریں۔ اس کے علاوہ ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے تاکہ ریشمی اور قیمتی لباس کی آرائش کے ساتھ زیور سے بھی ان کو مزین کیا جائے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے (ہاتھ کے) زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔
(مظہری: ۱۰، ص ۱۶۰)

ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا جو مذکورہ دونوں قسم کی

شرابوں کے علاوہ ہوگی یعنی شراب طہور کافور اور سونٹھ کی آمیزش والی شرابوں سے مختلف ہوگی۔ اس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت، نہ گرانی نہ بدبو۔ اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہوں گے۔ اس کے پینے کے بعد جو پسینہ آئے گا اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔ پھر ان کی خوشی دوبالا کرنے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ہے۔ یہ سن کر اہل جنت اور زیادہ خوش ہوں گے۔ (عثمانی: ج ۲،ص ۷۶۵)

ذکرِ الٰہی کی تاکید

۲۳۔۲۶ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝

بیشک ہم نے آپ پر قرآن بتدریج نازل کیا ہے۔ آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور ان میں سے کسی گنہگار یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے اور صبح و شام اپنے رب کا نام لیتے رہئے اور رات کے کچھ حصے میں اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصے میں اس کی تسبیح کرتے رہئے۔

تشریح: مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن جادو ہے، کوئی جن آپ کو سکھاتا ہے۔ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن جادو نہیں بلکہ جامع ہدایت اور وحی حق ہے اور بلاشبہ اللہ ہی نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو آپ پر نازل کیا ہے تاکہ اس کے احکام بتدریج نافذ ہوں اور لوگوں پر گراں نہ گزریں۔ اگر پوری کتاب ایک ہی دفعہ میں نازل کر دی جاتی تو اس کے تمام احکام بھی اسی وقت نافذ ہو جاتے جو لوگوں پر بھاری پڑتے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل نے توریت کے احکام کو دیکھ کر اس کا انکار کر دیا تھا یہ لوگ بھی قرآن کے منکر ہو جاتے۔ اگر یہ لوگ بتدریج احکام نازل فرمانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں تو آپ بھی اپنے رب کے حکم پر جمے رہئے، اپنے فریضہ تبلیغ و دعوت میں لگے رہئے اور کفار و مشرکین میں سے کسی کی بات نہ مانئے بلکہ آپ تو صبح شام اللہ کو یاد کرتے رہئے اور رات کے طویل حصے میں نماز، اس کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے رہئے۔

(عثمانی: ج ۲،ص ۷۶۵۔ مواہب/ ج ۲۹،ص ۲۸۹، ۲۹۰)

منکرین کے کفر کا سبب

۲۷-۲۸ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝
نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝

بیشک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور انہوں نے ایک سخت دن کو اپنے پیچھے چھوڑ رکھا ہے، ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ و بند مضبوط کئے اور جب ہم چاہیں ان کے بدلے میں ان ہی جیسے اور لے آئیں۔

شَدَدْنَا: ہم نے مضبوط کیا، ہم نے قوت دی۔ شَدٌّ سے ماضی

اَسْرَهُمْ: ان کی جوڑ بندی، ان کی قید۔

شِئْنَا: ہم نے چاہا۔ مَشِيْئَةٌ سے ماضی۔

تشریح: یہ مشرکین و منکرین جو آپ کی ہدایت اور نصیحت قبول نہیں کرتے اس کا سبب دنیا کی محبت ہے۔ دنیا کی راحت و لذت چونکہ جلد حاصل ہو جاتی ہے اس لئے یہ اسی کو پسند کرتے ہیں اور اسی کے لئے تگ و دو کرتے ہیں اور قیامت کے اس ہولناک دن سے غافل اور منہ موڑے ہوئے ہیں جو ان کے سامنے آنے والا ہے بلکہ ان کو اس کے آنے کا یقین بھی نہیں۔ سو یہ ظالم دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو کر اپنے خالق و مالک کو بھولے ہوئے ہیں حالانکہ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جسم کے تمام جوڑ مضبوط کئے ہیں کہ یہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں اور سرکش ہو کر آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ہم ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر پوری طرح قادر ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان کو ان ہی کی مثل لوگوں سے بدل دیں جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝

اے لوگوں! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو سمیٹ لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اور اللہ اس پر قادر ہے۔ (النساء:۱۳۳)

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کردے اور ایک نئی مخلوق پیدا کردے اور یہ بات اللہ
کے لئے ذرا مشکل نہیں۔ (الفاطر:۱۶،۱۷)

پیغام نصیحت

۲۹۔۳۱ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ
رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

یقیناً یہ ایک نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے رب (تک پہنچنے) کا راستہ اختیار کرے اور تم جب ہی چاہو گے جب اللہ چاہے گا۔ بیشک اللہ بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لئے تو اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشریح: یہ ایک پیغام نصیحت ہے جو ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ دنیا کو پہنچا دیا۔ اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی خوشنودی کا راستہ اختیار کر لے اور جس کا دل چاہے گمراہی اختیار کر لے۔ کسی مخلوق میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی نفع یا ضرر پیدا کر لے اس لئے تم میں بھی یہ قدرت نہیں کہ تم اپنے لئے کوئی نفع پیدا کر لو۔ یہ اسی وقت ہوگا جب اللہ چاہے گا کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ جو لوگ اپنی کج روی اور گمراہی پر قائم رہیں اور حق کو نہ سنیں اور نہ سمجھیں تو ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ بس موت آنے کی دیر ہے۔ جیسے ہی جسم سے روح نکلے گی ان ظالموں کو اپنا انجام نظر آ جائے گا اور جس عذاب کا یہ انکار کرتے ہیں اس سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

(مواہب الرحمٰن: ج۲۹، ص۲۹۰،۲۹۱)

سورۃ المرسلات

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا المرسلت کے لفظ سے ہوئی ہے جس کے معنی چلنے والی ہواؤں کے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام المرسلت ہو گیا۔ اس کا ایک نام سورۃ العرف بھی ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۰ آیات، اور ۸۱۶ حروف ہیں۔ حسن، عکرمہ اور جابر نے کہا کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ اس میں ایک آیت واذا قیل لہم ارکعوا لا یرکعون مدنیہ ہے۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید، آخرت اور بعث بعد الموت جیسے مضامین کا مفصل بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن/ ج ۲۹، ص ۲۹۴۔ روح المعانی/ ج ۲۹، ص ۱۶۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیامت کے احوال، تخلیق انسانی میں قدرت الٰہی کی نشانیاں اور منکرین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: پرہیزگاروں کا حال مذکور ہے۔

قیامت کا یقینی طور پر آنا

۱۔۷: وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۙ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۭ

اور قسم ہے چلتی ہوئی خوشگوار ہواؤں کی پھر ان (ہواؤں) کی جو تیز چلتی ہیں اور ان کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں پھر ان کی جو (بادلوں) کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو وحی اتار کر لاتے ہیں، حجت تمام کرنے یا ڈرانے کے لئے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے۔

عُرْفًا: نرمی، لگاتار پے در پے جمع عُرف و اَعْراف۔

الْعٰصِفٰتِ: آندھیاں، تیز چلنے والی ہوائیں۔ واحد عَاصِفٌ۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل

الْمُلْقِيٰتِ: ڈالنے والیاں (دل میں) مراد ملائکہ یا ہوائیں۔ واحد مُلْقِيَةٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ کسی نے ان پانچوں قسموں کا مصداق ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو، کسی نے پیغمبروں کو، بعض مفسرین نے پہلی چار قسموں سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے اور بعض نے پہلی تین سے ہوائیں اور آخری دو سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ ابن کثیر کے مطابق ان میں سے ابتدائی تین صفتیں ہواؤں کی ہیں اور آخری دو فرشتوں کی صفات ہیں۔ اس طرح ہواؤں کی قسم بھی ہوگئی اور فرشتوں کی قسم بھی ہوگئی۔ پس ان آیتوں کے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر قسم ہے ان ہواؤں کی جو سختی سے چلتی ہیں اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں جس سے بارش ہونے لگتی ہے، اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کے ذریعے حق و باطل میں فرق و امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء علیہم الاسلام پر وحی اور قرآن کو القا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔ سو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے تم سے جس قیامت اور حساب و کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً حق ہے اور ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا تاکہ مجرموں کو حقیقتاً ان کی بداعمالیوں کی پوری سزا دی جائے اور مومنوں کو ان کے ایمان و اعمال صالحہ کا بہترین بدلہ دیا جائے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۴۵، عثمانی / ج ۲، ص ۷۶۸)

قیامت کے احوال

۸۔۱۵ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝
وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَا
أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝

پھر جب تارے بے نور ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا کس دن کے لئے ان چیزوں میں دیر ہے۔ فیصلے کے دن کے لئے اور تجھے کیا معلوم فیصلے کا دن کیسا ہے۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

طُمِسَتْ: وہ (ستارے) بے نور کردیئے جائیں گے، وہ مٹا دیئے جائیں گے۔ طَمْسٌ سے ماضی مجہول۔
فُرِجَتْ: وہ (آسمان) پھاڑ دیا جائے گا، وہ کھولا جائے گا۔ فَرْجٌ سے ماضی مجہول۔
نُسِفَتْ: وہ اڑائے جائیں گے، وہ ریزہ ریزہ کئے جائیں گے۔ نَسْفٌ سے ماضی مجہول۔
اُقِّتَتْ: اس کا وقت مقرر کیا گیا۔ تَوْقِیْتٌ سے ماضی مجہول۔
اُجِّلَتْ: وقت مقرر کیا گیا، تاخیر کی گئی۔ تَاجِیْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اس دن ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی۔ آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور رسولوں کو اپنی اپنی امت پر شہادت دینے کے لئے قبروں سے باہر لایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کس دن کے لئے ان امور کو اٹھا رکھا ہے۔ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس دن کے لئے جس میں ہر بات کا دوٹوک فیصلہ ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا لیکن اس نے اپنی حکمت سے اس کو ایک خاص وقت کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس کی ہیبت وشدت اور ہولناکی کی کوئی حد نہیں۔ اس روز مکذبین کو سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا کیونکہ جس چیز کی انہیں کوئی امید نہ تھی وہ یکا یک اپنی ہولناک صورت میں آپہنچے گی اور وہ حیرت وندامت سے حواس باختہ ہو جائیں گے۔
(معارف القرآن مفتی محمد شفیع۔ مواہب الرحمٰن)

تخلیق انسانی میں قدرت کی نشانیاں

۱۶۔۲۴ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ
مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا
فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا پھر پچھلوں کو بھی ہم انہی کے ساتھ کر دیں گے۔ ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے

پیدا نہیں کیا پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ (رحم) میں رکھا، ایک مقررہ وقت تک ۔ پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیا خوب اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑا خرابی ہے ۔

مَهِيْنٍ: ذلیل، حقیر، بے عزت ۔ هُوْنٌ سے صفت مشبہ ۔

قَرَارٍ: قرار، آرام کی جگہ، ٹھکانا ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

تشریح: کیا ان منکرین و مکذبین کو یہ معلوم نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو رسولوں کی تکذیب کرنے پر ہلاک کر چکے ہیں، پھر ان کے بعد اور امتیں آئیں ۔ انہوں نے بھی رسولوں کی اسی طرح تکذیب کی تو ہم نے انہیں بھی غارت کر دیا ۔ اگر یہ مشرکین مکہ بھی اپنے کفر و تکذیب پر قائم رہے تو ہم ان کو بھی پہلے والوں کی طرح عذاب سے ہلاک کر دیں گے ۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے چلے آئے ہیں ۔

کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا اور کیا تمہیں ٹھہرنے کی ایک محفوظ جگہ میں نہیں رکھا یعنی رحم مادر میں جہاں اس نطفے نے نہایت محفوظ طریقے سے نشو و نما پائی، اعضا کی ساخت ہوئی، شکل و صورت بنی اور اس میں روح ڈالی اور ایک مقررہ مدت تک وہ وہیں رہا یعنی ۶ تا ۹ مہینے ۔ ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے ۔ اگر پھر بھی تم اس آنے والے دن کو نہیں مانو گے یعنی قیامت کو تو یقین جانو کہ قیامت کے دن تمہیں بڑی حسرت اور سخت افسوس ہوگا ۔

زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی

۲۵ ۔ ۲۸ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا، زندوں اور مردوں کو اور ہم نے اس (زمین) میں بلند پہاڑ بنا دئے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا ۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے ۔

كِفَاتًا: سمیٹنے والی، اکٹھا کرنے والی ۔

رَوَاسِيَ: جمے ہوئے، پہاڑ، بوجھ ۔ واحد رَاسِيَةٌ ۔

شٰمِخٰتٍ: بلند ہونے والیاں، تکبر کرنے والیاں ۔ شُمُوْخٌ سے اسم فاعل ۔

فُرَاتًا: بہت شریں اور ٹھنڈا پانی، پیاس بجھانے والا۔

تشریح: کیا یہ تمام چیزیں جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے پر قادر ہے اور منکرین کا یہ کہنا نہایت لغو ہے کہ مرنے کے بعد جب وہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں۔ کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی کہ وہ زندگی میں تمہیں اپنی پشت پر چلاتی ہے اور موت کے بعد تمہیں اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ پھر ہم نے اس زمین میں مضبوط، وزنی اور بلند پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ یہ ہلے جلے نہیں بلکہ اپنی جگہ ساکن رہے اور تم اطمینان و سکون سے اس پر چلتے پھرتے رہو اور ہم نے تمہیں بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا نہایت زود ہضم، میٹھا اور خوشگوار پانی پلایا۔ ان نعمتوں کے باوجود اگر تم تکذیب ہی کرتے رہے تو یاد رکھو وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب تم حسرت و افسوس کرو گے اور وہ کچھ کام نہ آئے گا۔

مشرکین کا انجام

۲۹۔۳۴ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ
شُعَبٍ ۝ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝
كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

(ان سے کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس (دوزخ) کی طرف چلو۔ اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ نہ گھنی چھاؤں اور نہ شعلے سے بچاتا ہے۔ یقیناً وہ محل جیسے بڑے بڑے انگارے برسائے گی گویا وہ زرد اونٹ ہیں۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

اِنْطَلِقُوْا: تم چلو۔ اِنْطِلَاقٌ سے امر۔

شُعَبٍ: شاخیں، پھانکیں، قبیلے۔ واحد شُعْبَةٌ

لَهَبٍ: آگ بھڑکنا، شعلہ۔ مصدر ہے۔

جِمٰلَتٌ: کئی اونٹ۔ واحد جَمَلٌ

صُفْرٌ: زرد، پیلا۔ صُفْرَةٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: جو کفار و مشرکین دنیا میں قیامت، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کو جھٹلاتے تھے، قیامت کے

روز ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم دنیا میں سچا نہیں مانتے تھے۔ اب تم اس کی طرف چلو۔ اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو کر ان میں تین شاخیں بن رہی ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کی طرف چڑھ رہا ہے جس کا سایہ نیچے کی طرف پڑتا ہے۔ حقیقت میں یہ ایسا سایہ ہوگا جس میں کوئی ٹھنڈک اور سکون نہ ہوگا اور نہ وہ آگ کی حرارت سے بچانے والا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سایہ نہیں ہوگا بلکہ وہ تو جہنم سے اٹھنے والے سیاہ شعلے اور دھواں ہوگا جو دور سے سایہ کی طرح محسوس ہوگا۔ جہنم اتنی تیز و تند اور شدید آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ قلعے اور محل کی مانند بلند ہوں گی اور دیکھنے میں ایسی محسوس ہوں گی گویا کہ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ یہ وہ عذاب ہے جو آخرت میں مجرمین و منکرین کے لئے ہوگا۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۶)

منکرین پر حسرت وافسوس

۳۵۔۴۰ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ
وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

یہ وہ دن ہوگا کہ وہ بول ہی نہ سکیں گے اور نہ ان کو عذر کرنے کی اجازت ہوگی۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے سو اگر مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

تشریح: اس دن عذاب کی شدت اور سختی کا یہ عالم ہوگا کہ کافر کچھ بھی نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی۔ آج فیصلے کا دن ہے۔ سب اگلے پچھلے یہاں جمع ہیں۔ اگر تم کسی چالاکی، مکاری، تدبیر اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور اس کے لئے پوری کوشش کر لو اور وہ بھی آ جائیں جو دنیا میں اہل ایمان کے سامنے آپس میں کہتے تھے کہ کیا تم میں سے دس دس آدمی بھی جہنم کے ایک ایک کارندے کو پکڑ لینے سے عاجز ہیں اور وہ

بھی آ جائے جو دوزخ پر ۱۹ فرشتوں کی تقرری کا سن کر کہتا تھا کہ سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا باقی دو سے تم نبٹ لینا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا

اے جن وانس کے گروہ اگر تم آسمان وزمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ۔ (الرحمٰن:۳۳)

یادرکھو! آج کوئی سرکش ومتکبراور منکر ومکذب میری پکڑ سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی نافرمان اور شیطان میرے عذاب سے نجات پا سکتا ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴،ص ۴۶۰ـ۴۶۲)

پرہیزگاروں کا حال

۴۱ـ۴۵ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

بیشک پرہیزگار (اس کی رحمت کے) سایوں اور چشموں میں ہوں گے اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں گے۔ مزے سے کھاؤ پیو ان کاموں کے صلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

تشریح: اس سے پہلے بدکاروں کی سزاؤں کا بیان تھا اب نیک لوگوں کی جزا کا بیان ہے کہ دنیا میں جو لوگ پرہیزگار تھے، اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے تھے، فرائض وواجبات کی پابندی کرتے تھے اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے رہتے تھے قیامت کے روز وہ نہایت راحت وسکون کے ساتھ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ جنت کے گھنے، ٹھنڈے اور پرکیف سایوں میں اطمینان وآرام سے رہیں گے۔ قسم قسم کے پھل اور میوے ان کے لئے موجود ہوں گے۔ جب بھی اور جس پھل کو جی چاہے گا وہ ان کے پاس آموجود ہوگا۔ نہ وہاں کوئی روک ٹوک ہوگی اور نہ کسی کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا اور نہ ان نعمتوں کے ختم ہونے کا خطرہ ہوگا۔ پھر ان کی خوشی کو دوبالا کرنے کے

لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ اے میرے بندو! تم خوشی خوشی اور خوب سیر ہو کر بلا روک ٹوک کھاؤ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں۔ البتہ جھٹلانے والوں کی آج بڑی ہلاکت وتباہی ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴،ص ۴۶۱)

منکرین کی چندروزہ عیش

۴۶۔۵۰ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ
لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ
يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝

(اے کافرو! دنیا میں) تھوڑا سا کھالو اور برت لو، بے شک تم گنہگار ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکو تو نہیں جھکتے۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ آخر اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

تشریح: ان مجرمین و مکذبین کو جو دنیا کی لذتوں اور عیش وعشرت میں مست تھے اور جنھوں نے آخرت کو فراموش کر رکھا تھا، دنیا ہی میں بتادیا گیا تھا کہ تم دنیا میں کچھ کھا پی لو اور اس کی لذتوں سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالو۔ پھر بہت جلد یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تمہیں بھی موت آلے گی۔ پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ قیامت کے روز منکرین و مکذبین سخت نقصان اور پورے خسارے میں ہوں گے۔

دنیا کی زندگی نے ان منکرین کو ایسا سرکش و نافرمان بنا دیا تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ تم آکر نماز ادا کرو اور اللہ کے سامنے جھکو تو حقارت اور تکبر کے ساتھ اس کا انکار کر دیتے تھے۔ قیامت کے دن ان جھٹلانے والوں کے لئے بری ہلاکت اور مصیبت ہوگی۔

پھر فرمایا کہ جب یہ لوگ قرآن پر بھی ایمان نہیں لاتے جس کے دلائل نہایت واضح اور روشن ہیں تو پھر کس کلام کو مانیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اسے اس کے جواب میں امنت باللہ و بما انزل کہنا چاہئے یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ (ابن کثیر: ج ۴،ص ۴۶۱)

سورۃ النباء

وجہ تسمیہ: نباء کے معنی بڑی خبر کے ہیں۔ اس سورت میں عظیم الشان خبر یعنی قیامت کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورۃ النباء ہوگیا۔ اس کو سورۂ عم، سورۂ عم یتساء لون، سورۃ التساؤل اور سورۃ المعصرات بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی / ج ۲، ص ۳۰)

تعارف وخلاصہ: اس میں دو رکوع، چالیس آیات، ۱۷۳ کلمات اور ۷۷۰ حروف ہیں۔ قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین ومنکرین پر تشنیع کی ہے کہ وہ جہالت کی بنا پر قیامت کا انکار کرتے ہیں، پھر اللہ نے اپنی آیاتِ قدرت بیان فرمائیں کہ اس نے ان کو اور کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا۔ وہی ان کو موت دیتا ہے اور پھر قیامت کے روز ان کو دوبارہ زندہ کرے گا، اور مومنوں اور کافروں سے ان کے اعمالِ نیک وبد کا حساب لے کر ان کو جزا یا سزا دے گا۔ (مواہب الرحمٰن / ج ۱، ص ۳۰)

سابقہ سورت سے ربط: اس سے پہلے سورۃ المرسلٰت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا تھا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یقیناً آئے گی اور ان کے حساب وکتاب اور جزا وسزا کا وعدہ پورا اور واقع ہو کر رہے گا۔ پھر احوال قیامت بیان کئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا تو ستارے بے نور ہو جائیں گے، آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اس سورت میں اسی مناسبت سے قیامت کے بارے میں مجرمین ومنکرین کے گستاخانہ اور بیہودہ سوال کہ قیامت کب آئے گی کا رد ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزا وسزا کا بیان۔

قیامت کے بارے میں سوال

۱،۵۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ
مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

وہ آپس میں کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں، اس عظیم خبر کے متعلق، جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ (اس خبر کے بارے میں) بہت جلد جان لیں گے اور یقیناً انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

عَمَّ: کسی چیز سے یہ اصل میں عَنْ اور مَا سے مرکب ہے۔ ما استفہامیہ اور ما خبریہ میں فرق کرنے کے لئے الف حذف کر دیا گیا۔

یَتَسَاءَ لُوْنَ: وہ باہم سوال کرتے ہیں۔ وہ باہم پوچھتے ہیں۔ تَسَاءُ لٌ سے مضارع۔

النَّبَاءِ: خبر، خبر دینا، اطلاع، واقعہ۔ یہاں اس سے مراد قیامت ہے۔ جمع اَنْبَـــاءٌ اسم بھی ہے مصدر بھی۔

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن کی روایت سے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو لوگ (قیامت کے بارے میں) ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ اس پر عم یتساءلون عن النباء العظیم نازل ہوئی۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۱۷۱)

تشریح: اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اس لئے اس کے کلام میں استفہام سوال کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اس کی عظمت اور ہولناکی کو ظاہر کرنا مراد ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہلِ مکہ کو توحید کی دعوت دی، ان کو مرنے کے بعد زندہ ہونے کے بارے میں بتایا اور قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو وہ آپس میں پوچھنے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے ہولناک واقعے کی خبر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، قیامت کا قائم ہونا اور اس میں لوگوں کے اعمال کا حساب و کتاب اور جزا و سزا کا تعین ناممکن اور محال تھا۔ اس لئے ان میں سے کچھ لوگ تو نبأ عظیم کے بالکل منکر ہو گئے اور کچھ تردد میں پڑ گئے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین و منکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال تحقیق کے طور پر نہیں بلکہ بطور تمسخر پوچھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ کس چیز کی تحقیق و تفتیش میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا ان میں ایسی استعداد و صلاحیت ہے کہ یہ اس عظیم خبر کو سمجھ سکیں جس کے بارے میں بحث و تمحیص میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر تاکید کے لئے کلا سیعلمون دو مرتبہ فرمایا کہ وہ بحث و تمحیص اور سوال و جواب سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں بلکہ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب مرنے کے بعد دوسرے عالم کے احوال ان پر ظاہر ہوں گے، اور وہ وہاں کے ہولناک مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جان لیں گے کہ قیامت کیا چیز

ہے اور ان کے بحث و مباحثے اور اختلاف کی کیا حیثیت تھی۔ لیکن اس وقت کا جاننا ان کے کچھ کام نہ آئے گا، کیوں کہ وہ عمل کرنے کی جگہ نہیں بلکہ بداعمالیوں کی سزا پانے کی جگہ ہے۔ ابھی دنیا میں ان کے پاس وقت اور مہلت ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک سے تائب ہو کر قیامت کی ہولناکی سے بچ سکتے ہیں۔

قدرتِ کاملہ کے عظیم آثار

۱۶،۶۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور تمہیں جوڑا جوڑا بنایا، اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا باعث بنایا اور رات کو پردے کی چیز بنایا، اور ہم نے دن کو (حصول) معاش کے لئے بنایا اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا اور ہم نے بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا، تاکہ اس (بارش) سے اناج اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغ (اگائیں)۔

مِهٰدًا: بچھونا، ٹھکانا۔ فرش۔ جمع مُهُدٌ و اَمْهِدَةٌ

اَوْتَادًا: میخیں۔ کھونٹیاں۔ واحد وَتَدٌ

سُبَاتًا: آرام، راحت، تکان دور کرنا۔ قطع کرنا۔ مصدر ہے۔ جس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں۔ نیند بھی انسان کے تمام رنجوں، غموں اور افکار کو قطع کر کے اس کے قلب و دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

مَعَاشًا: معاش کا وقت، روزی کا وقت، کمائی کرنا۔ عَيْشٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔

وَهَّاجًا: جگمگاتا ہوا، بہت روشن (مراد سورج)، بہت چمکدار، ایسی روشنی جس میں گرمی بھی ہو۔ وَهْجٌ سے مبالغہ۔

المُعْصِرٰتِ: نچوڑنے والیاں ۔ یعنی وہ ہوائیں جو بادلوں سے پانی نچوڑتی ہیں ۔ پانی سے بھرے ہوئے بادل جو برسنے ہی والے ہوں، اِعْصَارٌ سے اسم فاعل ۔

ثَجَّاجًا: موسلا دھار بارش، خوب برسنے والا، خوب لگا تار بہنا ۔ ثَجٌّ سے مبالغہ ۔

اَلْفَافًا: باہم لپٹے ہوئے، گنجان، ایک دوسرے سے پیوست، گھنے درخت ۔ واحد لِفِیْفٌ یا لَفَافَۃٌ

تشریح: عظیم خبر کے بیان کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے اثبات کے لئے ایسی نو چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کے بنانے میں انسان یا کسی اور مخلوق کی ذرا بھی شرکت نہیں ۔ جو حکیم برحق اور قادر مطلق ان چیزوں کو بغیر نمونے کے پیدا کر سکتا ہے وہ اس عالم کو درہم برہم کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور دوبارہ پیدا کرنے میں جو حکمت ہے اور جو کچھ اس کی کیفیات اور خصوصیات ہوں گی ان تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ۔ اس لئے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنا محض نادانی ہے ۔ وہ نو چیزیں یہ ہیں ۔

۱ ۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا: ہم نے تمہارے چلنے پھرنے، رہنے سہنے اور سکون واطمینان کے لئے زمین کو فرش کی طرح ہموار بنا دیا ۔ اگر ہم اس کو ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم بنا دیتے تو تم اس پر آباد نہیں ہو سکتے تھے ۔ ہمارے اس انعام میں مومن و کافر سب شریک ہیں ۔ جس خالق کائنات نے زمین کو پہلی مرتبہ کسی نمونے کے بغیر ایسا بنایا یقیناً وہ اس کو فنا کر کے دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے ۔

۲ ۔ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا: اور ہم نے پہاڑوں کو زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا تا کہ وہ ہلنے جلنے، حرکت کرنے اور ڈگمگانے سے محفوظ رہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہے ۔

۳ ۔ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا: اے بنی آدم ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا ۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا جوڑا مرد بنایا تا کہ وہ اس زمین پر رہیں سہیں، پھلیں پھولیں اور ایک دوسرے سے راحت وسکون حاصل کریں ۔ ازواج کے معنی یہ بھی ہیں کہ صفات کے لحاظ سے بھی لوگ ایک دوسرے کے مقابل ہیں مثلاً بادشاہ کے مقابلے میں فقیر ہے، مالدار کے مقابلے میں مفلس، خوبصورت کے مقابلے میں بدصورت، نیک کے مقابلے میں بدکردار، کالے کے مقابلے میں گورا، عقلمند کے مقابلے میں احمق وغیرہ وغیرہ، اس میں بھی اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ اس نے ایک ہی زمین پر ایک ہی مادے سے کیسی مختلف چیزیں بنا دیں ۔

۹۔ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا: اور ہم نے نیند کو تمہارے بیداری کے اعمال قطع کر دینے والی چیز بنا دیا تا کہ تمہارے جسمانی اعضا کو آرام وسکون مل جائے۔ انسان کی ساری راحتوں کا مدار اسی نیند پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت پوری مخلوق کے لئے عام ہے، امیر وغریب، بادشاہ ومزدور، عالم وجاہل، مومن وکافر اور جانور کے لئے یہ دولت مفت اور بلا محنت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس کو جبری بنا دیا ہے اور آدمی نا چاہتے ہوئے بھی سونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کی دن بھر کی تکان دور ہو جاتی ہے اور وہ نیند کے بعد بیدار ہونے پر پھر سے تازہ دم اور کام کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔

۵۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا: اور ہم نے رات کو لباس یعنی چھپانے کی چیز بنا دیا۔ عموماً نیند اس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ماحول پرسکون ہو اور شور وغل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس نے تمہیں نیند کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ پورے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لئے سازگار ہوں، مثلاً رات کی تاریکی، تمام انسانوں اور جانوروں پر بیک وقت نیند طاری ہونا، اگر دوسرے کاموں کی طرح نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہوتے تو نیند کے وقت کسی کو بھی سکون میسر نہ آتا۔

۶۔ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا: اور ہم نے دن کو حصول معاش کا سبب بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے بندوں کے لئے جو رزق مقرر کیا ہے بندے اس کے حصول کے لئے دن میں محنت اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ اگر ہمیشہ رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو وہ اپنی غذائی ضروریات کیسے پوری کرتا۔ اسی طرح اگر دن ہی دن رہتا تو آدمی ہر وقت بھاگ دوڑ میں ہی رہتا اور آرام وسکون نہ ملتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت وقدرت سے زمین اور آفتاب کی گردش کو اس انداز سے مقرر فرما دیا کہ دن اور رات اپنے مقررہ وقت پر آتے جاتے ہیں اور آدمی کا سکون وعافیت برقرار رہتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی معاش بھی حاصل کرتا ہے اور آرام وسکون بھی۔

۷۔ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا: اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیئے جن پر گردشِ زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اسی طرح قائم ہیں اور اس کی صناعی اور کاریگری پر دلیل ہیں۔

۸۔ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا: اور ہم نے ایک روشن چراغ یعنی سورج بنا دیا جس میں روشنی اور حرارت دونوں موجود ہیں۔ دن کے وقت اس کی روشنی سے ہر شخص اور ہر جاندار بلکہ نباتات بھی نفع اٹھاتے ہیں۔

۹۔وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَاءً ثَجَّاجًا: اور ہم نے بادلوں سے خوب اور بکثرت برسنے والا پانی برسایا جو پاک وصاف، بابرکت اور نفع بخش ہے تاکہ ہم اس پانی سے تمہارے لئے غلہ اور تمہارے جانوروں کے لئے چارہ پیدا کریں اور اس پانی سے گھنے باغات اور گھنے ہوجاتے ہیں اور خوب پھلتے پھولتے ہیں اور ان سے مختلف ذائقوں، رنگوں اور خوشبو والے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔

پس جو ذات مذکورہ بالا چیزوں کو ابتداً یعنی عدم سے وجود میں لاسکتی ہے وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے اسی طرح اس دنیا کے ختم ہونے پر آخرت کا آنا بھی یقینی ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۵۳، ۶۵۵۔ مظہری / ج ۱۰، ص ۱۷۲)

فیصلے کا دن

۱۷، ۲۰۔ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾

بیشک فیصلے کا دن مقرر ہے، اس دن صور پھونکا جائے گا اور تم سب گروہ درگروہ آؤ گے اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے سو وہ چمکتی ہوئی ریت ہوجائیں گے۔

مِيْقَاتًا: مقررہ وقت۔ جمع مَوَاقِيْتُ. ظَرفِ زمان۔

يُنْفَخُ: اس میں پھونک ماری جائے گی۔ نَفْخٌ سے مضارع مجہول۔

سُيِّرَتِ: وہ چلائی گئی، وہ ریزہ ریزہ ہوکر اڑتے پھریں گے۔ تَسْيِيْرٌ سے ماضی مجہول۔

سَرَابًا: دھوکا، چلے جانا۔ وہ ریت جو موسم گرما میں دور سے پانی کی طرح چمکتی ہو۔ اس کو سراب اسی بنا پر کہتے ہیں کہ قریب پہنچتے ہی وہ نظر سے جاتا رہتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے علم میں اعمال کی جزا و سزا کے فیصلے کا دن (یعنی قیامت کا دن) مقرر ہوچکا ہے۔ اب وہ اپنے مقررہ وقت سے نہ پہلے آسکتا ہے اور نہ اس سے مؤخر ہوسکتا ہے۔ اس کا صحیح وقت

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اس روز صور میں پھونک ماری جائے گی جو سینگ کی شکل کا ہوگا۔اس وقت تمام مردے زندہ ہوکر اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے اور گروہ در گروہ اس مقام پر آجائیں گے جہاں حساب و کتاب ہوگا۔صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔پہلی مرتبہ پھونکے جانے کے بعد تمام عالم فنا ہو جائیں گے۔دوسری مرتبہ پھونکے جانے کے بعد آسمان و زمین پھر سے قائم ہو جائیں گے اور مردے زندہ ہوکر قبروں سے نکل پڑیں گے۔یہاں دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝

اور (جب) صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق بیہوش ہوکر گر پڑے گی، سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ بیہوشی سے محفوظ رکھے، پھر (جب) دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو (دفعتاً) سب (ہوش میں آکر) ایک دم کھڑے ہوکر (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔(الزمر، ۶۸)

اس روز ہر امت اپنے نبی کے ساتھ آئے گی، جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ (الاسراء، ۷۱)

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر بے حقیقت ہو جائیں گے اور ان کو زمین سے اٹھا کر فضا میں ریت کے ذروں کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔جس طرح چمکتی ہوئی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہوتا ہے اسی طرح دُور سے وہ پہاڑ نظر آئیں گے حالانکہ حقیقت میں وہ پہاڑ نہیں ہوں گے بلکہ ریت کے ڈھیر ہوں گے۔دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ

اور تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو اور جان رہے ہو کہ وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے۔(النمل، ۸۸)

اور ارشاد ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعۃ، ۵)

اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔

اور ارشاد ہے:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (الکھف، ۴۷)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل کھل گئی ہے۔

دوزخیوں کا حال

۲۱، ۳۰۔ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِيْنَ
فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا
وَّغَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝
وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا
فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝

بیشک دوزخ تاک میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانا (وہی) ہے۔ جہاں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ نہ وہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا، سوائے گرم پانی اور پیپ کے (جو اعمال کا) پورا پورا بدلہ ہے۔ بیشک ان کو حساب کی امید نہ تھی اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ سو تم (اپنے کئے کا) مزہ چکھو ہم تمہاری سزا بڑھاتے جائیں گے۔

جَهَنَّمَ: دوزخ کا ایک طبقہ، دوزخ۔ یہاں جہنم سے مراد پل صراط ہے۔

مِرْصَادًا: وہ جگہ جہاں بیٹھ کر کسی کی نگرانی یا انتظار کیا جائے، گھات لگانے کی جگہ، کمین گاہ۔ جس طرح کسی خفیہ مقام پر گھات لگا کر بیٹھنے والے سے دشمن بچ نہیں سکتا اسی طرح کافر دوزخ سے نہیں بچ سکتے۔ رَصَدٌ سے مبالغہ یا ظرف مکان۔ جمع مَرَاصِدُ۔

لٰبِثِيْنَ: رہنے والے، ٹھہرنے والے، اقامت کرنے والے۔ لَبْثٌ سے اسم فاعل۔

اَحْقَابًا: ایک لمبا زمانہ مراد ہمیشگی۔ واحد حُقُبٌ

حَمِیْمًا: بہت ہی گرم پانی، کھولتا ہوا پانی ۔ جمع حَمَائِمُ

غَسَّاقًا: پیپ، کچ لہو، دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والا خون، انتہائی ٹھنڈا بدبو دار پانی۔ غَسْقٌ سے مبالغہ۔

وِفَاقًا: موافق، پورا پورا، مکمل۔ مصدر بمعنی اسم فاعل۔

اَحْصَیْنٰهُ: ہم نے اس کو محفوظ کر دیا، ہم نے اس کو گن لیا، ضبط کر لیا۔ اِحْصَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: بلاشبہ جہنم سرکش اور نافرمان لوگوں کی گھات میں ہے، یہی ان کے لوٹنے اور رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں جہنم سے مراد پل صراط ہے جہاں مومنوں کو ثواب دینے والے اور مجرموں کو عذاب دینے والے فرشتے انتظار کر رہے ہوں گے۔ ثواب کے فرشتے اہل جنت کو ان کے مقام تک پہنچا دیں گے اور عذاب کے فرشتے اہل جہنم کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ طاغین سے یا تو وہ کافر مراد ہیں جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر گئے اور کفر و انکار پر پختہ ہو گئے، یا مسلمانوں کے وہ گمراہ فرقے مراد ہیں جو قرآن و سنت کی حد سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ انہوں نے صراحتاً کفر اختیار نہیں کیا۔

یہ لوگ دوزخ میں مدتوں پڑے رہیں گے جہاں ان کو نہ ٹھنڈک کی راحت ملے گی اور نہ پینے کو کوئی خوش گوار چیز، بلکہ ان کو پینے کے لئے نہایت گرم پانی اور بہتی ہوئی پیپ ملے گی جس میں خون ملا ہوا ہو گا اور جو نہایت ٹھنڈی ہو گی کہ دوزخی اس کو پی نہ سکیں گے۔

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح آگ گرمی کی وجہ سے جلاتی ہے اسی طرح غساق ٹھنڈک کی وجہ سے ان کو جلا دے گا۔

جس طرح دنیا میں کافروں کو حساب و کتاب کا یقین ہی نہ تھا اور وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے اور اپنے کفر و انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے تھے، اسی طرح آخرت میں ان کا عذاب بھی بڑھتا ہی رہے گا اور یہ سزا عین ان کے اعمال کے مطابق ہو گی جو ہم نے لکھ رکھے ہیں۔ سوائے اہل دوزخ اب تم دوزخ میں اس عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔ ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے۔ (مظہری / ج ۱۰، ص ۱۷۴، ۱۷۹، ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۶۳، ۴۶۴)

جنت کی نعمتیں

۳۱، ۳۷۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ۝۳۱ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۝۳۲ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝۳۳

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ
رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ
لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾

یقیناً پرہیز گاروں کے لئے کامیابی ہے، باغات ہیں اور انگور ہیں اور ہم عمر نوجوان عورتیں ہیں اور چھلکتے ہوئے جام، وہ وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ یہ تیرے رب کا بدلہ ہے، حساب سے دیا ہوا۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب کا رب ہے (اور) رحمٰن ہے۔ کسی کو اس سے بات کرنے کی قدرت نہیں۔

الْمُتَّقِيْنَ: پرہیز گار، ڈرنے والے۔ اِتِّقَاءٌ سے اسم فاعل جمع مذکر۔ یہ اصل میں مُوْتَقِيِيْنَ تھا۔ واؤ کو تا سے بدل کرتا کا تا میں ادغام کر دیا تو متقیین ہو گیا۔ یا پر کسرہ ثقیل تھا اس لئے اس کو گرا دیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے ایک یا کو گرا دیا تو متقین ہو گیا۔

مَفَازًا: کامیابی، کامیاب ہونا، نجات پانا۔ فَوْزٌ سے مصدر میمی یا ظرف مکان۔

حَدَائِقَ: وہ باغ جس کے گرد چار دیواری بنی ہوئی ہو۔ واحد حَدِيْقَةٌ

كَوَاعِبَ: دوشیزہ، نوجوان لڑکیاں۔ واحد كَاعِبٌ۔

اَتْرَابًا: ہم سن، ہم عمر عورتیں۔ جمع تِرْبٌ

كَاْسًا: پیالہ، گلاس، جام۔ جمع اَكْوَاسٌ

دِهَاقًا: لبالب بھرا ہوا، چھلکتا ہوا، لبریز۔ دَهْقًا سے مفعول کے معنی میں اسم صفت۔

تشریح: ان آیتوں میں ان نعمتوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاروں کے لئے تیار کر رکھی ہیں کہ قیامت کے روز پرہیز گار لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔ ان کے لئے وہاں باغات ہوں گے جو ہر قسم کے پھلوں اور میووں سے لدے ہوئے ہوں گے خاص طور پر ان میں انگور بکثرت ہوں گے جو غذا بھی ہے اور مشروب بھی۔ پرہیز گاروں کو جنت میں نوجوان ہم عمر عورتیں اور شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ملیں گے جس میں دنیوی شراب کی طرح نشہ نہ ہوگا کہ بے ہودہ، لغو اور جھوٹی باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں، بلکہ وہ شراب ان خرابیوں سے پاک ہوگی۔

پرہیزگاروں کو جنت میں جو بدلہ ملے گا بظاہر وہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہوگا مگر حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا، اس کا فضل و کرم اور اس کا انعام و احسان ہوگا۔ اور یہ عطا اور احسان ایسا بھرپور ہوگا کہ اس کے بعد کوئی تمنا اور خواہش باقی نہ رہے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں اور مخلوقات کا پالنے والا ہے جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں، وہی رحمٰن ہے۔ اس کے رحم نے سب چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کوئی لب کشائی نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهٖ

جب وہ دن آجائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کرسکے گا۔ (ہود، ۱۰۵)

عظمت وجلالِ خداوندی

۳۸، ۴۰۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۞ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۞ إِنَّآ أَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۞

جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (اس روز) کوئی بول نہ سکے گا سوائے اس کے جس کو رحمٰن اجازت دیدے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے۔ اس دن (کا آنا) یقینی ہے۔ اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے۔ بیشک ہم نے تمہیں ایک نزدیک آنے والے عذاب سے خبردار کردیا ہے۔ اس دن ہر شخص (ان اعمال کو) دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہیں اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔

أَذِنَ: اس نے حکم دیا، اس نے اجازت دی۔ اِذْنٌ سے ماضی۔

صَوَابًا: ٹھیک بات، حق، درست۔

مَاٰبًا: واپس ہونے کی جگہ، لوٹنے کی جگہ۔ اَوْبٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: جس روز روح یعنی جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوئے ہوں گے، اس روز کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے بات نہ کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا خواہ روح و ملائکہ ہوں یا انبیاء علیہم السلام یا کوئی اور، سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے بولنے یا شفاعت کرنے کی اجازت دی ہو اور وہ بات بھی صحیح اور حق کہے۔ البتہ اس کو بھی کسی کافر کی شفاعت کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ کسی کی مجال ہوگی کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں کسی کافر کے حق میں کوئی لفظ کہہ سکے۔

جس دن یہ کیفیت ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اس کا آنا یقینی اور برحق ہے، اس کے آنے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اب جو چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و فرمانبرداری اور ہدایت کا راستہ اختیار کر کے سیدھا اپنے رب کے پاس جا پہنچے۔ بیشک ہم نے تمہیں عذاب قریب یعنی آخرت کے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس دن ہر شخص اپنے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، خواہ یہ دیکھنا اس طرح ہو کہ جب اعمال نامہ ہاتھ میں آئے گا تو اس وقت اپنے اعمال کو اس میں دیکھے، یا حشر کے دن اس کے تمام اعمال مجسم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے۔ یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ یوم سے مراد موت کا دن ہو اور اعمال کو دیکھنے سے قبر و برزخ کو دیکھنا مراد ہو۔

قیامت کے روز کافر اپنی شامت اعمال کو دیکھ کر کہیں گے کہ کاش وہ مٹی ہوتے اور پیدا ہی نہ ہوتے۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے روز جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کو ایک دوسرے سے بدلہ دلوایا جائے گا یہاں تک کہ اگر ایک بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔ پھر ان جانوروں سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر کہیں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اب مٹی بن کر حساب و کتاب اور عذاب جہنم سے بچ جاتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل قبر ہے۔ اگر اس سے بچ گیا تو اس کے بعد والی منزلیں آسان ہیں اور اس سے نہ بچا تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔

(مظہری / ج ۱۰، ص ۱۸۲، ۱۸۳، ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۶۵)

سورۃ النازعات

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ النازعات سے ہوئی ہے، جس کے معنی ہیں روح کو بدن کی رگ رگ سے کھینچ کر نکالنا۔ یہ سورت اسی نام سے مشہور ہے۔ اس کو سورۃ الساہرۃ اور سورۃ الطامہ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی / ج ۳۰، ص ۲۲)

تعارف وخلاصہ: اس میں دو رکوع، ۴۶ آیات، ۱۷۰ کلمات اور ۷۳۰ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔

(مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۵۳۔ روح المعانی / ج ۳۰، ص ۲۲)

اس میں عقیدہ توحید کا بیان، رسالت کا اثبات، بعث بعد الموت اور حشر ونشر کے دلائل و شواہد مذکور ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے بارے میں منکرین قیامت کے سوال کا جواب اور روز محشر کی حاضری اور وہاں کی کچھ کیفیات کا بیان تھا۔ اس سورت میں خاص طور پر اس بے چینی، اضطراب اور بدحواسی کا ذکر ہے جو قیامت کے روز لوگوں پر طاری ہوگی۔ نیز جزا وسزا اور مومنین ومجرمین کا فرق بھی بیان کیا گیا ہے۔

فرشتوں کی پانچ صفات

۱، ۵۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ
فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ

اور قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو سختی سے جان نکالتے ہیں اور بند کھول دینے والوں کی اور تیزی سے تیرنے والوں کی پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی اور ہر کام کا انتظام کرنے والوں کی (قیامت ضرور آئے گی)۔

النازعٰتِ: سختی سے کھینچنے والیاں، سختی سے نکالنے والیاں، وہ فرشتے جو کافروں کی جانیں سختی کے ساتھ ان کے بدنوں سے کھینچتے ہیں۔ نَزْعٌ و نُزُوْعٌ سے اسم فاعل۔ واحد نَازِعَةٌ

النّٰشِطٰتِ: گرہ کھولنے والے، بند کھولنے والے، اس سے مراد رحمت کے وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روح آسانی سے نکالتے ہیں۔ نَشْطٌ سے اسم فاعل۔ واحد ناشطةٌ

السّٰبِحٰتِ: تیرنے والیاں، کشتیاں، وہ فرشتے جو ارواح کو لے کر اس طرح سہولت اور تیزی سے چلتے ہیں گویا کہ تیر رہے ہیں۔ سَبْحٌ سے اسم فاعل۔ واحد سَابِحَةٌ

المُدَبِّرٰتِ: تدبیر کرنے والیاں، انتظام کرنے والیاں، فرشتوں کی وہ جماعت جو اللہ کی طرف سے کائنات کے انتظام پر مامور ہے۔ تَدْبِیْرٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُدَبِّرةٌ

تشریح: جمہور مفسرین کے مطابق قیامت کی حقانیت بیان کرنے کے لئے سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایسی پانچ صفات کی قسم کھائی ہے جن کا تعلق انسان کی موت اور حالت نزع سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی موت بھی قیامت ہی کا نمونہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

اذا مات احد کم فقد قامت قیامته۔ (کشف الخفاء)

جب تم میں سے کسی کی موت واقع ہوگئی تو گویا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

وہ پانچ صفات یہ ہیں۔

۱۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر روح نکالتے ہیں، اس سے مراد عذاب کے وہ فرشتے ہیں جو کافروں کی روح سختی سے نکالتے ہیں۔ چوں کہ نزع کے وقت کافر کی روح برزخ کا عذاب دیکھ کر گھبرا جاتی ہے اور اس کے بدن میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے اس لئے فرشتے کافر کے بدن میں گھس کر اس کو سختی کے ساتھ کھینچ کر نکال لیتے ہیں جس سے اس کو شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اس تکلیف سے مراد روحانی تکلیف ہے، یعنی اس کی روح کو تکلیف ہوتی ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکل جاتی ہے لیکن یہ آسانی ہمارے دیکھنے کی حد تک ہے ورنہ اس کی روح پر جو سختی ہوتی ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا۔ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو بند کھولنے والے ہیں۔ یہاں وہ فرشتے مراد ہیں جو مومنوں کی روح آسانی اور نرمی سے نکالتے ہیں، گویا کہ وہ مومن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں مومن کی روح اس کے جسم سے نکل کر عالم برزخ کے ثواب اور نعمتوں

کی طرف جلد سے جلد جانا چاہتی ہے، کیوں کہ وہ ان کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کے حصول کے لئے بے تاب ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی آسانی سے مراد روح کی آسانی ہے۔ اگر کسی نیک آدمی کی روح نکلنے کے وقت اس کے جسم پر سختی کے آثار نظر آئیں تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا سکتا کہ واقعتاً اس پر سختی ہو رہی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مومن دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف توجہ کی حالت میں ہوتا ہے تو آفتاب جیسے روشن چہروں والے فرشتے جنتی کفن اور خوشبو لے کر آتے ہیں، اور حد نظر تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل کر چل۔ فوراً جان اس طرح بہہ کر باہر آ جاتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ، ملک الموت اس کو لے لیتا ہے مگر وہ فرشتے لمحے بھر بھی اس کو ملک الموت کے پاس نہیں چھوڑتے اور خود اپنے قبضے میں لے کر اس کو جنتی کفن اور خوشبو میں رکھ دیتے ہیں اور اس سے بہترین مشک کی خوشبو نکلتی ہے۔

اور جب کوئی کافر دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے ٹاٹ لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور حد نظر تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے اے خبیث نفس اللہ کے غضب کی طرف نکل کر چل۔ جان بدن کے اندر دوڑتی پھرتی ہے مگر ملک الموت اس کو اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جسے خاردار تاراون سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ آخر وہ اس کو پکڑ کر نکال لیتا ہے۔ پھر وہ فرشتے لمحے بھر تاخیر کئے بغیر اس کو ملک الموت سے لے لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے مردار جیسی بو نکلتی ہے۔ (مظہری / ج ۱۰، ص ۱۸۵، ۱۸۶)

۳۔ وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو تیرنے والے ہیں یعنی وہ فرشتے جو روح کو تیزی سے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔

۴۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۔ پھر سبقت کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ یہ فرشتے روح کو دربار خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ پھر جب اس روح کو جنت یا جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے تو اس حکم کی تعمیل میں بہت جلدی کرتے ہیں۔

۵۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ پھر اللہ کے حکم کا انتظام کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس روح کو راحت دینے کا حکم ہوگا اس کے لئے راحت کا سامان جمع کرتے ہیں اور جس روح کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لئے عذاب کے اسباب کا انتظام کرتے ہیں۔ روح

گو یہ عذاب وثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب وثواب اس کے بعد ہوگا۔

قیامت کا بھونچال

۶۔۱۴۔ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۙ قُلُوْبٌ
یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ
فِی الْحَافِرَةِ ۙ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۙ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ
خَاسِرَةٌ ۘ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۙ

جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (نفخۂ اولی) اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آ جائے گی (نفخۂ ثانی) اس دن بہت سے دل (ہیبت سے) دھڑک رہے ہوں گے، ان کی آنکھیں (ندامت سے) جھک رہی ہوں گی۔ وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ کیا ہم پھر الٹے پاؤں لوٹیں گے (پھر زندہ کئے جائیں گے)۔ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (پھر زندہ کئے جائیں گے)۔ وہ کہتے ہیں پھر تو یہ واپسی بڑے خسارے کی ہوگی۔ سو وہ تو صرف ایک خوفناک آواز ہوگی جس سے وہ سب میدان (حشر) میں آ جمع ہوں گے۔

الرَّاجِفَةُ: ہلا دینے والی، کانپنے والی، لرزنے والی۔ قیامت کا نفخۂ اولی مراد ہے۔ رَجْفٌ و رُجُوْف سے اسم فاعل۔

الرَّادِفَةُ: پیچھے آنے والی، نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔ رَدْفٌ سے اسم فاعل۔

وَاجِفَةٌ: دھڑکنے والی، کانپنے والی، مضطرب۔ وَجْفٌ سے اسم فاعل۔

الحَافِرَة: پہلی حالت پر لوٹنا، الٹے پاؤں، قبر کی زمین، کھدی ہوئی زمین۔ حَفْرٌ سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

نَخِرَةً: بوسیدہ۔ ریزہ ریزہ۔ نَخْرٌ سے صفت مشبہ۔

كَرَّةٌ: لوٹ جانا (دنیا میں)، پھر جانا، واپس جانا۔ مصدر کَرَّةٌ

زَجْرَةٌ: ڈانٹ، تہدید، جھڑکی، ہیبت ناک آواز۔

السَّاھِرَۃِ: میدان، صاف ہموار زمین۔

شانِ نزول: سعید بن منصور نے محمد بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیتِ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَۃِ نازل ہوئی تو کافر قریش کہتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندہ کیا گیا تو ہم بہت خسارے میں رہیں گے۔ اس پر آیت قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ نازل ہوئی۔

(باب النقول فی اسباب النزول، ۔سیوطی)

تشریح: بے شک قیامت آ کر رہے گی، وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ ایک ہلا دینے والی چیز یعنی نفخۂ اولیٰ ہر چیز کو ہلا کر رکھ دے گا۔ اس دن زمین و پہاڑ، حجر و شجر، بحر و بر ہر چیز لرز رہی ہوگی اور بالآخر فنا ہو جائے گی۔ پھر اس نفخۂ اولیٰ کے چالیس سال بعد دوسرا نفخہ ہوگا (دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا) جس سے تمام مخلوق زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو جائے گی۔

پہلے نفخے کو راجفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی بار صور پھونکنے سے زلزلہ آ جائے گا اور ہر چیز ہل جائے گی اور مخلوق مر جائے گی، دوسرے نفخہ کو رادفہ اس لیے کہا کہ وہ پہلے کے پیچھے آئے گا۔

ابن مبارک نے حسن بصری کا مرسل قول نقل کیا ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کی مدت ہوگی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس کی مدت ہوگی۔ لوگوں نے پوچھا اے ابو ہریرہ کیا چالیس دن کی میعاد ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا تو چالیس مہینے ہوں گے، حضرت ابو ہریرہ نے کہا مجھے اس سے بھی انکار ہے، پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگ (قبروں سے) ایسے اگیں گے جیسے سبزی اگتی ہے۔ (مظہری/ ج۱۰، ص۱۸۸)

اس روایت میں چالیس کا لفظ تو ہے مگر سال کا ذکر نہیں لیکن حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی دوسری روایت میں جس کو ابن ابی داؤد نے البعث میں لکھا ہے چالیس سال کے الفاظ آئے ہیں۔

قیامت کے روز جب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو اس کے جلال و غضب اور جہنم کے خوف کے سبب ان کے دل اضطراب و بے چینی سے کانپ رہے ہوں گے اور شرم و ندامت اور خوف و ہراس کی وجہ سے آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور کسی کو نگاہ اوپر کر کے دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوگی۔ کافروں کو دنیا میں جب قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، حساب و کتاب اور جزا و سزا کے

بارے میں بتایا جاتا تھا کہ تو وہ تمسخر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں چلے جانے اور جسم اور ہڈیوں کے گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ دوسری زندگی تو ہمارے لئے بڑے خسارے کی ہوگی، کیوں کہ اس کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ جس کام کو یہ کافر بڑا بھاری اور ناممکن ومحال سمجھ رہے ہیں وہ ہمارے لئے بہت ہی معمولی کام ہے۔ ادھر ایک آواز دی یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا، ادھر سب اگلے پچھلے زندہ ہو کر حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔ جیسے گویا سوتے ہوئے لوگوں کو جگا دیا گیا ہو۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ

۱۵،۲۶۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ
طُوًى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ
تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝
فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا
رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝

کیا آپ کو (حضرت) موسیٰ کی خبر پہنچی جب ان کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں ان کو پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ، بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے، پھر اس سے کہو کہ کیا تو اپنی اصلاح چاہتا ہے اور میں تجھے تیرے رب کا راستہ دکھاؤں تا کہ تجھ میں اللہ کا خوف پیدا ہو۔ سو (حضرت موسیٰ نے) اس کو بڑی نشانی دکھائی۔ پھر بھی اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر وہ الگ ہٹ کر (موسیٰ کے خلاف) کوشش کرنے لگا کہ میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ پھر اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کی سزا میں پکڑ لیا۔ بے شک خوف

خدا رکھنے والوں کے لئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔

حَدِیۡثُ: بات، خبر، قصہ۔ جمع اَحَادِیۡثُ

الوَادِ: دو پہاڑوں کے درمیان کا میدان، وادی، راستہ۔ یہاں مقدس وادی طویٰ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی۔ جمع اَوۡدِیَۃٌ

طویٰ: وادیٔ طویٰ، وہ مقام جہاں مدین سے واپس آتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام کیا تھا۔ اسی مقدس وادی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی۔

حَشَرَ: اس نے اکٹھا کیا، اس نے جمع کیا۔ حَشۡرٌ سے ماضی۔

نَکَالَ: ایسا عذاب جو باعث عبرت ہو، سزا۔ اسم ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین ومنکرین کی طرف سے تکذیب وانکار اور ایذا رسانی صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں بلکہ آپ سے پہلے جو انبیائے علیہم السلام گزرے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جاتی رہی اور ان کو بھی تکلیفیں دی جاتی رہیں۔ جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر سے کام لیتے رہیے۔ جب فرعون اپنے کفر وانکار میں حد سے بڑھتا چلا گیا تو اس کی قوت اور کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا۔ یہ مشرکین مکہ مال ودولت اور قوت وکثرت میں فرعون کے برابر نہیں اس لئے ان کو اس واقعے سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کے معاملات سے عبرت حاصل کرے۔

ایک روز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طویٰ کی مقدس وادی میں پکار کر ان سے کلام کیا اور ان کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دو۔ بلاشبہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تو کفر ونافرمانی اور غرور وتکبر کی گندگی سے پاک ہو کر راہ راست پر آنا نہیں چاہتا؟ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجھے اس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت پیدا ہو جائے گی اور تیری زندگی سنور جائے گی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانے کے ساتھ ساتھ فرعون کی اصلاح بھی تھا۔ چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اسے دعوت ایمان دی، اور حجت قائم کرنے کے لئے اس کو عظیم الشان معجزے

دکھائے جو واضح طور پر حضرت موسیٰ کی صداقت بتا رہے تھے لیکن اس نے تکذیب و نافرمانی کی اور وہ حق سے منہ موڑ کر حق کے خلاف ساحروں کو جمع کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ پھر اس نے حضرت موسیٰ کو نیچا دکھانے کے لئے بے شمار ساحر جمع کر لئے اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ میں ہی تمہارا سب سے اعلیٰ پروردگار ہوں اور میں ہی سب پر غالب ہوں۔ مجھ سے اوپر تمہارا کوئی رب نہیں۔ یہ موسیٰ کہاں سے آ گیا؟ اس کو کس نے بھیجا؟

فرعون اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی سزا میں پکڑ لیا۔ دنیا میں یہ سزا دی کہ اس کو پانی میں غرق کر دیا اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ وہاں جہنم اس کی منتظر ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ جلتا رہے گا۔ بیشک اس قصے میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کا سامان ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف و خشیت ہو۔

قدرتِ کاملہ کے دلائل

۲۷۔۳۳۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

کیا تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا جس کو اس (اللہ) نے بنایا۔ اسی نے اس کا درمیانی حصہ بلند کیا اور اس کو ٹھیک ٹھیک بنایا، اور اس کی رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔ اسی نے (زمین سے) پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا (یہ سب) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے ہے۔

سَمْكَهَا: اس کا ابھار، اس کی چھت، اس کی بلندی۔

اَغْطَشَ: اس نے ڈھانپ دیا، اس نے تاریک بنایا، اِغْطَاشٌ سے ماضی۔

ضُحٰهَا: اس کی دھوپ، اس کی روشنی، چاشت کا وقت، اس کا دن۔

دَحٰهَا: اس نے اس کو بچھا دیا، اس نے اس کو پھیلایا، اس نے اس کو ہموار کیا۔ دَحْوٌ سے ماضی،

مَرْعٰهَا: اس کی چراگاہ، چارہ۔ رَعْیٌ سے اسم ظرف مکان۔

اَرْسٰهَا: اس نے اس کو گاڑ دیا، اس نے اس کو قائم کر دیا، اس نے اس کو جما دیا۔ اِرْسَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آسمان و زمین کی موجودات کی تخلیق تمہاری تخلیق سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ انسان تو کائنات ساوی کا جز ہے اور جز کی تخلیق کل کی تخلیق سے بدیہی طور پر آسان ہوتی ہے۔ نیز انسان تو پہلے ہی تخلیق ہو چکا ہے اس لئے قیامت کے روز اس کو دوبارہ تخلیق کرنا تو پہلی تخلیق کے مقابلے میں بہت ہی آسان ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن: ۵۷)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ بھاری ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ضرور قادر ہے اور وہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (یٰسٓ: ۸۱)

پس جو ذات کسی چیز کو ابتدا میں پیدا کر سکتی ہے اس کے لئے اس کو دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جب کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس کو کسی قسم کے آلات، مشینری اور دیگر سامان وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ''ہوجا'' بس وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ یعنی کسی چیز کی تخلیق کے لئے صرف اس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

بے شک جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہوجا سو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (یٰسٓ: ۸۲)

اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان کو وسیع اور بلند و بالا بنایا، زمین سے اس کی بلندی لاکھوں کروڑوں میل ہے۔ نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے اور نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ نہ اس میں کہیں کوئی شگاف ہے اور نہ ٹیرھا ترچھا پن بلکہ وہ خوب کشادہ، مضبوط، صاف، بالکل برابر و ہموار اور مرتب و منظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسے ستارے جڑ دیئے جو اندھیری راتوں میں خوب چمکتے ہیں۔ اسی نے رات کو تاریک اور دن کو روشن اور نور والا بنایا۔ پھر آسمان کو سنوارنے اور سجانے کے بعد اس کے نیچے زمین کو ہموار کر کے بچھا دیا اور انسانوں اور کل جانداروں کے فائدے کے لئے اس سے دریا اور چشمے جاری کر کے سبزہ پیدا کر دیا۔ پھر پہاڑوں کو زمین پر خوب مضبوط گاڑ دیا تاکہ وہ ڈگمگائے نہیں اور انسان اور کل جاندار اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ جانور بھی انسان ہی کے فائدے کے لئے ہیں کیوں کہ وہ ان میں سے بعض کا گوشت کھاتا ہے، بعض پر سواری کرتا ہے اور ان سے بار برداری کا کام لیتا ہے، اور دنیا میں اپنی زندگی نہایت سکون و اطمینان سے بسر کرتا ہے۔

پس چاند اور سورج کا طلوع و غروب ہونا، دن رات کا تبدیل ہونا اور ستاروں کی گردش وغیرہ کا سارا نظام فلکیات ایسا محکم و منظم ہے کہ دیکھنے والا اس کے صانع اور خالق کی حکمت اور کمال قدرت پر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سو جس ذات نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم مخلوق کو پیدا کیا ہے اس کے لئے مرنے کے بعد انسان کی بوسیدہ ہڈیوں اور منتشر و متفرق جسمانی اجزا کو جوڑ کر دوبارہ پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں جب کہ وہ اس کو ایک بار پیدا بھی کر چکا ہو۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۶۸، ۴۶۹۔ عثمانی/ ج ۲، ص ۷۷۸، ۷۷۹)

دوزخ کا منظر عام پر آنا

۳۴-۳۶۔ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾

جب وہ بڑا ہنگامہ (قیامت کا دن) آئے گا تو اس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور جہنم ہر دیکھنے والے کے سامنے کر دی جائے گی۔

الطَّامَّةُ: بڑی مصیبت، بڑا حادثہ، قیامت۔ طَمٌّ سے اسم فاعل، طَمٌّ کا معنی ہے غلبہ۔ سمندر کو اسی

لئے طَمٌّ کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ عرب نا قابل برداشت مصیبت کو الطامۃ کہتے ہیں۔ قیامت کو بھی طامہ اسی لئے کہتے ہیں کہ قیامت کا حادثہ تمام حوادث و مصائب پر غالب ہے، یعنی سب سے بڑی مصیبت ہے۔

بُرِّزَتْ: وہ ظاہر کر دی گئی۔ تَبْرِیْزٌ سے ماضی مجہول۔

اَلْجَحِیْمُ: دوزخ، دہکتی ہوئی آگ۔ جُحُوْمٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: جس نے آسمانوں، زمین، چاند اور سورج، تارے، دن، رات اور پہاڑوں اور سمندر کو تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے پیدا کیا اس منعم حقیقی کی قدرت کے اقرار کے ساتھ ساتھ ہر وقت اور ہر حال میں اس کا شکر کرتے رہنا چاہئے ورنہ جب قیامت آئے گی تو اس دن انسان کو اپنے تمام اچھے برے اعمال جو وہ دنیا میں کر کے بھول گیا سب یاد آ جائیں گے اور ان اعمال کا نیک و بد نتیجہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ اس وقت وہ اپنے انجام کو دیکھ کر کافی نصیحت حاصل کرے گا اور پچھتائے گا لیکن اس وقت کا نصیحت حاصل کرنا اور پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ (الفجر،۲۳)

اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اب نصیحت کا کیا فائدہ۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز جہنم لوگوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی اور ہر شخص بلا کسی رکاوٹ کے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔ کافروں کو اس منظر سے ہول اور اضطراب ہوگا۔ وہ اپنے نامۂ اعمال میں ہر چھوٹے بڑے عمل کو دیکھ کر مایوس ہوں گے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسا اعمال نامہ ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتا ہے اور نہ بڑی کو جو اس میں نہ آ گئی ہو، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے موجود پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (الکہف:۴۹)

اس کے برعکس مومنین اپنے رب کی رحمت سے نجات کے امیدوار ہوں گے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا

۳۷۔۴۱۔ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۞ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۞

جس نے (دنیا میں) سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور (اپنے) نفس کو (بری) خواہش سے روکے رہا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

اٰثَرَ: اس نے ایثار کیا، اس نے ترجیح دی، اس نے پسند کیا۔ ایثارٌ سے ماضی۔

اَلْهَوٰى: نفسانی خواہش، ناجائز رغبت۔ جمع اَهْوَاءٌ

شانِ نزول: ضحاک نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہ دو آیتیں حضرت مصعب اور ان کے کافر بھائی ابوعزیز کے حق میں نازل ہوئیں، بدر کے روز انصار نے ابوعزیز کو گرفتار کیا۔ اس نے کہا کہ میں (حضرت) مصعب کا بھائی ہوں۔ یہ سن کر انصار نے ان کے بند کھول دیئے اور اس کا اکرام کیا اور آرام سے سلا دیا۔ صبح کو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے (واقعہ) بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی مومنین ہیں۔ وہ میرا بھائی نہیں۔ تم اپنے قیدی کو مضبوط باندھو۔ اس کی ماں کے پاس اہل بطحا میں سب سے زیادہ مال و دولت ہے۔ انصار نے ابوعزیز کو مضبوط باندھ دیا۔ آخر اس کی ماں نے فدیہ بھیج کر اس کو چھڑایا، یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں آیت فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ہے اور آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں ابوجہل اور حضرت مصعب بن عمیر کے بارے میں نازل ہوئیں، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی آیت نضر اور اس کے بیٹے حرث کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر و سرکشی اور حد سے تجاوز کرنے میں مشہور تھے۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۳۶، ۳۷۔ مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۱۰)

تشریح : قیامت کے دن سرکشوں، حد سے نکلنے والوں اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ کی روایت میں ہے کہ جو اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو پیچھے ڈال دے گا، اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو پیچھے کر دے گا۔ سوتم فانی کے مقابلے میں باقی کو اختیار کرو۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۱۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتا تو وہ دن رات عیش و آرام کے اسباب جمع کرنے میں لگا رہتا ہے خواہ وہ حرام سے حاصل ہوں یا حلال سے۔ پھر وہ جھوٹ کی پرواہ کرتا ہے نہ دھوکہ دہی سے بچتا اور ظلم و زیادتی سے رکتا ہے۔ بس ہر وقت مال و زر اور زمین و جائیداد بنانے کی فکر میں رہتا ہے۔ نہ اس کو نماز روزے کی فرصت اور نہ کسی نیک کام کی مہلت۔ آخر اسی حال میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا جس سے اس کو کبھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔

اس کے برعکس جو شخص قیامت کے روز حساب و کتاب کے لئے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اس خیال کو دل میں پختہ کر لیا تو وہ نفسانی خواہشات اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور احکام الٰہی کے تابع رہے گا۔ ایسے پاک لوگوں کا ٹھکانا جنت ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور انہیں ہر قسم کی نعمتیں ملیں گی۔ جو کبھی کم ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔

قیامت قائم ہونے کا وقت

۴۲، ۴۶۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۞ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ
ذِكْرٰىهَا ۞ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۞ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۞
كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۞

لوگ آپ سے قیامت قائم ہونے کا وقت پوچھتے ہیں۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق، آپ کے رب ہی کی طرف اس کی انتہا ہے۔ آپ کا کام تو صرف اس کو ڈرانا ہے جو اس سے ڈرتا ہو، جس دن یہ اس کو دیکھ لیں گے تو (ان کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا صبح ہی رہے تھے۔

اَیَّانَ: کب۔حرف استفہام زمانی۔

مُرْسٰی: رکنا، ٹھہرنا، جمنا۔ اِرْسَاءٌ سے مصدر میمی۔

یَلْبَثُوْا: وہ ٹھہرتے ہیں، وہ رہتے ہیں۔ لُبْثٌ سے مضارع۔

ضُحٰی: دن کی روشنی، دن چڑھے، چاشت کے وقت، صبح کے وقت۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے ضحاک کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے استہزاء کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔اس پر آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ سے سورت کے آخر تک نازل ہوئی۔

طبرانی اور ابن جریر نے طارق بن شہاب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے قیامت کا ذکر فرمایا کرتے تھے اس پر آیت فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰھَا اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھٰھَا نازل ہوئی۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۱۵۹۔ باب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی آپ اس کو بیان کرنے کی فکر میں نہ پڑیں، یہ آپ کا کام نہیں۔مخلوق میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔اس کا صحیح اور معین وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔(لقمان: ۳۴)

آپ کو قیامت کا وقت بیان کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، بلکہ اس لئے بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو قیامت کے شدائد اور مصائب سے ڈرائیں اور ان کی غفلت کو دور کر دیں۔آپ کا ڈرانا صرف اسی کو نفع دے گا جو اس ہیبت ناک دن پر ایمان رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ ایک روز اسے اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اچھے برے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔سو جو لوگ قیامت کے آنے کا یقین رکھتے ہیں وہ اس کی تیاری کر لیں گے اور اس کے مصائب سے بچ جائیں گے۔اور جو لوگ آپ کی بات نہیں مانیں گے بلکہ آپ کی مخالفت کریں گے اور قیامت کو جھٹلائیں گے تو وہ اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذابوں میں گرفتار ہوں گے، جس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔اس وقت ان کو اپنی دنیا کی زندگی بہت مختصر نظر آئے گی اور ان کو ایسا محسوس ہوگا کہ صرف صبح یا شام کا کچھ حصہ دنیا میں گزارا ہے۔

سورۂ عبس

وجہ تسمیہ: اس کو سورۂ عبس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب عبوس یعنی ترش روئی تھی۔ اس کو سورۃ الصاخۃ، سورۃ السفرۃ اور سورۃ الاعمٰی بھی کہتے ہیں۔

(حقانی/ ج ۵، ص ۲۳۶، روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۳۹)

تعارف و خلاصہ: اس میں ۴۲ آیات، ۱۲۰ کلمات اور ۳۳۰ حروف ہیں۔ ابن عباس اور ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی وغیرہ نے کہا کہ یہ سورت بالاجماع مکیہ ہے۔ (مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۱۵)

اس میں رسالت کا اثبات، قیامت بعث بعد الموت اور دلائل قدرت کا بیان ہے۔

حصول علم کا شوق اور خشیت

۱، ۱۶۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝۳
اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝۴ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝۵ فَاَنْتَ
لَهٗ تَصَدّٰى ۝۶ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝۸
وَهُوَ يَخْشٰى ۝۹ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝۱۰ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝۱۱ فَمَنْ شَآءَ
ذَكَرَهٗ ۝۱۲ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝۱۳ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝۱۴ بِاَيْدِيْ
سَفَرَةٍ ۝۱۵ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝۱۶

اس نے ترش رو ہو کر منہ موڑ لیا، (اس بات پر) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا، اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (نابینا آپ کی تعلیم سے) سنور جاتا یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی، لیکن جو (دین) کی پرواہ نہیں کرتا آپ اس کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں، حالانکہ اس کے درست نہ ہونے کا

آپ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص (دین کے لئے) آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (اللہ سے) ڈرتا (بھی) ہے تو آپ نے اس سے بے رخی کی۔ یہ مناسب نہیں، یہ قرآن تو نصیحت ہے اب جو چاہے اسے یاد کر لے، یہ معزز اوراق میں (لکھا ہوا) ہے، جو بلند مرتبہ اور پاک صاف ہیں (یہ قرآن) ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو بزرگ اور نیک ہیں۔

عَبَسَ: وہ ترش رو ہوا، اس نے منہ بنایا، اس نے تیوری چڑھائی۔ عَبْسٌ وعُبُوْسٌ سے ماضی۔

یُدْرِیْ: وہ جتاتا ہے، وہ آگاہ کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے۔ اِدْرَاءٌ سے مضارع۔

تصدّی: تو توجہ کرتا ہے، تو فکر میں ہوتا ہے، تو پیچھے لگتا ہے۔ تَصَدِّیْ سے مضارع۔ اصل میں تتصدی تھا ایک تا حذف ہوگئی۔

سَفَرَۃٍ: لکھنے والے، قاصد، سفیر۔ واحد سَافِرٌ۔ یہ سَافِرٌ کی جمع بھی ہوسکتی ہے جس کے معنی کاتب کے ہیں، اس صورت میں اس سے مراد فرشتے ہوں گے جو اس کو لوح محفوظ سے صحف میں نقل کرتے ہیں۔ سفیر بمعنی قاصد کی جمع بھی ہوسکتی ہے، اس صورت میں اس سے پیغام لانے والے فرشتے یا انبیاء علیہم السلام اور وحی کی کتابت کرنے والے حضرات صحابہ ہوں گے۔

شان نزول: ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی حضرت ابن ام مکتوم نابینا رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دین سکھائیے۔ اس وقت زعمائے مشرکین میں سے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ مشرکین کی طرف متوجہ رہے اور ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہیں فرمائی، وہ کہنے لگے کہ کیا آپ کو میری بات سے کچھ حرج ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰیO اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰیO (باب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ آپ کے پاس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے اور فرماتے مرحباً بمن عاتبنی فیہ ربی۔

تشریح: قریش کے کچھ سردار، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب،

امیہ بن خلف، اور ولید بن مغیرہ وغیرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ ان کو تبلیغ دین کرنے میں مصروف تھے کہ ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتومؓ آگئے جو دین سیکھنے کے لئے اکثر آتے رہتے تھے۔ انہوں نے آتے ہی قرآن کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ نابینا ہونے کی بنا پر ان کو معلوم نہ تھا کہ آپ دوسری طرف متوجہ ہیں، اس لئے وہ آپ کو بار بار اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ طرز عمل ناگوار گزرا اور آپ کی پیشانی مبارک پر بل پڑ گئے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن ام مکتوم پکے مسلمان تھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اس لئے وہ کسی دوسرے وقت میں بھی سوال کر سکتے تھے۔ اس کے برخلاف قریش کے رؤسا نہ تو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا جا سکتا تھا۔ اس وقت چوں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کی گفتگو نہایت توجہ سے سن رہے تھے اس لئے ان کے ایمان لانے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اگر آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹاتے تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ آپ کے دوبارہ مخاطب ہونے سے پہلے ہی اٹھ کر چلے جاتے اور ان کے ایمان کی جو امید تھی وہ ختم ہو جاتی۔ اگر یہ سردار مسلمان ہو جاتے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ مسلمان ہو جاتے اور اسلام کا دائرہ وسیع ہو جاتا۔ انہی مقاصد کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کی طرف سے منہ پھیر لیا اور ناگواری کا اظہار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو ناپسند فرمایا لیکن آپ کو براہ راست خطاب نہیں فرمایا بلکہ آپ کی تکریم اور بزرگی کے اظہار کے لئے غائب کا صیغہ استعمال فرمایا کہ ایک نابینا کے آنے پر اس نے اس سے ترش رو ہو کر ناگواری سے منہ پھیر لیا، حالانکہ وہ طالب صادق تھا۔ اور اس نے آپ ﷺ سے دین کی بات پوچھی تھی، تاکہ وہ اپنے نفس کو پاکیزہ کرے۔ آپ کو اس کی معذوری کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ آپ کو کیا معلوم شاید آپ کی توجہ اور نصیحت سے اس کا حال سنور جاتا اور توفیق الٰہی سے اس کا نفس کامل طور پر پاک ہو جاتا۔ اور جو کافر و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے وہ تو اپنے غرور و تکبر اور مال و دولت کے سبب اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے گریز کرتے ہیں اور آپ سے بے رخی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی مغرور و متکبر کو ہدایت نہیں دیتا۔ آپ ایسے بدکرداروں کے لئے تو فکر مند ہیں کہ وہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں حالانکہ آپ کا کام تو صرف انجام سے خبردار کرنا اور اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اگر یہ مغرور کافر پھر بھی ایمان و توحید سے پاکیزگی حاصل نہ کریں تو اس کی

ذمے داری آپ پر نہیں اور نہ آپ پر اس بات کا الزام ہے کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوئے۔

اس کے برعکس جو شخص دل میں اللہ کا خوف و خشیت لئے ہوئے حصول علم دین کے شوق میں دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا، اس کی طرف آپ توجہ نہیں دیتے۔ آئندہ ہرگز ایسا نہ کیجئے، کیوں کہ قرآن تو محض ایک نصیحت کی چیز ہے، سو جس کا دل چاہے اس کو قبول کرے اور یاد کرے اور جو اس کو قبول نہیں کرے گا وہ اپنے نفع و نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔ یہ قرآن مجید تو وہ ہے جو اس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جس میں دیگر صحفِ آسمانی مکتوب ہیں۔ خود اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول و مکرم ہے۔ عالی شان اور نہایت پاکیزہ ہے، اور فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہے، اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہے، کسی ناپاک مرد و عورت اور بے وضو کے لئے اس کو چھونا جائز نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے:

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ (واقعہ، ۷۹)

اس کو پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس کی مہارت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو مشقت کے باوجود پڑھے اسے دوہرا اجر ملے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۷۲، ۶۷۵، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۱۶، ۱۲۴)

بعث بعد الموت کے منکرین کی مذمت

۱۷، ۲۳۔ قُتِلَ ٱلْإِنسَٰنُ مَآ أَكْفَرَهُۥ ۝ مِنْ أَىِّ شَىْءٍ خَلَقَهُۥ ۝ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُۥ فَقَدَّرَهُۥ ۝ ثُمَّ ٱلسَّبِيلَ يَسَّرَهُۥ ۝ ثُمَّ أَمَاتَهُۥ فَأَقْبَرَهُۥ ۝ ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنشَرَهُۥ ۝ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهُۥ ۝

خدا کی مار! انسان بھی کیسا ناشکرا ہے۔ اللہ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا، اس کو ایک حقیر قطرے سے پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی، پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا، پھر اس کو موت دی اور قبر میں رکھوا دیا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔ ہرگز نہیں! (اللہ نے) اس کو جس چیز کا

حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا نہیں کیا۔

قَدَّرَ: اس نے اندازہ کیا، اس نے تجویز کیا، اس نے غور وفکر کیا۔ تقدِیرٌ سے ماضی۔

اَنْشَرَ: اس نے زندہ کر دیا، اس نے اٹھایا، اس نے پھیلایا۔ اِنشارٌ سے ماضی۔

یَقْضِ: وہ پورا کرتا ہے، وہ ادا کرتا ہے، وہ تمام کرتا ہے۔ قَضاءٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن المنذر نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ آیت قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں (اس وقت) نازل ہوئی جب اس نے کہا کہ میں ستارے کے رب کا انکار کرتا ہوں۔ (باب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور اس کو ناممکن و محال سمجھتے تھے، چناں چہ انسان کی اصلیت جتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی ہے کہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے غرور و سرکشی کی کوئی حد نہیں۔ کیا وہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتا۔ وہ اس پر غور کیوں نہیں کرتا کہ اللہ نے اس کو کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے پیدا کیا ہے؟ جس میں عقل و شعور، شکل و صورت، حسن و جمال اور فہم و ادراک کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ سب کچھ اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ اسی نے رحم مادر کے اندر اس کے اعضا یعنی ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک وغیرہ اور جسم کو ایک خاص اسلوب اور بہترین اندازے سے بنایا کہ کوئی چیز بے تکی اور غیر مناسب نہیں بلکہ اس کو احسن تقویم اور بہترین پیکر جسمانی عطا کیا اور اس کی تقدیر مقرر فرما دی، یعنی فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے لئے چار باتیں لکھ دیں۔ ۱۔ عمل کی مقدار، ۲۔ عمر، ۳۔ رزق، ۴۔ شقی یا سعید ہونا۔ پھر اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ تنگ ہونے کے باوجود آسان کر دیا اور سہولت کے ساتھ پیدائش ہو گئی، اور ماں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور کتابیں بھیج کر اس کے لئے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی ظاہر اور واضح کر دیا، جیسے ارشاد ہے:

اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۝ (الدھر: ۳)

بے شک ہم نے انسان کے لئے صاف اور سیدھا راستہ کھول دیا ہے، اب چاہے وہ ہماری ہدایت کا شکر کرے (قبول کرے) اور چاہے ناشکری کرے۔ (اس نعمت کو ٹھکرا دے)

پھر اللہ تعالی نے اُس کی زندگی کی مقررہ مدت پوری ہونے پر اس کو موت دی اور موت کے بعد اس کو جانوروں کی طرح یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ زمین پر پڑا سڑتا رہے اور اس کو کتے بلیاں، چیل کوے اور گدھ کھاتے رہیں، بلکہ اس کا اکرام کیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے احکام و ہدایات کے تحت قبر میں داخل کرایا، تاکہ زندوں کے سامنے بھی اس کی لاش کی بے حرمتی نہ ہو۔ پھر جب اللہ چاہے گا اپنی قدرت کاملہ سے اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا، کیوں کہ جو خدا تخلیق اول کی قدرت رکھتا ہے وہ اس کو قبر سے زندہ اٹھانے کی بھی قدرت رکھتا ہے، یہ بات وہ اپنے پیغمبروں کے ذریعے پہلے ہی بتا چکا ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تم انسان بن کر چلتے پھرتے ہو۔ (روم: ۲۰)

اور ارشاد ہے:

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ

اور تو ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح جوڑتے ہیں پھر (کس طرح) ان کو گوشت پہناتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۵۹)

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر دوبارہ ترکیب دیا جائے گا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۷۲)

افسوس! کہ ان تمام روشن دلائل و حقائق کو جاننے کے باوجود انسان نے اپنے رب کا حق نہیں پہچانا، اور اس کو جو حکم دیا گیا تھا اس کو اب تک بجا نہیں لایا یعنی نہ ایمان لایا اور نہ اس کا شکر کیا۔

اللہ کا احسان و انعام

۲۴، ۳۲۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاۗءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝

وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝

انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے خوب پانی برسا کر زمین کو جا بجا پھاڑا، اور اس میں اناج اگایا اور انگور اور سبزی اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لئے۔

صَبَبْنَا: ہم نے اوپر سے ڈالا، ہم نے اوپر سے بہایا، ہم نے برسایا۔ صَبٌّ سے ماضی۔

شَقَقْنَا: ہم نے پھاڑا، ہم نے چیرا۔ شَقٌّ سے ماضی۔

قَضْبًا: ترکاری، سبزی، وہ سبز چارہ جسے جانور کھاتے ہیں۔

حَدَائِق: باغات، وہ باغ جس کی چار دیواری بنی ہوئی ہو، ہر وہ باغ جو گھنا، بھرا ہوا، گہرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو۔

غُلْبًا: گنجان، گھنے درختوں والا باغ، کھجور کے بڑے بڑے پھل دار درخت۔ واحد غُلْبَاءُ

اَبًّا: گھاس، چارہ، زمین کا وہ سبزہ جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے جیسے گھاس وغیرہ، اَبّ جانور کے لئے ایسا ہی ہے جیسے انسان کے لئے پھل۔ جمع اَوُبٌ

تشریح: انسان کو آغازِ حیات سے آخرِ حیات تک اپنے اوپر گزرنے والے مختلف ادوار میں غور کرنا چاہئے پھر اپنی غذاؤں کو بھی دیکھے کہ ہم نے کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے اس کی روزی کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اس میں بھی موت کے بعد زندہ ہونے کی دلیل ہے کہ جس طرح ہم نے خشک اور غیر آباد زمین سے تروتازہ درخت اور پودے اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لئے غذا مہیا کی، اسی طرح گلی سڑی اور ریزہ ریزہ شدہ ہڈیوں کو گوشت پوست پہنا کر تمہیں دوبارہ زندہ کر دیں گے۔

یہ سب تمہاری نظروں کے سامنے ہے کہ ہم ہی نے آسمان سے بارش برسائی۔ پھر اس پانی کو زمین میں پہنچایا جس سے زمین میں پڑے ہوئے بیجوں اور دانوں میں کونپلیں نکلیں، پودے بنے اور کھیتیاں لہلہانے لگیں، کہیں غلہ پیدا ہوا، کہیں انگور اور کہیں سبزیاں، کہیں زیتون پیدا ہوا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے اور اس کا تیل بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور کہیں کھجور کے درخت اور گھنے باغات پیدا ہوئے، اور مزید ار پھل اور چارہ پیدا ہوا۔ یہ سب تمہاری زندگی قائم رکھنے، تمہیں فائدہ

پہنچانے اور تمہارے جانوروں کے لئے ہے۔ قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور تم اس سے فائدہ اٹھاتے رہو گے، ان سب کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان کر ہمہ تن اس کی اطاعت وفرماں برداری میں لگ جاتا، مگر یہ اس کی انتہائی بدنصیبی اور محرومی ہے کہ وہ ان چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتا اور اپنی زندگی غفلت و نافرمانی میں گزار دیتا ہے۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۷۲، ۴۷۳)

قیامت کے احوال

۴۲،۳۳۔ فَإِذَا جَاۗءَتِ الصَّاۗخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ۝ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ أُولٰۗئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝

پھر جب وہ کان پھاڑنے والی (قیامت) آئے گی تو اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے (دور) بھاگے گا۔ اس دن ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پرواہ کردے گی۔ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے اور شادمان، اور اس دن بہت سے چہرے غبار آلود ہوں گے، ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کافر و بدکار ہیں۔

الصَّاخَّةُ: بڑی سخت آواز، بہرا کردینے والی آواز یعنی نفخہ صور۔ وہ شور جو قیامت کے دن ہوگا اور بہرہ کردے گا۔ صَخٌّ سے اسم فاعل۔

شَأْنٌ: حالت، مشغلہ، فکر، اہم معاملہ، جمع شُئُوْنٌ

مُسْفِرَةٌ: چمکنے والی، روشن۔ اِسْفَارٌ سے اسم فاعل۔

تَرْهَقُ: وہ ڈھانکتی ہے، وہ چھا جاتی ہے۔ وہ چڑھ جاتی ہے۔ رِهَقٌ سے مضارع۔

قَتَرَةٌ: غبار (غم کا)، سیاہی، کدورت، بے رونقی۔

تشریح: جب قیامت آجائے گی اور صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن بدحواسی اور بے چینی کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان اپنے بھائی اور ماں باپ حتیٰ کہ اپنی بیوی اور اولاد سے بھی بھاگے گا، جو دنیا میں اس کو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھے، اس دن سب کا حال ایسا ہوگا کہ وہ ایک دوسرے سے بیگانہ ہو جائیں گے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر لگی ہوگی۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ نہ دوست واحباب اور اقارب کی طرف توجہ ہوگی، اور نہ وہ ان کی طرف رخ کرے گا جو زندگی میں اسے محبوب تر تھے۔ الغرض دوست و اقارب سب ایک دوسرے سے منہ چھپاتے پھریں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ (اس روز لوگ) اولوالعزم پیغمبروں سے شفاعت کی خواہش کریں گے اوران میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں خدا سے اپنی جان کے سوا اور کسی کے لئے کچھ نہ کہوں گا۔ میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں۔

وہ دن یوم الحساب ہوگا ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس روز بعض چہرے روشن، مطمئن ہنستے ہوئے اور شگفتہ ہوں گے۔ اپنے رب کے انعام اور اپنی مغفرت پر شاداں وفرحاں ہوں گے۔ یہ جنتی لوگ ہوں گے۔ اس دن بعض چہرے غبار آلود ہوں گے۔ کفر و نافرمانی کی کدورت اور بداعمالیوں کی سیاہی اور نحوست ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ کافر اور بدکار لوگ ہوں گے جو دنیا میں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے۔ اب یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

سورۃ التکویر

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ کُــوِّرَتْ آیا ہے۔ جس کے معنی بے نور و بے کار ہونے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ کُوِّرَت اور سورۃ التکویر ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۹ آیتیں، ۱۰۴ کلمات اور ۴۳۴ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجرت مدینہ سے پہلے آپ کے قیام مکہ کے زمانے میں نازل ہوئی۔

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ قیامت کا منظر یہاں اس طرح دیکھے کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے تو اس کو چاہئے کہ اذا الشمس کورت، اذا السماء النفطرت اور اذا السماء انشقت تینوں سورتوں کی تلاوت کرے۔ یعنی ان سورتوں میں قیامت کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا گیا ہے کہ وہ اس طرح برپا ہوگی۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۴۹، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۳۶، ۱۳۷)

اس سورت میں ان ہولناک مناظر وحوادث کا بیان ہے جو قیامت کے دن پیش آئیں گے۔ انہی حوادث کے ذریعے تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ سورت کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خاص احوال واوصاف مذکور ہیں جو نزول وحی کے وقت پیش آئے تھے۔

سابقہ سورت سے ربط: سورۂ عبس کے آخر میں تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہ ہوگی ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ اسی مناسبت سے اس سورت میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا گیا ہے، ۱۔ قیامت کی حقیقت، ۲۔ وحی ورسالت کی حقیقت

تخریب عالم کی بارہ نشانیاں

اس سورت میں تخریب عالم کی بارہ نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ بارہ حوادث واقع ہو جائیں گے تو اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیا لے کر آیا ہے یعنی اس نے دنیا میں کیا کیا

نیک یا بد اعمال کئے تھے۔ ان بارہ نشانیوں میں سے چھ تو پہلی دفعہ صور پھونکے جانے کے وقت واقع ہوں گی جب دنیا ابھی آباد ہوگی اور ٦ دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد واقع ہوں گی۔

چھ حوادث جو نفخۂ اول کے وقت ہوں گے

۱-٦۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝

جب سورج بے نور ہو جائے، اور جب تارے ماند پڑ جائیں، اور جب پہاڑ چلائے جائیں (ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھریں) اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں آزاد (لاوارث) پھریں، اور جب وحشی جانور خلط ملط ہو جائیں، اور جب سمندر بھڑکائے جائیں۔

كُوِّرَتْ: وہ بے نور کیا گیا، وہ تاریک کیا گیا، وہ لپیٹا گیا، وہ بے رونق کیا گیا۔ تَكْوِيْرٌ سے ماضی مجہول۔

اِنْكَدَرَتْ: وہ میلی ہوگئی، وہ بکھر گئی، وہ ٹوٹ کر گری، وہ منتشر ہوگئی۔ اِنْكِدَارٌ سے ماضی۔

اَلْعِشَارُ: دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں۔ واحد عُشَرَاءُ۔

عُطِّلَتْ: وہ بیکار چھوڑ دی گئی، اس سے غفلت برتی گئی، اس سے نفع نہیں اٹھایا گیا۔ تَعْطِيْلٌ سے ماضی مجہول۔

حُشِرَتْ: وہ اکٹھی کی گئی، وہ جمع کی گئی، وہ خلط ملط کی گئی۔ حَشْرٌ سے ماضی مجہول۔

سُجِّرَتْ: وہ بھڑکائے جائیں گے۔ وہ آگ سے پُر کی گئی۔ وہ خالی کی گئی۔ تَسْجِيْرٌ سے ماضی مجہول

تشریح: ۱۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ: جب سورج بے نور ہو جائے گا۔ ان ٦ حوادث میں سے جو نفخۂ اول کے وقت واقع ہوں گے سب سے بڑا حادثہ سورج کا بے نور و بے کار ہو کر سمندر میں گر پڑنا اور نیست و نابود ہو جانا ہے، کیوں کہ دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر قائم ہے۔ یہ گویا دنیا کا چراغ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن شمس وقمر سمندر میں ڈال دیئے جائیں گے۔

٢۔وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ: اور جب آسمان کے سب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ٹوٹ ٹوٹ کر سمندر میں یا زمین پر گر پڑیں گے۔ کلبی نے کہا کہ اس روز آسمان سے ستاروں کی بارش ہوگی، کوئی تارہ بغیر گرے نہیں رہے گا۔

٣۔وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ: اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ جب سورج اور ستارے باقی نہ رہیں گے تو زمین بھی رخصت ہو جائے گی، اس لئے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔

٤۔وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ: اور جب حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یونہی بیکار و بے مہار اور لاوارث ماری ماری پھریں گی اور کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا۔ عربوں کے نزدیک وہ اونٹنی جو بچہ دینے کے قریب ہو بڑی دولت سمجھی جاتی تھی کہ اس سے دودھ اور بچے کا انتظار ہوتا تھا۔ اس لئے وہ اس کی سخت نگہداشت کرتے تھے اور اسے کسی وقت بھی آزاد نہ چھوڑتے تھے۔

٥۔وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ: جب یہ حادثات رونما ہو رہے ہوں گے تو اس وقت انسان تو کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش وحواس بجانہ رہیں گے، اس لئے وحشی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اس وقت شہر اور آبادی میں آکر جمع ہو جائیں گے اور انسانوں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں گے۔

٦۔وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ: اور جب سمندر خشک کر دیئے جائیں گے یا کھولا دیئے جائیں گے اور ان میں اس طرح ابال آرہا ہوگا جس طرح کھولتے ہوئے پانی میں اٹھتا ہے، یا ان کو آگ لگا کر بھڑکا دیا جائے گا۔ مقاتل کہتے ہیں کہ بعض سمندر بعض میں داخل ہو کر باہم مل جائیں گے یعنی میٹھے اور نمکین پانی مل کر گرم پانی کا ایک سمندر بن جائے گا۔

(حقانی/ص٥٦۔٥٨، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع/ج٨، ص٦٨١)

٦ حوادث جو نفخہ دوم کے بعد ہوں گے

٧،١٤۔　وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا

الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ ملا دیئے جائیں، اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں، اور جب آسمان کھل جائے (اور اس کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں) اور جب دوزخ دہکائی جائے، اور جنت قریب لائی جائے تو ہر شخص جان لے گا کہ وہ (دنیا سے) کیا لیکر آیا ہے (نیکی یا بدی)

زُوِّجَتْ: اسے اکٹھا کیا جائے گا، اس کا جوڑا ملایا جائے گا۔ تَزْوِیْجٌ سے ماضی مجہول۔

الْمَوْءٗدَةُ: زمین میں گاڑی ہوئی، زندہ دفن کی ہوئی۔ وَأْدٌ سے اسم مفعول۔

نُشِرَتْ: وہ کھولے جائیں گے، وہ پھیلائے جائیں گے۔ نَشْرٌ سے ماضی مجہول۔

کُشِطَتْ: وہ (آسمان) کھول دیا جائے گا، اس کی کھال اتاری جائے گی، اس کا سر پوش ہٹایا جائے گا۔ کَشْطٌ سے ماضی مجہول۔

سُعِّرَتْ: وہ دہکائی گئی، وہ بھڑکائی گئی۔ تَسْعِيْرٌ سے ماضی مجہول۔

أُزْلِفَتْ: وہ قریب کی جائے گی، وہ نزدیک کی جائے گی۔ اِزْلَافٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ۱۔ وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ: اور جب حشر کے میدان میں موجود لوگوں کے جوڑے اور گروہ بنا دیئے جائیں گے۔ یہ جوڑے اور گروہ ایمان اور عمل کے اعتبار سے ہوں گے کہ کافر ایک جگہ اور مومن ایک جگہ۔ پھر کافروں کے بھی اعمال و عادات کے فرق سے مختلف گروہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح عقیدے اور عمل کے اعتبار سے مسلمانوں کے بھی مختلف گروہ ہوں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کے ایک جیسے اعمال ہوں گے خواہ وہ اچھے اعمال ہوں یا برے وہ ایک جگہ کر دیئے جائیں گے۔ مثلاً مسلمانوں میں علما ایک جگہ، عابد و زاہد ایک جگہ، جہاد کرنے والے ایک جگہ، کثرت سے صدقہ خیرات کرنے والے ایک جگہ وغیرہ۔ اسی طرح بد اعمال لوگوں میں سے چور ڈاکو ایک جگہ، زنا کار و فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔

۲۔ وَإِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ: اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل دامادی کی عار یا بھوک و افلاس کے خوف سے اپنی لڑکی کو زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حشر کے روز اس لڑکی سے سوال کیا جائے گا جس کو زندہ درگور کر دیا گیا تھا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے تو یہی ظاہر ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سوال لڑکی کے قاتلوں سے ہو کہ تم نے اس کو کس جرم میں قتل کیا۔

۳۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ: اور جب اعمال نامے حساب کے لئے پھیلا دیئے جائیں گے یا لوگوں کو دے دیئے جائیں گے تاکہ سب لوگ اپنے اپنے اعمال اپنے اپنے اعمال نامے میں دیکھ لیں جو ایک کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں نظر آرہا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

اور قیامت کے دن ہم اس (نامۂ اعمال) کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا (اور ہم اس سے کہیں گے کہ) اپنی کتاب (نامۂ اعمال) پڑھ، آج اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے۔ (اسراء: ۱۳، ۱۴)

۴۔ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ: اور جب آسمان کھول دیا جائے اور اس کے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں، یعنی جس طرح جانور ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتار لینے سے اس کا گوشت اور اندرونی اعضا ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کا غلاف اتار لینے سے اس کے اوپر کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی، جب کہ اس سے پہلے جب دنیا قائم تھی تو کسی انسان کو نظر نہیں آسکتا تھا کہ آسمان کے اوپر کیا ہے۔

۵۔ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ: جب آسمان کھل جائے گا اور جو کچھ عالم بالا میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا تو بدکار لوگوں کے لئے دوزخ مزید دہکائی جائے گی جس سے اس کے شعلے اور لپٹیں سمندر کی لہروں کی طرح بلند ہونے لگیں گے، اور اس کے جوش و خروش اور شعلوں کی آواز دور تک سنائی دے گی۔ اور بڑے بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آرہی ہوں گی۔ اس حالت کو دیکھتے ہی لوگوں کی جان پر بن جائے گی۔ مجرم تو خاص طور پر اس سے حواس باختہ ہو جائیں گے۔

وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ (الملک: ۷، ۸)

اور وہ جوش مار رہی ہوگی گویا ابھی غصے کے مارے پھٹ جائے گی،

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝

یقیناً دوزخ قلعے کی مانند چنگاریاں پھینکتی ہے گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔

(المرسلٰت: ۳۲، ۳۳)

۲۔ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ: اور جب جنت اہل ایمان پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی۔ جیسے ارشاد ہے:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ (ق: ۳۱)

اور پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل قریب کردی جائے گی، ذرا بھی دور نہ ہوگی۔

اہل ایمان اور پرہیزگار جنت کو دیکھ کر فرحت و مسرت محسوس کریں گے اور کافر اس کی نعمتوں اور اس کے بے حد اسباب آسائش و تجمل کو دیکھ کر حسرت و افسوس کریں گے، اور سخت رنج والم میں مبتلا ہوں گے، خاص طور پر جب وہ غریب و نادار مومنوں کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت کے لئے منتخب ہوتا دیکھیں گے جن کو وہ دنیا میں ذلیل و حقیر سمجھتے تھے اور ان کا تمسخر اڑایا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام حوادث رونما ہو جانے کے بعد ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا سے اپنے ساتھ کیا لایا، نیک اعمال لایا یا بد اعمال، اس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تحت پاکیزہ زندگی گزاری تھی یا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانیوں میں مبتلا رہا اور نفسانی خواہشات پر چلتا رہا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ (ال عمران: ۳۰)

اس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اچھے کاموں کو بھی اور اپنے کئے ہوئے برے کاموں کو بھی اپنے سامنے موجود پائے گا۔

غرض اس وقت وہ تمام اچھے برے اعمال اس کے سامنے آجائیں گے جو اس نے دنیا میں کئے تھے۔ خواہ وہ اعمال ناموں میں لکھے ہوئے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں یا کسی خاص شکل و صورت میں اس کے سامنے کردیئے جائیں جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(حقانی / ج۵/ص ۵۹، ۶۲۔ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج۸، ص ۶۸۱، ۶۸۳)

قرآن کی حقانیت اور اثباتِ رسالت

۱۵ ،۲۱ـ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾

سو میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والوں کی، سیدھے چلنے والے اور چھپنے والے تاروں کی، اور رات کی جب (اس کی تاریکی) ختم ہونے لگے، اور صبح کی جب وہ روشن ہونے لگے یقیناً یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کی زبانی (پیغام) ہے، جو قوت والا ہے (اور) عرش والے کے نزدیک ذی عزت ہے، سردار ہے پھر امانت دار ہے۔

الْخُنَّسِ: پیچھے ہٹ جانے والے، چھپ جانے والے، رک جانے والے۔ خَنسٌ وخُنُوْسٌ و خَنَاسٌ سے اسم فاعل۔ واحد خَانِسٌ۔

الْجَوَارِ: کشتیاں، جہاز، چلنے والے۔ واحد جَارِيَةٌ۔

الْكُنَّسِ: چھپنے والے (ستارے)۔ كِنَاسٌ سے اسم فاعل۔ واحد كَانِسٌ

عَسْعَسَ: وہ جانے لگے، وہ تاریک ہوجائے۔ عَسْعَسَةٌ سے ماضی عِسَاس اس ہلکے اندھیرے کو کہتے ہیں جو رات کے ابتدائی اور آخری حصے میں ہوتا ہے۔ (المفردات/ص ۳۳۴)

تشریح: پس قسم ہے ان ستاروں کی جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کی طرف ہٹنے لگتے ہیں اور پھر پیچھے ہی کی طرف چلتے رہتے ہیں، اور کبھی پیچھے کی طرف چلتے چلتے اپنے مطلع میں جا چھپتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک خُنَّسُ، جَوَار اور کُنَّس سے وہ پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان ستاروں کے نام یہ ہیں: ۱۔ زحل، ۲۔ مشتری، ۳۔ مریخ، ۴۔ زہرہ، ۵۔ عطارد، ان پانچوں ستاروں کی چال عجیب اور حیرت انگریز ہے۔ کبھی یہ سیدھے چلتے ہیں تو اس اعتبار سے ان کو جَوَار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں کہ جس طرف سے آئے تھے لوٹ کر پھر اسی طرف چلے جاتے ہیں، اس لحاظ سے ان کو خُنَّسُ کہتے ہیں اور کبھی غائب ہوجاتے ہیں یا حرکت منقطع ہوجاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کو کُنَّسُ کہتے ہیں، یہ تین حالتیں ان ہی مذکورہ پانچ ستاروں کی ہیں۔ ان کا اس طرح مختلف حالتوں میں

چلنا پھرنا اور آنا جانا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ یہ قادر مطلق اور حکیم مطلق کے تابع ہیں اور اس کی قدرت وکبریائی کے روشن دلائل ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی۔

پھر فرمایا کہ قسم ہے رات کی جب وہ آ کر اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آ کر روشنی پھیلائے، بلاشبہ یہ قرآن جو صبح صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے یقیناً حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتے کے ذریعے بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ جس ذات پر یہ نازل ہوا ہے وہ بڑی برگزیدہ اور چنیدہ ہے۔ انہوں نے اس قرآن کو اپنے دل سے نہیں بنالیا جیسے عام طور پر شعراو مصنفین بنالیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول (وحی لانے والے فرشتے) حضرت جبرئیل کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ہے۔ یہاں قول سے مراد یہ نہیں کہ یہ قرآن حضرت جبرئیل کی تصنیف ہے بلکہ جبرئیل علیہ السلام صرف اللہ کا کلام پڑھ کر سناتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ معزز فرشتہ (حضرت جبرئیل) قوت والا ہے اور اللہ تعالیٰ تک اس کی رسائی ہے اور وہ وہاں (اللہ کے ہاں) بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے۔ بے شمار فرشتے اس کے زیر فرمان ہیں اور اس کے احکام مانتے ہیں۔ وہ معزز فرشتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امین بھی ہے، اس لئے وحی لانے میں کسی قسم کی کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ (حقانی / ج ۵، ص ۶۴، ۶۸، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۸۴)

جنون کے الزام کی تردید

۲۲، ۲۹۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے نہیں۔ انہوں نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے اور وہ (رسول) پوشیدہ باتوں کے بتانے میں بخیل نہیں۔ یہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں سو (اے منکرین) تم کہاں (بہکے) جا رہے ہو۔ یہ تو تمام جہانوں کے لئے ایک نصیحت ہے (خاص طور پر) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر

چلنا چاہے اور تم اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے۔

ضَنِیْنٍ: کنجوسی کرنے والے، بخیل۔ ضَنٌّ سے صفت مشبہ۔

رَجِیْمٍ: دھتکارا ہوا۔ مردود، ملعون۔ رَجْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

یَسْتَقِیْمُ: اس کا سیدھا رہنا، اس کا سیدھا چلنا۔ اِسْتِقَامَۃٌ سے مضارع بمعنی مصدر۔

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سلیمان بن موسیٰ کی روایت سے اور ابی حاتم نے ایک دوسرے طریق سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ نازل ہوئی تو ابوجہل نے کہا کہ یہ ہم پر ہے کہ ہم چاہیں تو استقامت اختیار کریں اور چاہیں نہ کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ نازل فرمائی۔

(باب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے ان کے اس بیہودہ خیال کے جواب میں کہ آپ معاذ اللہ مجنون ہیں، فرمایا کہ اے مشرکین مکہ تمہارا یہ صاحب دیوانہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر کہے، بلکہ جو کچھ یہ کہتے اور پڑھ کر سناتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے معزز فرشتے کے ذریعے ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ یہ گزشتہ چالیس برس سے تمہارے ساتھ ہیں، اس طویل عرصے میں ان سے کوئی حرکت ایسی نہیں ہوئی جو کمال عقل و ہوش کے خلاف ہو۔ تم ہمیشہ ان کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے۔ لہٰذا ان کو مجنون کہنا یا تو محض ضد و عناد ہے یا بجائے خود جنون ہے۔ یہاں آیت میں جبرئیل کو دیکھنا مذکور ہے تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ فرشتہ جو اللہ کی طرف سے وحی لے کر آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا ہوا ہے۔ اس میں جن یا شیطان کا شبہ نہیں ہو سکتا۔

یہ رسول لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں بلکہ غیب کی جو باتیں اللہ کی طرف سے ان کو پہنچتی ہیں وہ سب لوگوں کو سکھا دیتے ہیں، ان باتوں پر نہ وہ تم سے اجرت مانگتے ہیں، نہ نذرانہ، نہ بخشش، پھر وہ کاہن کیسے ہو سکتے ہیں؟ کاہن تو غیب کی نامکمل بات میں اپنی طرف سے بہت کچھ جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے۔ اس میں بھی اس قدر بخل سے کام لیتا ہے کہ نذرانہ یا بخشش وغیرہ کے بغیر ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔ اس لئے کاہن کو پیغمبر کی سیرت سے کوئی نسبت نہیں۔ نیز یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں، نہ وہ اس کو لے سکتا ہے اور نہ یہ اس کے مطلب کی چیز ہے، جیسے ارشاد ہے:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا

يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾

اور نہ شیطان اسے لے کر اترے اور نہ انہیں یہ لائق ہے اور نہ ان کو اس کی طاقت ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی محروم اور دور ہیں۔ (الشعراء،۲۱۰۔۲۱۲)

وہ انسان کو ایسی نیکی اور پرہیز گاری کی باتیں کیوں سکھانے لگا جس میں سراسر انسان کا فائدہ اور خود اس کی مذمت ہو۔ اے لوگو! جب قرآن کی حقانیت وصداقت ظاہر اور ثابت ہوگئی تو پھر تم راہ حق سے بھٹک کر کدھر جا رہے ہو، اور اسے کیوں جھٹلا رہے ہو۔ یہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے، اس لئے ہر شخص کو اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے، مگر اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتا اور نصیحت حاصل کر سکتا ہے جو راہ راست پر آنا چاہتا ہو، اور راہ راست پر آنے کا ارادہ بھی وہی کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ سدھارنا چاہتا ہو، سو سدھرنے اور راہ راست پر آنے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے اس کے متعلق کسی اور سے نہ پوچھنا پڑے، آپ نے فرمایا کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ استقم یعنی اٰمَنْتُ باللّٰہ کہو اور پھر اس پر قائم رہو۔

(مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۱۰، ۲۱۲، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۸۰)

سورۃ الانفطار

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ انفطرت آیا ہے جس کے معنی پھٹ جانے اور چِر جانے کے ہیں ۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الانفطار اور المنفطرہ ہے۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۶۲، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۷۴)

تعارف و خلاصہ: اس میں ۱۹ آیات، ۸۰ کلمات اور ۳۲۷ حرف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بھی قیامت کے ہولناک حوادث و احوال کا بیان ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو قیامت کا منظر آنکھوں سے دیکھنا پسند ہو اسے چاہئے کہ وہ اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔

(مظہری / ج ۱۰، ص ۲۰۴، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۷۴)

سابقہ سورت سے ربط: سورۂ تکویر کی طرح اس میں بھی نظام عالم کا درہم برہم ہونا اور حشر میں نیک لوگوں اور کافروں کو پیش آنے والے واقعات مذکور ہیں۔

قیامت کی ہولناکیاں

۱، ۵۔ إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝١ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝٣ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝٤ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝٥

جب آسمان پھٹ جائے، اور تارے جھڑ جائیں، اور جب سمندر بہ (کر باہم مل) جائیں، اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں، تب ہر شخص جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑ آیا۔

اِنۡفَطَرَتۡ: وہ پھٹ گئی، وہ چر گئی ۔ اِنۡفِطَارٌ سے ماضی ۔

الکَوَاکِبُ: ستارے، واحد کَوۡکَبٌ

اِنۡتَثَرَتۡ: وہ جھڑ گئی، وہ بکھر گئی، وہ منتشر ہو گئی ۔ اِنۡتِشَارٌ سے ماضی ۔

فُجِّرَتۡ: وہ پھاڑ دیئے جائیں گے، وہ آپس میں ملا دیئے جائیں گے ۔ وہ بہا دیئے جائیں گے ۔ تَفۡجِیۡرٌ سے ماضی مجہول ۔

بُعۡثِرَتۡ: وہ الٹ پلٹ کی گئی، وہ اکھاڑ دی گئی ۔ وہ اٹھائی گئی ۔ بَعۡثَرَۃٌ سے ماضی مجہول ۔

قَدَّمَتۡ: وہ پہلے کر چکی، وہ پہلے بھیج چکی ۔ تَقۡدِیۡمٌ سے ماضی ۔

اَخَّرَتۡ: اس نے تاخیر کی، اس نے پیچھے چھوڑا ۔ تَاخِیۡرٌ سے ماضی ۔

تشریح: قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے اور ایک کا راستہ دوسرے میں کھول دیا جائے گا، جس سے میٹھے اور نمکین پانی کے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور زمین میں زلزلہ پیدا ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں قبریں شق ہو جائیں گی اور مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے ۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝۱ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۝۲

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے بوجھ (دفینے) نکال باہر کرے گی ۔ (الزلزال:۱،۲)

اس طرح زمین و آسمان کا تمام نظام درہم برہم ہو کر فنا ہو جائے گا ۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آخرت کے لئے کیا کیا اچھے اعمال کئے یا برے اعمال اور کون سے اچھے یا برے طریقے کی بنیاد ڈال کر وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا ہے ۔ اگر وہ نیک کام ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ جاریہ ہو جائے گا اور اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا، اور اگر وہ برا کام ہے تو جب تک وہ برا کام ہوتا رہے گا اس کی برائی اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھی جاتی رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اس کا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا، اور جس نے کوئی بری رسم اور گناہ کا کام دنیا میں جاری کیا تو جب تک لوگ اس برے کام میں مبتلا رہیں گے اس کا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا، جس نے اس کو جاری کیا تھا ۔ پس جس نے اعمال صالحہ کئے اور کبائر سے بچتا رہا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے ۔

(حقانی / ج ۵، ص ۲۷۷،۲۷۴، معارف القرآن مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۸۷)

انسان کی غفلت

۶، ۲۱۔ يَاأَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ
فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ
تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا
كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکا دیا، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر درست کیا، اور اعتدال پر کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ ہرگز نہیں، بلکہ تم تو جزا سزا کو جھٹلاتے ہو۔ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں، جو بزرگ ہیں (اور) لکھنے والے ہیں۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

غَرَّ: اس نے دھوکے میں ڈالا، اس نے بھول میں رکھا، اس نے فریب دیا۔ غُرُوْرٌ سے ماضی،

سَوّٰی: اس نے پورا پورا بنایا، اس نے ٹھیک ٹھیک بنایا، اس نے برابر کیا۔ تَسْوِيَةٌ سے ماضی۔

عَدَلَ: اس نے اعتدال پر بنایا، اس نے برابر کیا۔ عَدْلٌ سے ماضی۔

رَكَّبَ: اس نے ترکیب دیا، اس نے جوڑ دیا۔ تَرْكِيْبٌ سے ماضی۔

الدِّيْنِ: جزا، بدلہ، مذہب، جمع اَدْيَانٌ

كِرَامًا: بزرگ، نیک، فرشتے مراد ہیں۔ واحد كَرِيْمٌ

كَاتِبِيْنَ: کتابت کرنے والے، لکھنے والے، مراد وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی حفاظت اور اس کے اعمال و اقوال کو لکھتے ہیں۔ واحد كَاتِبٌ

تشریح: جب یہ معلوم ہو گیا کہ قیامت کا آنا یقینی ہے اور ہر ایک کو اس کے نیک و بد اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی تو اے انسان تو اپنے عظمت و کبریائی والے خدا سے کیوں غافل ہے، کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے اور غفلت میں ڈال رکھا ہے اور تو دن رات اس کی نافرمانی میں

لگا ہوا ہے۔ اسی خدا نے تجھے عدم سے پیدا کیا اور یونہی بے ڈول اور بے ہنگم نہیں بنایا بلکہ پوری طرح درست اعضا والا، خوش شکل وخوبصورت بنایا اور اعضا میں بہترین تناسب اور اعتدال رکھا۔

ان سب باتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے رب کو اور اس کے انعامات کو پہچانتا اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کرتا، لیکن افسوس کہ اس نے مذکورہ بالا فریب خوردگی ہی پر بس نہیں کی بلکہ وہ تو قیامت اور جزا وسزا کی بھی تکذیب کرتا ہے اور ان کو برحق نہیں جانتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر معزز نگہبان فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو صرف اس کی حفاظت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے نیک و بد اعمال کو دفتر غیب یعنی اس کے اعمال نامے میں لکھتے رہتے ہیں، وہ یونہی اپنی طرف سے نہیں لکھتے رہتے بلکہ جو کچھ اچھا یا برا عمل وہ کرتا ہے وہ اس کو خوب جانتے ہیں، وہ ان سے اپنا کوئی معمولی سے معمولی عمل بھی نہیں چھپا سکتا۔

پس خوب سمجھ لو کہ اس رب کریم نے تمہیں یونہی شتر بے مہار پیدا نہیں کیا، بلکہ اس نے تمہیں اپنی اطاعت وفرماں برداری کے لئے پیدا کیا ہے، اسی لئے قیامت کے دن وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ (حقانی / ج ۵، ص ۷۵، ۸۷، ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۸۱، ۴۸۲)

فیصلے کا دن

۱۹،۱۳۔ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا
يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ
لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾

یقیناً نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار جہنم میں ہوں گے، وہ بدلے کے دن اس (جہنم) میں ڈالے جائیں گے، اور وہ اس (جہنم) سے کہیں غائب نہ ہو سکیں گے، اور (اے رسول ﷺ) آپ کو کیا معلوم کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے، پھر بھی آپ کو کیا خبر کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے، اس دن کوئی کسی کے کچھ کام نہ آسکے گا، اور اس دن تمام حکم اللہ ہی کا ہوگا۔

اَبْرَارٌ: نیک لوگ، واحد بَرٌّ

فُجَّارَ: بدکار، نافرمان ۔ واحد فَاجِرٌ

یَصْلَوْنَ: وہ داخل ہوں گے ۔ صَلْیٌ سے مضارع

الدِّیْنِ: مذہب، جزا، بدلہ ۔ جمع اَدْیَانٌ

تَمْلِکُ: وہ مالک ہوتی ہے، وہ اختیار رکھتی ہے ۔ مِلْکٌ سے مضارع

اَمْرُ: کام، حکم، معاملہ ۔ پہلے دو معانی کے اعتبار سے جمع اُمُوْرٌ، تیسرے معنی کے اعتبار سے جمع اَوَامِرٌ

تشریح: جو لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں، غلط عقائد اور برے اخلاق و اعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور اللہ کے احکام بجالاتے ہیں، قیامت کے روز وہ یقیناً جنت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے ۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، نہ وہاں سے نکلنے کا کھٹکا اور نہ نعمتوں کے ختم یا کم ہونے کا اندیشہ۔

اس کے برعکس سرکش و نافرمان جہنم کی آگ میں ہوں گے، جو فیصلے کے دن اس میں داخل ہوں گے اور پھر کبھی اس میں سے نہ نکل سکیں گے، نہ وہاں ان کو کبھی موت آئے گی، نہ کسی وقت ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ کسی قسم کی راحت ملے گی ۔ قید خانے سے چھٹکارے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ قیدی مر جائے اور مر کر چھوٹ جائے، دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ قیدی کسی تدبیر سے نکل بھاگے مثلاً دیوار پھاند کر بھاگ جائے، یا نگہبانوں سے چھپ کر یا رشوت دے کر نکل جائے، وہاں ایسی کوئی بات بھی نہ ہو پائے گی۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو صبح شام اس کے سامنے اس کی جگہ لائی جاتی ہے ۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں کی جگہ اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ والوں کی جگہ پیش ہوتی ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیری جگہ ہے یہاں تک کہ اللہ تجھے اٹھا کر قیامت کے دن وہاں لے جائے گا۔

(مظہری / ج ۱۰، ص ۲۱۶)

اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ وہ انصاف کا دن کیسا ہے؟ کوئی انسان اس کی ہیبت و عظمت کا اندازہ نہیں کرسکتا ۔ بس وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ کوئی اپنے اختیار سے کسی کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ کسی کی تکلیف کو کم کر سکے گا اور نہ عذاب سے نجات دلوا سکے گا، سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی ۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود کسی کو کسی کے لئے سفارش کی اجازت دے تو اور بات ہے ۔ اس روز کسی کو کچھ اختیار نہ

ہوگا صرف اللہ تعالٰی کی حکومت ہوگی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (المؤمن:١٦)

آج کس کی حکومت ہے (ندا آئے گی) اللہ کی جو واحد ہے، قہار ہے۔

اور ارشاد ہے:

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۖ

اس دن حقیقی سلطنت رحمٰن ہی کی ہوگی۔ (الفرقان:٢٦)

سورۃ التطفیف

وجہ تسمیہ: اس سورت میں خاص طور پر ناپ تول میں کمی کی ممانعت کی گئی ہے، اور اس کی ابتدا ہی اس مضمون سے ہوئی ہے، اس لئے اس کو سورۃ التطفیف اور سورۃ المطففین کہا جاتا ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۳۶ آیتیں، ۱۹۹ کلمات اور ۷۸۰ حرف ہیں۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ابن مسعود اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، عکرمہ اور حسن کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے سوائے آٹھ آیتوں ان الذین اجر موا...... الخ کے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں آئے تو یہاں کے لوگ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ویل للمطففین کو نازل فرمایا، اس کے بعد ان کی ناپ تول بہت ٹھیک اور بہتر ہوگئی، اس سے معلوم ہوا کہ سورت کا ابتدائی حصہ مدینے میں نازل ہوا اور آخری حصہ مکے میں۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۶۷، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۹۶، ۱۹۷)

سورت کی ابتدا میں لین دین میں خیانت اور دھوکہ دہی پر وعید مذکور ہے، پھر کافروں کے احوال وانجام اور مومنین کے انعام واکرام کا بیان ہے۔

ناپ تول میں کمی بیشی کا انجام

۱، ۳۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝
وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

وَیْلٌ: ہلاکت، خرابی، جہنم کی ایک وادی کا نام، کلمۂ زجر وعذاب ہے۔

الْمُطَفِّفِیْنَ: تول اور ناپ میں کمی کرنے والے، تَطْفِیْفٌ سے اسم فاعل۔

اِکْتَالُوْا: انہوں نے پیمانے سے ناپا، انہوں نے ناپ کرلیا۔ اِکْتِیَالٌ سے ماضی۔

یَسْتَوْفُوْنَ: وہ پورا پورا لیتے ہیں۔ اِسْتِیْفَاءٌ سے مضارع۔

کَالُوْا: انہوں نے ناپ کردیا۔ کَیْلٌ سے ماضی۔

وَزَنُوْا: انہوں نے تول کردیا۔ وَزْنٌ سے ماضی۔

یُخْسِرُوْنَ: وہ خسارا دیتے ہیں، وہ کم دیتے ہیں۔ اِخْسَارٌ سے مضارع۔

تشریح: پیمائش اور وزن میں لوگوں کا حق تلف کرنے والوں کی خرابی ہے۔ یہ لوگ جب ناپ کر یا وزن کرکے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو اس میں کمی کرتے ہیں، اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں اور نہ یہاں پورا حق لینے کی مذمت مقصود ہے، بلکہ آیت میں اس بات کی تاکید ہے کہ جس طرح تم اپنا حق پورا پورا وصول کرتے ہو، اسی طرح دوسروں کا حق بھی پورا پورا ادا کرنا چاہئے۔ عربوں میں زیادہ تر ناپ (کیل) کا دستور تھا اس لئے یہاں ناپ کو اختیار کیا گیا۔

اگرچہ آیت میں ناپ اور تول میں کمی کا ذکر ہے، لیکن ہر وہ چیز جس سے کسی کے حق میں کمی کی جائے خواہ وہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے، اس حکم میں داخل ہے اور حرام ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک نماز، وضو، حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کرنے والا بھی تطفیف کا مجرم ہے۔ اسی طرح حقوق العباد میں مقررہ حق سے کم کرنا، مزدور وملازم کا مقررہ وقت تک کام نہ کرنا اور اس میں کمی یا سستی کرنا یہ سب تطفیف میں داخل ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع/ج ۸، ص ۶۹۳، ۶۹۴)

ناپ تول درست رکھنے کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ

ناپ تول پورا کرو اور وزن بھی سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو۔

(الاسراء: ۳۵)

وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ

ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر دیا کرو۔ (الانعام ۱۵۲)

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی مت کرو۔ (الرحمٰن، ۹)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اسی عادت بد کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین! میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے پانچ باتوں میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

۱۔ جب کسی قوم میں بر ملا فحش کام ہونے لگیں تو وہ لوگ طاعون میں اور دوسری ایسی گوناگوں بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن سے ان کے اسلاف ناآشنا اور بے خبر تھے۔

۲۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہیں تو وہ قحط، سخت مصائب اور حکمرانوں کے مصائب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

۳۔ جب کوئی قوم مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تو اس پر آسمان سے بارش بند کر دی جاتی ہے، اور اگر چوپائے نہ ہوں تو اُن پر کبھی بارش نہ ہو۔

۴۔ جو قوم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ ان پر ایسا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے اموال چھین لیتا ہے۔

۵۔ اور جب کسی قوم کے حکام، احکام خداوندی میں اپنی مرضی برتتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان خانہ جنگی پیدا کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ فی الفتن باب العقوبات، مستدرک/ ج ۴، ص ۵۸۳)

یوم عظیم کی ہولناکی

۴، ۶۔ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے، اس عظیم دن میں جس دن سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

يَظُنُّ: وہ گمان کرتا ہے، وہ خیال کرتا ہے۔ ظَنٌّ سے مضارع۔

مَبْعُوْثُوْنَ: قبروں سے اٹھائے جانے والے، دوبارہ زندہ کئے جانے والے۔ بَعْثٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: کیا یہ لوگ ناپ تول میں کمی اور لوگوں کی حق تلفی کرتے ہوئے قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے ۔ اس دن یہ لوگ حساب و کتاب اور جزا وسزا کے لئے یقیناً ایک ایسی ذات کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جس پر نہ کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے اور نہ چھپ کر کی ہوئی ، وہ دن نہایت ہولناک ، بڑی پریشانی اور گھبراہٹ والا ہوگا ، اور اس دن لوگ مصائب و شدائد سے حواس باختہ ہوں گے ، اگر ان منکرین کو ذرا بھی خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر ایک بڑے سخت اور مصیبت کے دن ان کو عدالت الٰہی میں حاضر ہونا اور تمام حقوق و فرائض کا حساب دینا ہے اور وہاں ان کے اعمال کا بھی وزن ہونا ہے تو یہ لوگ ایسی حرکت کبھی نہ کرتے ۔

یہاں قیامت کے دن کو یوم عظیم اس لئے فرمایا کہ اول تو وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا ، دوم اس دن ذرے ذرے کا حساب ہوگا ، سوم اس دن اللہ جل شانہٗ کے سامنے حاضری ہوگی ، پس جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا رہا تو اس پر معاملہ نہایت سخت اور شدید ہوگا اس لئے ہر شخص کو اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کے آنے سے پہلے پہلے دنیا میں اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تحت زندگی گزارنی چاہئے اسی میں نجات اخروی ہے اور اسی سے اس روز رحمت الٰہی کے سائے میں جگہ ملے گی ۔

مسلم میں حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب آجائے گا یہاں تک کہ ایک میل کے بقدر ہوگا ، لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے ۔ بعض لوگوں کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا ، بعض کے زانو تک ، بعض کے کمر تک ہوگا اور بعض کو پسینے کی لگام لگی ہوگی یعنی منہ تک ہوگا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا ۔ (ابن کثیر / ج ۴ ، ص ۴۸۴)

کفار کے احوال

۷ ۔ ۹ ، كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝
كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝

نہیں بدکاروں کا نامہ اعمال یقیناً سجین میں ہے اور (اے رسول ﷺ)
آپ کو کیا معلوم سجین کیا ہے وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔

سِجِیْنٌ: یہ سکّین کے وزن پر سجن سے مشتق ہے جس کے معنی تنگ جگہ میں قید کرنے کے ہیں، دوزخیوں کی روح کا قید خانہ، احادیث و آثار سے ظاہر ہے کہ سجین اس مقام کا نام ہے جہاں کفار کا رجسٹر ہے، جہنم کی ایک وادی کا نام۔

مَرْقُوْمٌ: لکھا ہوا، مہر لگی ہوئی تحریر، نشان کیا ہوا۔ رقم سے اسم مفعول۔

تشریح: بدکاروں کا روز نامچہ جس میں ان کے چھوٹے بڑے، ظاہری اور پوشیدہ تمام اعمال لکھے ہوئے ہیں، یقیناً سجین میں ہے جو ایک دفتر ہے۔ اس دفتر میں بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے، بدکاروں کے مرنے اور ان کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہونے پر ان میں سے ہر ایک کا نام و نشان اور اعمال کی کیفیت علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھ کر اس دفتر میں داخل کر دیتے ہیں اور اس فرد پر ایک علامت بنا دیتے ہیں جس کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ دوزخی ہے۔ سجین ساتویں زمین میں یا ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

ابن مندہ، طبرانی اور ابوالشیخ نے حمزہ بن حبیب کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل ایمان کی ارواح کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا سبز پرندوں (کی شکل) میں جنت کے اندر جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی پھرتی ہیں، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی روحیں (کہاں ہوتی ہیں) آپ نے فرمایا سجین میں بند ہوتی ہیں۔

بغوی نے اپنی سند سے بروایت حضرت براء بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کے سجین سات زمینوں کے نیچے اور علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے۔

پھر فرمایا اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کے سجین کیا ہے، وہ ایک مقام ہے جہاں کفار و فجار کے اعمال نامے مہر لگا کر محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ اب ان میں کسی کمی بیشی اور تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔ کفار کی ارواح کو بھی یہیں جمع کیا جائے گا۔ یہاں مرقوم کے معنی مختوم کے ہیں، کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ مقام سجین کی تفسیر نہیں بلکہ کتاب الفجار کا بیان ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان کافروں کا انجام سجین میں ہونا اللہ کی کتاب میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے قدیم علم سے ہر شخص کا انجام معلوم کر کے لکھ دیا ہے۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۰۹ ۔ ۲۲۱، عثمانی/ ج ۲، ص ۷۹۱)

مکذبین کی ہلاکت

۱۰،۱۳۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی، جو بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں، اس کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے نکل جانے والا گناہ گار ہو، جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

مُعْتَدٍ: ظالم، حد سے تجاوز کرنے والا۔اِعْتِدَاءٌ سے اسم فاعل۔

اَثِيْمٍ: گناہ گار۔اِثْمٌ سے صفت مشبہ۔

تُتْلٰى: اس کی تلاوت کی جاتی ہے، وہ پڑھی جاتی ہے۔تِلَاوَةٌ سے مضارع مجہول۔

اٰيٰتُنَا: ہماری نشانیاں، ہمارے احکام۔واحد آيَةٌ۔

اَسَاطِيْرُ: کہانیاں، بے سند باتیں، من گھڑت۔واحد اُسْطُوْرَةٌ

تشریح: قیامت کے روز ان لوگوں کی ہلاکت اور خرابی ہوگی جو حد سے نکلے ہوئے اور گناہ گار ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ کی آیات سناتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام مخلوق دوبارہ زندہ کر کے اٹھائی جائے گی اور لوگوں کو ان کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو یہ کفار و فجار انتہائی نادانی، غرور اور تکبر سے قیامت، جنت و دوزخ اور جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں، اور اس کے واقع ہونے کو جھوٹ، خلاف عقل اور محال کہتے ہیں اور قرآنی آیات کو گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں، من گھڑت کہانیاں اور فرسودہ افسانے بتاتے ہیں۔جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

البتہ یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے ہی سے ہوتا چلا آیا

ہے۔ یہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (المؤمنون ۸۳)

مطلب یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ تو ہمارے باپ دادا سے بھی کیا جاتا رہا مگر اب تک پورا نہیں ہوا۔ ہم نے آج تک کسی کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ سو ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ تو گزشتہ لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔ پہلے بھی لوگ ایسی باتیں کرتے آئے ہیں۔ اور ارشاد ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (النحل ۲۴)

ان بدکاروں سے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آیات قرآن کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا بلکہ اگلے لوگوں کے جو قصے کہانیاں لکھی گئی تھیں یہ شخص انہی کو وحی کا نام لے کر سناتا ہے۔ پس جو شخص گمراہ ہو جاتا ہے اس کی عقل اس حد تک سلب ہو جاتی ہے کہ اگر اعلیٰ مضامین بھی اس کو سنائے جائیں تو اس کو وہ قصے کہانیاں ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی اس لئے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا، گمراہی کے سبب ان کفار و مشرکین کی بھی عقل ماری گئی ہے، اسی لئے وہ قرآنی آیات میں غور و فکر کرنے اور ان سے نصیحت حاصل کرنے کی بجائے ان کو من گھڑت کہانیاں اور فرسودہ افسانے بتاتے ہیں۔

دلوں کا زنگ آلود ہونا

۱۴، ۱۷۔ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾

نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ لگ گیا ہے، ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے۔ پھر یقیناً وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے۔

رَانَ: اس نے زنگ پکڑ لیا، وہ زنگ آلود ہو گیا، یہاں دل کا زنگ پکڑ نا مراد ہے۔ رَیْنٌ سے ماضی۔

یَکْسِبُوْنَ: وہ کرتے ہیں، وہ کماتے ہیں۔ کَسْبٌ سے مضارع۔

مَحْجُوْبُوْنَ: حجاب میں کئے ہوئے، پردے میں کئے ہوئے، روکے ہوئے، منع کئے ہوئے۔ حِجَابٌ سے اسم مفعول واحد مَحْجُوْبٌ۔

صَالُوا: داخل ہونے والے، آنے والے۔ صَلْیٌ سے اسم فاعل، یہ اصل میں صَالُوْنَ تھا۔ اضافت کے سبب جمع کا نون حذف ہو گیا۔

تشریح: ان کفار کے خیال کے مطابق یہ قرآن ہرگز اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں بلکہ یہ تو کلام الٰہی ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، البتہ ان کفار کے دلوں پر ان کی بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہوں اور خطاؤں نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان کے گناہوں کے زنگ نے ان کے دلوں کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے۔ سو ان کا قرآن کو جھٹلانا کسی دلیل یا عقل و فہم کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بداعمالیوں کی تاریکیاں ان کے دلوں پر اتنی غالب آ گئیں کہ اب وہ حق و باطل کی تمیز کے قابل ہی نہیں رہے۔ اس لئے اب انہیں برا بھلا نظر ہی نہیں آتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ و استغفار کر لیتا ہے تو یہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے (اور دل اپنی اصل حالت پر منور ہو جاتا ہے) اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہ نقطہ بھی بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے سارے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ اسی کا نام رَانَ ہے جو آیت بل رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ میں مذکور ہے۔

قیامت کے دن جب مومن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو اس روز کافر یقیناً دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے اور پردوں کے پیچھے کر دیئے جائیں گے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ (الاسراء، ۷۲)

یہ ان کافروں کے اعمال کی سزا ہو گی کہ جس طرح انہوں نے دنیا میں حق کو نہیں پہچانا تھا تو

اب وہ دیدار الٰہی کے قابل ہی نہیں رہے۔ صرف یہی نہیں کہ یہ لوگ دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے بلکہ ان کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا جہاں قسم قسم کے عذاب ہوں گے اور نہایت ذلت اور حقارت کے ساتھ ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۹۶، مظہری / ج ۱۰، ص ۲۲۲)

مومنین کے احوال

۱۸تا۲۱۔ كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾

یقیناً نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو کیا معلوم کہ علیین کیا ہے۔ وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے، جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

اَبْرَار: نیک لوگ۔ واحد بَرٌّ وبَارٌّ

عِلِّيِّيْنَ: وہ بلند مقام جہاں، مرنے کے بعد اہل ایمان کے اعمال نامے اور ارواح جمع ہوتی ہیں۔ یہ ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے۔

يَشْهَدُ: وہ (مقرب فرشتے) دیکھتے ہیں، وہ حاضر ہوتے ہیں۔ شَهَادَةٌ وشُهُوْدٌ سے مضارع۔

مُقَرَّبُوْنَ: قریب کئے ہوئے۔ عزت دیئے ہوئے۔ تَقْرِيْبٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: بدکاروں اور نیکوں کا انجام ہرگز ایک نہیں ہوسکتا، بلکہ نیک لوگوں کا روزنامچہ جس میں ان کے نام اور اعمال لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہوگا، اور وہی ان کا ٹھکانا بھی ہے، جو سجین کے بالکل برعکس ہے۔ پھر علیین کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لئے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں۔ یہ بات یقینی ہے اور کتاب میں لکھی جاچکی ہے کہ نیک لوگ علیین میں جائیں گے جہاں ان کے اعمال نامے مقرب فرشتوں کی حفاظت اور نگرانی میں ہوں گے۔ آیت کے یہ معنی اس صورت میں ہیں جب يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ کو كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ کی صفت مانا جائے۔ اگر يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ کو عِلِّيِّيْنَ کی صفت مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ علیین عالم بالا کی ایک نہایت عمدہ جگہ ہے، جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیک لوگوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چوں کہ وہ مقام بلند ہے اور نیکوں میں سے بھی وہاں ہر

ایک نہیں پہنچتا، بلکہ وہاں مقربین حضرات یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین ہی پہنچتے ہیں۔ اس لئے عام مؤمنین وصلحاء اپنے اپنے درجات کے مطابق اس کے نیچے کے مقامات میں ہوتے ہیں مگر ان کے نام بھی اسی بلند دفتر یعنی علیین میں درج ہوتے ہیں۔ (حقانی / ج ۵، ص ۲۸۸)

ابرار کے احوال

۲۲، ۲۸۔ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ۙ﴿۲۲﴾ عَلَی الۡاَرَآئِکِ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿ۙ۲۳﴾ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ
نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ﴿ۚ۲۴﴾ یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿ۙ۲۵﴾ خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ ؕ
وَ فِیۡ ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ﴿ؕ۲۶﴾ وَ مِزَاجُہٗ مِنۡ تَسۡنِیۡمٍ ﴿ۙ۲۷﴾
عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿ؕ۲۸﴾

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ تو ان کے چہروں پر نعمتوں کی تازگی پہچان لے گا۔ ان کو سر بمہر خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر ہوگی اور رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہئے، اور اس (مشروب) میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ وہ (تسنیم) ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پیتے ہیں۔

نَعِیۡم:　کثیر نعمت، بڑی نعمت، آرام، آسائش۔

اَرَائِک:　بہت سے تخت، مسہریاں، واحد اَرِیۡکَۃ

نَضۡرَۃَ:　تازگی، شادابی، رونق۔

یُسۡقَوۡنَ:　ان کو پلایا جائے گا۔ سَقۡیٌ سے مضارع مجہول۔

رَحِیۡق:　خالص شراب، صاف وشفاف شراب۔

مَخۡتُوۡم:　مہر لگی ہوئی۔ خَتۡمٌ سے اسم مفعول۔

خِتَام:　مہر جمانے کی چیز، مہر جمانے کا مسالہ، خاتمہ۔

مِسۡکٌ:　مشک، کستوری۔

یَتَنَافَس:　وہ بڑھ چڑھ کر رغبت کریں، وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حرص کریں۔ تَنَافُسٌ سے امر

مِزَاجُ: آمیزش، باہم ملانا، مصدر ہے۔

تَسْنِیْم: جنت کے چشمے کا نام۔

تشریح: بلاشبہ نیک لوگ جنت کی عظیم الشان نعمتوں راحتوں اور باغات میں ہوں گے جہاں وہ اپنی اپنی شاہی مسندوں پر بیٹھے ہوئے نہایت فرحت وانبساط کے ساتھ جنت کے مناظر دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے۔ یہ مسندیں سایہ دار ہوں گی اور بیش بہا جواہرات، قیمتی موتیوں کی جھالروں اور اطلس و دیبا وغیرہ سے مزین ہوں گی۔ جنت کے یہ انعامات کبھی کم ہوں گے نہ فنا ہوں گے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں کے آرام و راحت سے ان کے چہرے ایسے پر رونق اور تروتازہ ہوں گے کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ یہ لوگ نہایت خوش و خرم اور عیش و آرام میں ہیں۔

• نیک لوگوں کو جنت میں سربمہر مشروب پلایا جائے گا۔ جس طرح دنیا میں لاکھ وغیرہ پر مہر جمائی جاتی ہے اسی طرح اس مشروب کی مہر مشک پر جمی ہوئی ہوگی۔ یہ مشروب نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے۔ لوگوں کو اس کے لئے ٹوٹ پڑنا چاہئے اور اس کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنی چاہئے اور اسی کی آرزو اور خواہش رکھنی چاہئے، دنیا کی بے حقیقت چیزوں کی رغبت کر کے جن کو دوام اور بقا بھی حاصل نہیں، اپنی عاقبت برباد نہیں کرنی چاہئے۔ رغبت و سبقت کے لائق تو بس آخرت ہی کی نعمتیں ہیں۔

مقرب لوگ جو اہل جنت میں سب سے افضل ہیں چشمۂ تسنیم کا خالص مشروب پیتے ہیں جو جنت میں سب سے بہتر و اشرف مشروب ہے اور ابرار یعنی اصحب الیمین کو تسنیم کا مشروب ان کی شرابِ رحیق میں ملا کر دیا جاتا ہے۔ رحیق اس سے کم درجے کا مشروب ہے۔

(حقانی / ج ۵، ص ۲۸۹، ۲۹۰، عثمانی / ج ۲، ص ۹۲ے، ۹۳ے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ سب سے کم درجے کا جنتی اپنے ملک و ملکیت کو اپنے تخت سے ۲ ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس کی نظروں کے سامنے اس طرح ہوں گی جس طرح سب سے اول چیزیں اور اہل جنت میں سب سے اعلیٰ درجے والا وہ ہوگا جو دن میں دو مرتبہ دیدار الٰہی کی نعمت سے مشرف ہوگا۔ (ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۸۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مومن نے دوسرے مومن کو پیاس میں پانی پلایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو رحیق مختوم سے

پلائے گا اور جس نے دوسرے مومن کو بھوک میں کھانا کھلایا اللہ تعالی اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس نے دوسرے مومن کو بدن ڈھانکنے کی ضرورت کے وقت کپڑا پہنایا، اللہ تعالی اس کو جنتی سبز ریشم کا لباس پہنائے گا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۶۸)

اہل ایمان کی تضحیک کا انجام

۲۹، ۳۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

یقیناً گناہ گار لوگ (دنیا میں) ایمانداروں پر ہنستے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے، اور جب اپنے گھر لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ بے شک یہی گمراہ ہیں، حالانکہ یہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، سو آج ایماندار کافروں پر ہنسیں گے، مسندوں پر بیٹھے (کافروں کا انجام) دیکھ رہے ہوں گے کہ اب ان کافروں نے اپنے کئے کا بدلہ پایا۔

اَجْرَمُوْا: انہوں نے جرم کیا، انہوں نے گناہ کیا۔ اِجْرَامٌ سے ماضی۔

يَضْحَكُوْنَ: وہ ہنستے ہیں۔ ضِحْكٌ سے مضارع۔

مَرُّوْا: وہ گزرے، مُرُوْرٌ سے ماضی۔

يَتَغَامَزُوْنَ: وہ آنکھوں سے اشارہ کرتے ہیں، وہ حقارت سے دیکھتے ہیں، تَغَامُزٌ سے مضارع۔

اِنْقَلَبُوْا: وہ لوٹ کر آئے، وہ پھر گئے، اِنْقِلَابٌ سے ماضی۔

فَكِهِيْنَ: باتیں بناتے ہوئے، اتراتے ہوئے، مذاق اڑاتے ہوئے، واحد فَكِهٌ

حٰفِظِيْنَ: حفاظت کرنے والے، نگرانی کرنے والے۔ حِفْظٌ سے اسم فاعل۔

ثُوِّب: اس کو بدلہ دیا گیا۔ تَثْوِیْبٌ سے ماضی مجہول، قرآن مجید میں یہ لفظ برے اعمال کے بدلے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کے طرز عمل کا نقشہ کھینچا ہے کہ کفار و مشرکین دنیا میں نہایت حقارت سے مومنین کا تمسخر اور ہنسی اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو ان کی تحقیر و تذلیل کے لئے آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے۔ پھر جب اپنے اہل وعیال میں واپس جاتے تو انہوں نے مومنوں کے ساتھ جو تمسخر اور اہانت آمیز ہنسی مذاق کیا تھا ان سے اس کا تذکرہ خوب مزے لے لے کر کرتے۔ یہ کفار جب مومنین کو دیکھتے تو بظاہر ہمدردی کے طور پر اور حقیقت میں تمسخر کے لئے کہتے کہ یہ بے چارے بڑے سادہ لوح اور بیوقوف ہیں کہ دنیا کے مزے چھوڑ کر قیامت کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گمراہ کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

ظاہر ہے ان کی یہ تمام باتیں احمقانہ تھیں اور کوئی شریف آدمی ایسی بیہودہ باتوں کو گوارا نہیں کرسکتا اور نہ یہ لوگ اہل ایمان پر محافظ و نگراں بنا کر بھیجے گئے تھے کہ اپنی بداعمالیوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی نگرانی کریں۔ بہرحال ان مجرموں نے دنیا میں خوب ذلیل حرکتیں کیں لیکن آج ایمان والے اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان مجرموں کی ذلت ورسوائی اور ان کو عذاب جہنم میں مبتلا دیکھ کر ان پر ہنسیں گے کہ یہ کیسے کوتاہ اندیش اور احمق تھے جو فانی دنیا اور اس کے عیش و آرام کو آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں پر ترجیح دیتے تھے۔ سو منکروں نے اپنے کئے کا بدلہ پالیا۔

سورۃ الانشقاق

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظِ انشقت آیا ہے جو انشقاق سے مشتق ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الانشقاق ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۲۵ آیتیں، ۱۰۰ کلمات اور ۴۳۴ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ نے کہا کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا۔ قرطبی نے کہا کہ یہ بلا خلاف مکیہ ہے۔ اس سورت میں سجدۂ تلاوت ہے۔ سب علما اس سجدہ پر متفق ہیں۔

بخاری و مسلم میں ابورافعؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا۔ میں نے حضرت ابوہریرہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا ہے۔ میں تو ہمیشہ اس سورت میں سجدہ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں۔ (یعنی انتقال کروں)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو قیامت کا منظر آنکھوں سے دیکھنا پسند ہو وہ اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔ (مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۲۳۵، ۲۳۶)

اس سورت میں بھی احوال قیامت، حشر ونشر اور جزا وسزا کے مضامین ہیں۔ نیز غافل انسان کو اپنے گرد و پیش کے حالات میں غور وفکر کی دعوت اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

قیامت کے ہولناک مناظر

۱، ۵۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ
مُدَّتْ ۝۳ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵

جب آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم بجالائے اور وہ (آسمان) اسی
لائق ہے اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے اور جو کچھ اس میں ہے
اسے (باہر) اگل دے اور خالی ہو جائے اور اپنے رب کا حکم بجالائے اور وہ
(زمین) اسی لائق ہے۔

اِنْشَقَّتْ: وہ شق ہوگئی، وہ پھٹ گئی۔اِنْشِقَاقٌ سے ماضی۔

اَذِنَتْ: اس نے حکم سن لیا، اس نے کان لگائے۔اِذْنٌ سے ماضی۔

حُقَّتْ: وہ اسی لائق ہے، وہ ثابت کی گئی۔حَقٌّ سے ماضی مجہول۔

مُدَّتْ: وہ دراز کی گئی، وہ کھینچی گئی۔مَدٌّ سے ماضی مجہول۔

اَلْقَتْ: اس نے نکال ڈالا۔اس نے اگل دیا۔اِلْقَاءٌ سے ماضی۔

تَخَلَّتْ: وہ خالی ہوگئی، وہ فارغ ہوگئی۔تَخَلِّیٌ سے ماضی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ پورا ہو جائے گا تو اس جہان کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس کے بعد ایک دوسرا جہان قائم کیا جائے گا، جہاں لوگوں کو ان کے اس دنیا میں کئے ہوئے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔اس نئے جہان کی ابتدا اس وقت ہوگی جب آسمان اپنے رب کا حکم پاتے ہی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگا، اور اسے چاہئے بھی یہی کہ اپنے مالک و خالق کی فرماں برداری میں ذرا چون و چرا نہ کرے، اس لئے کہ یہ اس خدا کا حکم ہے جس سے بڑا کوئی اور نہیں، وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں، ہر چیز اس کے سامنے مجبور و لاچار ہے۔مخلوق میں سے کسی کو مجال نہیں کہ اس کے حکم سے ذرا بھی منحرف ہو سکے۔قیامت کے روز زمین پھیلا کر بچھا دی جائے گی اور اس کو کھینچ کر بڑھا دیا جائے گا، تاکہ تمام اولین و آخرین اس پر جمع ہو سکیں۔اس وقت وہ ہر چیز کو باہر اگل دے گی جو اس کے اندر ہے جیسے ارشاد ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝٢

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے بوجھ (دفینے)
نکال باہر کرے گی۔(الزلزال ۱،۲)

مطلب یہ کہ اس روز زمین تمام مردے، خزائن و دفائن اور زر و جواہر وغیرہ سب اگل

دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی، وہ چاندنی کی طرح بچھی ہوئی ایک صاف اور مستوی سطح ہوگی کہ اس میں نہ کوئی پہاڑ ہوگا اور نہ غار اور نہ مکان اور نہ کوئی درخت، یہ سب اس لئے ہوگا کہ وہ بھی آسمان کی طرح اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگی اور اسے چاہئے بھی یہی کہ وہ اپنے مالک وخالق کی فرماں برداری میں ذرا چون وچرا نہ کرے۔

احکام الٰہیہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ۱۔تشریعی یعنی شرعی قوانین۔ انسان اور جن ان کے مکلف ہوتے ہیں اور ان کو اختیار رہتا ہے کہ وہ چاہیں تو ان پر عمل کریں یا ان کے خلاف کریں۔ اگر وہ ان پر عمل کریں گے تو ان کو اس کی جزا ملے گی اور اگر ان کے خلاف کریں گے تو سزا ملے گی، ۲۔تکوینی احکام۔ ان کو تقدیری یا احکام تقدیری بھی کہتے ہیں، تمام مخلوق پر ان کی تعمیل جبری ہوتی ہے، کسی کو بھی سرِ مُو ان کی خلاف ورزی یا دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ ان آیتوں میں زمین اور آسمان کے سننے اور ماننے میں دونوں کا احتمال ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو شعور وادراک عطا فرما کر مکلف بنا دے اور ان کو حکم دے تو وہ پوری طرح فرماں بردار ثابت ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم تکوینی ہو جس سے دونوں مجبور محض ہوں۔

حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین کو اس طرح پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے کو پھیلایا جاتا ہے، پھر بھی آدمی کو زمین پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ملے گی۔ پھر سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ میں سجدے میں گر جاؤں گا تو مجھے (کچھ عرض کرنے کی) اجازت دی جائے گی۔ اس وقت جبرئیل اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، واللہ اس سے پہلے جبرئیل نے اللہ کو کبھی نہ دیکھا ہوگا، میں عرض کروں گا اے میرے رب! اے میرے رب! مجھے جبرئیل نے خبر دی تھی کہ تو نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا۔ جبرئیل خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس نے سچ کہا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا اور میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب تیرے بندے تمام زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، مقام محمود (شفاعت کا مقام) یہی ہوگا۔

(مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۲۸، ۲۲۹)

مومنین کا حساب

۶، ۹۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝ فَاَمَّا مَنْ
اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝
وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝

انسان! تجھے اپنے رب کی طرف (پہنچنے کے لئے) خوب کوشش کرنی ہے پھر اس سے ملنا ہے۔ پس (اس وقت) جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش واپس آئے گا۔

كَادِحٌ: سخت محنت کرنے والا، سخت تکلیف اٹھانے والا، سخت کوشش کرنے والا۔ كَدْحٌ سے اسم فاعل۔

مُلَاقٍ: ملاقات کرنے والا، ملنے والا، پانے والا، مُلَاقَاتٌ سے اسم فاعل۔

اُوْتِيَ: اسے دیا گیا، اسے ملا۔ اِیْتَاءٌ سے ماضی۔

يُحَاسَبُ: اس سے حساب لیا جائے گا، مُحَاسَبَةٌ سے مضارع مجہول۔

يَسِيْرًا: آسان، سہل، يُسْرٌ سے صفت مشبہ۔

يَنْقَلِبُ: وہ پلٹے گا۔ وہ لوٹے گا۔ اِنْقِلَابٌ سے مضارع۔

مَسْرُوْرًا: مسرور، خوش کیا ہوا۔ سُرُوْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے انسان! تو دنیا میں کوشش کرتا رہتا اور اچھے یا برے اعمال کرکے اپنے رب کی طرف بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا اور حساب و کتاب کے لئے اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور اپنے اعمال و سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جب فَمُلٰقِيْهِ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہو۔ اگر یہ ضمیر كَدْحًا کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ اے انسان! تو جو محنت اور کوشش کر رہا ہے، اپنے رب کے پاس پہنچ کر اسی کا بدلہ پائے گا۔

قیامت کے روز مومن اور کافر دو علیحدہ علیحدہ فریق ہوں گے اور دونوں علیحدہ علیحدہ

کھڑے ہوں گے۔اس دن مومن کے سوا کسی کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا۔سو جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے تو اس سے بہت آسان حساب لے کر اس کو جنت کی بشارت دے دی جائے گی،یعنی یہ حساب اسی قدر ہوگا کہ اس کو نامہ اعمال دکھا دیا جائے گا اور کچھ تحقیق وتفتیش نہیں ہوگی۔بعض مفسرین کے نزدیک آسان حساب یہ ہے کہ مومن بندے کی برائیاں اس پر پیش کی جائیں گی پھر اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا۔پھر وہ خوشی خوشی جنت میں اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ کر چلا جائے گا،یا حشر میں اپنے جنتی لوگوں میں مل جائے گا۔وہ اس قدر مسرور ہوگا کہ خوشی کے مارے کہے گا:

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۟

یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو کیسا عمدہ ہے۔(الحاقہ،۱۹)

بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حُوْسِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عُذِّبَ یعنی قیامت کے روز جس سے حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہیں بچے گا۔اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا آپ نے فرمایا اس آیت میں جس حساب یسیر کا ذکر ہے وہ حقیقت میں مکمل حساب نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور جس سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا گیا وہ عذاب سے ہرگز نہیں بچے گا۔

امام احمد،عبد بن حمید،ابن جریر،حاکم اور ابن مردویہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی،وہ فرماتی ہیں کہ بعض نماز میں میں نے آپ کو یہ دعا مانگتے سنا کہ اے اللہ مجھ سے آسان حساب لینا،اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسان حساب کیا ہے۔آپ نے فرمایا آسان حساب یہ ہے کہ بندے کو نامۂ اعمال دیا جائے کہ وہ اس میں (اپنے گناہ) دیکھ لے پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے،اے عائشہ اس روز جس سے حساب لینے کا مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(روح المعانی/ ج ۳۰،۸۰،مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰،ص ۲۴۰،۲۴۱)

منکرین کا حساب

۱۰۔۱۵۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى
سَعِيْرًا ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِیْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿١٣﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿١٤﴾
بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿١٥﴾

اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا، بے شک وہ تو اپنے گھر میں خوش خوش رہا کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ (اللہ کی طرف) ہرگز نہیں لوٹے گا، کیوں نہیں، بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔

وَرَاءَ: پس پشت، پیچھے۔

ظَهْرِ: پیٹھ، پشت، جمع ظُهُوْرٌ۔

ثُبُوْرًا: ہلاکت، تباہی، موت، مصدر ہے۔

يَصْلٰى: وہ داخل ہوگا۔ صَلْیٌ و صِلِیٌّ سے مضارع۔

سَعِيْرًا: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ، سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

يَحُوْرَ: وہ لوٹے گا، وہ پھرے گا۔ حَوْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اس روز کافر کا نامۂ اعمال پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یعنی کافر کا دایاں ہاتھ طوق سے اس کی گردن میں جکڑا ہوا ہوگا اور بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا تو لامحالہ اس کا نامۂ اعمال اڑ کر اس کی پیٹھ کے پیچھے آئے گا اور وہ اس کو بائیں ہاتھ میں لے گا۔ اس وقت اس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ جہنمی ہے اس لئے وہ یقیناً موت اور ہلاکت کو پکارے گا کہ کاش وہ مر کر مٹی ہو جائے اور عذاب سے بچ جائے، مگر وہاں اس بات کا کوئی امکان نہیں ہوگا بلکہ اس کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا، کیوں کہ وہ دنیا میں آخرت سے غافل و بےفکر ہو کر اپنے اہل وعیال میں مگن اور خوش رہتا تھا اور خوب مزے اڑا رہا تھا۔ آخرت کی فکر تو کیا سرے سے اس کا قائل ہی نہیں تھا۔ اسی لئے جائز و ناجائز، حلال و حرام ہر طرح سے مال و دولت جمع کرنے میں لگا رہا۔ اس کے علاوہ اس کا خیال تھا کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں اس لئے حساب و کتاب کے لئے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا کوئی

سوال ہی نہیں اور نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہے۔ وہ ہمیشہ اسی حال میں اور اسی دنیا میں رہے گا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح اللہ نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح مرنے کے بعد وہ اس کو ضرور دوبارہ زندہ کرے گا اور اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ضرور دے گا، کیوں کہ وہ اس کے اعمال و احوال کو دیکھ رہا ہے اور ان سے خوب واقف ہے۔

(حقانی / ج ۵، ص ۱۰۲، ۱۰۳، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۲۴۱، ۲۴۲)

کفار کے لئے دردناک عذاب

۱۶، ۲۵۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ
عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

سو میں شفق کی قسم کھاتا ہوں اور رات کی اور ان چیزوں کی جو اس میں سمٹ آتی ہیں اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچو گے، انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ کافر (اسے) جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو یہ دل میں رکھتے ہیں سو (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

شَفَقِ: کنارہ، آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب میں آسمان پر جو سرخی ہوتی ہے اس کو شفق کہتے ہیں۔ جمع اَشْفَاقٌ

وَسَقَ: اس نے اکٹھا کیا۔ اس نے سمیٹ لیا۔ وَسْقٌ سے ماضی۔

اِتَّسَقَ: وہ مکمل ہوا، وہ پورا ہوا۔ اِتِّسَاقٌ سے ماضی۔

تَرْكَبُنَّ: تم ضرور سوار ہو گے۔ رُكُوْبٌ سے مضارع با نون تاکید۔

طَبَقًا: درجہ، طبقہ، حالت، منزل، جمع اَطْبَاقٌ

یُوْعُوْنَ: وہ دل میں رکھتے ہیں، وہ جمع کرتے ہیں ۔اِیْعَاءٌ سے مضارع۔

اَلِیْم: دردناک، تکلیف دہ، اَلَمٌ سے صفت مشبہ، جمع آلامٌ

مَمْنُوْن: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہو۔مَنٌّ سے اسم مفعول۔

غَیْرُ مَمْنُوْن: بے شمار، بے انتہا، کبھی ختم نہ ہونے والا۔

تشریح: پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں اور رات کی اور ہر اس چیز کی جو رات کے اندھیرے میں سمٹ آئے، اور چاند کی قسم جب پورا اور بھرپور روشنی والا ہو جائے یقیناً تمہیں درجہ بدرجہ مختلف احوال وادوار سے گزرنا ہے اور تدریجی مراحل مثلاً بچپن، جوانی، بڑھاپا وغیرہ طے کرتے ہوئے عمر کے اختتام کو پہنچنا ہے۔ یہ سب دلائل قدرت انسان کی ہدایت وراہنمائی کے لئے کافی ہیں اور عقل وفطرت کا تقاضا ہے کہ ان مشاہدات ودلائل کے بعد لوگ ایمان لے آئیں لیکن افسوس! ان جاہل وغافل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ جاننے اور دیکھنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیاتِ مقدسہ تلاوت کی جاتی ہیں تو اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں جھکتے۔ صرف یہی نہیں کہ قرآن کریم سنتے وقت یہ اللہ کی طرف نہیں جھکتے بلکہ یہ تو اپنی جبلی مخالفت اور عناد کے سبب قرآن ہی کو جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بھرے ہوئے کفر وعداوت کو خوب جانتا ہے اس لئے وہ ان کو اس کی سزا ضرور دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کفار ومکذبین کو خبر دے دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، جس کی شدت وسختی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس دردناک عذاب سے صرف وہ لوگ محفوظ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے کلام پر ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ ان کے لئے بے انتہا اور کبھی ختم نہ ہونے والا ثواب ہے۔

سورۃ البروج

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں لفظ بروج آیا ہے، اسی مناسب سے اس کا نام البروج ہوگیا۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۲ آیتیں، ۱۰۹ کلمات اور ۴۵۸ حروف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں میں والسماء ذات البروج اور والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔

جب مکے میں آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا اور دین اسلام کی بدولت کفر و شرک کی ظلمت کم ہونے لگی تو کفار و مشرکین مکہ کو یہ ناگوار گزرا، کیوں کہ دین اسلام ان کے محبوب و مرغوب دین یعنی شرک و بت پرستی کے خلاف تھا، اس لئے انہوں نے اسلام کی مخالفت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح سے ستانا اور ایذائیں دینا شروع کر دیا، پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا جاتا تھا مشرکین کی طرف سے اسلام کی مخالفت بھی بڑھتی جارہی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی تسلی اور مشرکین کی تنبیہ کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید اور اس کے دلائل کا ذکر ہے، یہی عقیدۂ توحید اسلام کی روح ہے، عقیدے کی یہ عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ دین اسلام کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

(مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۲۸۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی / ج ۸، ص ۴۱۷)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر، مومنین و منکرین کے حساب اور کافروں کی سزا کا بیان تھا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و کبریائی کے دلائل وشواہد بیان کر کے انسان کی نافرمانی اور احکام خداوندی سے سرتابی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ نیز یہ کہ مومنوں کو مصائب پر صبر و استقامت اختیار کرنی چاہئے اور راہ حق میں استقامت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

اصحاب الاخدود: اس عنوان سے مفسرین نے کئی واقعات نقل کئے ہیں، ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں آگ کی خندق کے مختلف واقعات ہوئے ہیں، ان میں سے ایک خندق یمن میں تھی۔ جس کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے زمانۂ فترت میں پیش آیا، اس سورت میں یہی خندق مراد ہے، کیونکہ عرب کے لوگ اس سے واقف تھے۔ دوسری خندق شام میں اور تیسری فارس میں تھی۔ صحیح مسلم، ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک کافر بادشاہ کے ہاں ایک ساحر رہتا تھا، اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کو ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا دیا جائے تاکہ وہ اس کو اپنا علم سکھا دے۔ چنانچہ ایک لڑکا منتخب کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر جادو سیکھتا۔ راستے میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ ساحر کے پاس آتے جاتے وقت لڑکا راہب کے پاس بھی ٹھہرنے لگا اور اس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا اور اس کی صحبت سے باکرامت ہوگیا۔

ایک دن لڑکے نے دیکھا کہ ایک بڑے ہیبت ناک جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے، لوگ حیران و پریشان کھڑے ہیں، ادھر والے اُدھر نہیں جاسکتے اور اُدھر والے ادھر نہیں آسکتے۔ اس نے ایک پتھر یہ کہہ کر جانور پر پھینک مارا کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس جانور کو میرے پتھر سے ہلاک کردے۔ پتھر لگتے ہی جانور کا کام تمام ہوگیا اور حاجت مند لوگ لڑکے کے پاس آنے جانے لگے۔ اس کی دعا سے مادر زاد اندھے، کوڑھی، جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک نابینا وزیر بھی تحائف لے کر پہنچا، لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں، وزیر کے اقرار پر لڑکے نے اللہ سے دعا کی تو اس کی بینائی واپس آگئی اور اس کی آنکھیں پہلے کی طرح روشن ہوگئیں۔

جب یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں تو اس نے برہم ہوکر اس لڑکے کو مع راہب اور نابینا وزیر کے (جس کی بینائی بحال ہوگئی تھی) طلب کیا۔ اور کچھ بحث وتمحیص کے بعد راہب اور وزیر کو تو قتل کر دیا اور لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو اونچے پہاڑ سے گرا دیا جائے، لیکن اللہ کی قدرت جو لوگ اس کو پہاڑ پر لے گئے وہ سب تو گر کر ہلاک ہوگئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا، پھر بادشاہ نے اس کو دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا تو بچ گیا اور اس کو لے جانے والے سب

ڈوب گئے، آخرلڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں تمہیں اپنے مرنے کی ترکیب بتاتا ہوں، سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے مجھے ان کے سامنے سولی پر لٹکا دو اور ''بسم اللہ رب ہذا الغلام'' کہہ کر میرے تیر مارو، چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا، اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ لڑکے کے شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین ہوگیا اور وہ سب اس کے رب پر ایمان لے آئے، یہ دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم نے لڑکے کو اسی لیئے قتل کیا تھا کہ یہ مذہب عام لوگوں میں نہ پھیلے لیکن پھر بھی جو اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا۔

بادشاہ نے غصے میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان میں خوب آگ بھڑکانے کا حکم دیا۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو اس نے اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے اس کو ان خندقوں میں ڈال دو۔ آخر ان مسلمانوں نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے آگ میں جلنا منظور کر لیا۔ لوگ آگ میں ڈالے جارہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے البتہ ایک عورت جس کی گود میں ایک دودھ پیتا بچہ تھا ذرا جھجکی تو اللہ نے بچے کو بولنے کی طاقت دے دی۔ اس نے کہا اماں تم تو حق پر ہو، صبر کرو اور اس میں کود پڑو، چنانچہ یہ عورت بھی بچے سمیت آگ میں کود پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا غضب آیا اور وہی آگ خندق سے باہر پھیل گئی اور اس کے شعلوں نے خندق کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ظالموں، سرکشوں اور بدکرداروں کو جلا دیا۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۲، ۴۹۳، عثمانی/ ج ۲، ص ۷۹۸)

کفار کی شقاوت

۱، ۷۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳
قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا
قُعُوْدٌ ۝۶ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور اس کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں کہ خندقوں والے ہلاک کئے گئے، وہ ایک آگ تھی ایندھن والی جب وہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔

الْبُرُوْج: ستارے، محلات، بلند عمارتیں، ظاہر ہونا۔ واحد بُرْجٌ

الْمَوْعُوْد: قیامت کا دن، وعدہ کیا ہوا۔ وَعْدٌ سے اسم مفعول۔

شَاهِدٍ: شاہد، گواہ، حاضر ہونے والا، یہاں جمعہ کا دن مراد ہے، شُهُوْدٌ وشَهَادَةٌ سے اسم فاعل،

مَشْهُوْدٍ: شہادت دیا ہوا، حاضر کیا ہوا، یہاں عرفہ کا دن مراد ہے، شُهُوْدٌ وشَهَادَةٌ سے اسم مفعول،

اُخْدُوْدِ: خندق، کھائی۔ جمع اَخادِيْد

وَقُوْدِ: آگ جلانے کا ایندھن، بھڑکنا، جلنا، روشن ہونا، شعلہ۔ اسم ہے۔

قُعُوْدٌ: بیٹھنا، مصدر ہے۔

شُهُوْدٌ: دیکھنے والے، گواہ، حاضرین، واحد شَاهِدٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے، ۱۔ برجوں والے آسمان کی، بڑے محل یا قلع کو برج کہتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں، ۲۔ یوم موعود کی جس سے مراد قیامت کا دن ہے، ۳۔ شاہد کی، جس سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ حضرت ابو درداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعے کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ وہ مشہود دن ہے جس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوم موعود سے مراد قیامت کا دن ہے اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے جن جن دنوں پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ بندہ مسلم اس میں اللہ تعالیٰ سے جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے ٹل جاتی ہے، ۴۔ مشہود کی اس سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ (عثمانی / ج ۲، ص ۷۹۷، ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۹۱، ۴۹۲)

ان قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ خندق والوں پر لعنت ہو جنہوں نے زمین میں خندقیں کھود کر ان میں خوب آگ بھڑکائی پھر مسلمانوں کو آگ سے ڈرا کر کہا کہ یا تو اپنے دین سے پھر جاؤ اور بت پرستی قبول کر لو ورنہ اس آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ مسلمانوں کے انکار پر ان شقی القلب اور بے رحم کافروں نے ان کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا اور خندقوں کے کناروں پر بیٹھ کر مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھتے رہے۔

اللہ کا انتقام

۸،۱۰۔ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝

اور وہ ان (مومنوں) سے اسی کا بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے، تعریفوں والا ہے جس کی حکومت آسمان اور زمین پر ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے، بیشک جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو تکلیف دی، پھر توبہ بھی نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے۔

نَقَمُوْا: انہوں نے بدلہ لیا، انہوں نے سزا دی، انہوں نے ناپسند کیا، انہوں نے عیب لگایا۔ نَقْمٌ سے ماضی۔

فَتَنُوا: انہوں نے آزمائش میں ڈالا، انہوں نے ایذا دی۔ فِتْنَةٌ سے ماضی۔

الحریق: جلتی ہوئی آگ، بھڑکتی ہوئی آگ، شعلہ والی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: ان مومنوں کا کوئی جرم وقصور نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ کفر وشرک کی ظلمت وتاریکی سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے جس کی بادشاہت وحکومت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر شخص کے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال سے باخبر ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ مومنوں کا صبر اور ان کی استقامت اور کفار کے مظالم سب اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ وہ مومنوں کو ان کے صبر واستقامت پر انعام دے گا، اور کافروں سے ان کے ظلم وستم پر انتقام لے گا۔

بیشک جو لوگ بھی مومنوں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے خواہ وہ اصحٰب الاخدود ہوں یا مشرکین مکہ یا کوئی اور ہوں اور پھر وہ اپنی نالائقیوں اور حرکات بد سے توبہ نہ کریں تو

آخرت میں ان سب کے لئے دوزخ کا عذاب اور دنیا میں دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے۔ اگر یہاں پہلا جملہ دوسرے جملے کی تاکید ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ دوزخ میں جا کر ان کو ہمیشہ ہمیشہ آگ میں جلنے کا عذاب ہوتا رہے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلے جملے میں اصل بڑے عذاب کا بیان ہو جو آخرت میں ہوگا اور دوسرے جملے میں اس سزا کا بیان ہو جو ان کو دنیا میں بطور نمونہ ملی، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آگ اتنی بھڑکی کہ خندق سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب کو جلا ڈالا جنہوں نے مسلمانوں کو آگ میں ڈالا تھا۔

پس جس طرح اصحب الاخدود نے مومنوں کو ستایا اور اللہ کے عذاب اور سزا سے نہ بچ سکے اسی طرح کفار مکہ کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ان کو مسلمانوں کو ستانے اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے کی سزا دنیا اور آخرت میں بھگتنا پڑے گی۔ (عثمانی / ج ۲، ص ۷۹۸، ۷۹۹، ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۹۱، ۴۹۲)

اللہ کی پکڑ

۱۱، ۱۶۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ بیشک تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے۔ بیشک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا (اور) محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک (اور) بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

الفَوْزُ: فتح، کامیابی، نجات پانا، مصدر ہے۔

الکَبِیْرِ: بڑا، بزرگ، کِبَرٌ سے صفت مشبہ، جمع کُبَراء

بَطْشَ: گرفت، پکڑ، سختی سے پکڑنا، مصدر ہے۔

یُبْدِئُ: وہ ایجاد کرتا ہے۔ وہ تخلیق اول کرتا ہے، اِبْدَاءٌ سے مضارع۔

يُعِيْدُ: وہ اعادہ کرے گا، وہ دوبارہ کرے گا، وہ لوٹائے گا، اِعَادَةٌ سے مضارع۔

الْوَدُوْدُ: بہت محبت کرنے والا، بڑا مہربان، اللہ تعالیٰ کا اسم صفت۔ وُدٌّ سے مبالغہ۔

الْمَجِيْدُ: بزرگ۔ عظمت والا، رفیع الشان، مَجْدٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: مجرمین و منکرین کا انجام بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے آخرت میں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ دنیا اور اس کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اس سے بچنا محال ہے، وہ کسی وقت بھی گرفت کر سکتا ہے خواہ اس دنیا میں کرے یا آخرت میں۔ جو لوگ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور استہزا کرتے اور اس کی نافرمانیوں میں لگے رہتے ہیں وہ ان کو ایسی شدید قوت کے ساتھ پکڑے گا کہ ان کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت باقی نہ رہے گی۔ وہ بڑی قوتوں والا ہے اور جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ وہی ہر چیز کو ابتدا میں وجود عطا کرتا ہے یعنی عدم سے وجود میں لاتا ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے روز وہی انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ وہی اپنی شان رحیمی اور کریمی سے اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں۔ وہ اپنے فرماں برداروں کو بہت محبوب رکھتا ہے، وہی عرش عظیم کا مالک اور بزرگی والا ہے، وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کی قدرت و کبریائی کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ ایسے شہنشاہ عالی صفات سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی کامل اطاعت و فرماں برداری کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔ اسی میں دونوں جہان کی بھلائی ہے۔

فرعون و ثمود کے لشکر

۱۷۔۲۲۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾
بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

(اے رسول) کیا آپ کو فرعون و ثمود کے لشکروں کی خبر پہنچی، بلکہ کافر تو
جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے

بلکہ یہ قرآن بڑی شان والا ہے (اور) لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔

الْجُنُوْدِ: لشکر، فوجیں، واحد جُنْدٌ

مُحِيْطٌ: احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا۔ اِحَاطَةٌ سے اسم فاعل۔

وَرَاءِ: پیچھے، پس پشت۔

لَوْحٍ: لوح، تختی، جمع اَلْوَاحٌ

تشریح: اے مخاطب! کیا تجھے فرعون اور قوم ثمود کے لشکروں کی خبر پہنچی جو بڑے طاقتور تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر و غضب سے ان کو ہلاک کر دیا اور دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے عذاب کو نہ ٹال سکی، چاہئے تو یہ تھا کہ مشرکین منکرین ان واقعات کو سن کر کفر و نافرمانی اور طغیان و سرکشی سے توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے لیکن افسوس! انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ منکرین برابر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ان کے حالات سے خوب واقف اور ان سے انتقام لینے پر قادر ہے، یہ اس کی قدرت اور گرفت سے نہیں نکل سکتے۔

یہ قرآن مجید کوئی قصے کہانیوں کی کتاب نہیں بلکہ یہ تو بڑی عظمت و شرف والا کلام ہے، تمام کتابوں میں عالی مرتبہ اور بے مثال ہے یہ وحی الٰہی ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں جن و انس اور شیاطین میں سے نہ کسی کی نظر پہنچ سکتی ہے اور نہ ہاتھ کہ وہ اس میں کوئی کمی یا بیشی کر سکے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا دین اسلام ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کے وعدے کو سچا جانے، اس کے رسولوں کی اتباع کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۶، ۴۹۷)

سورۃ الطارق

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رات کو نمودار ہونے والے روشن ستارے (طارق) کی قسم کھائی ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الطارق ہوگیا۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۱۷ آیتیں، ۷۲ کلمات اور ۲۷۱ حروف ہیں، یہ سورت بالاجماع مکیہ ہے، نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے معاذ! کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ والسماء والطارق اور والشمس و ضحٰھا اور ایسی ہی سورتیں پڑھ لیتا۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۷، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۳۱۳، ۳۱۴)

اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کے اثبات میں ارض وسماء اور کواکب ونجوم کے تغیرات کو شہادت اور حجت کے طور پر پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں ایمان اور اس پر استقامت اور اللہ کی راہ میں صبر و قربانی کا بیان تھا، نیز یہ کہ دنیا کی کوئی طاقت ایمان کو کفر کی طرف نہیں لوٹا سکتی۔ اس سورت میں قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے اثبات میں انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ خود اپنی تخلیق میں غور وفکر کرے، ارض وسماء اور روشن ستاروں کو دیکھے اور ان سے عبرت حاصل کرے۔

نگہبان فرشتے

۱، ۴۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝۲ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝۳
اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝۴

قسم ہے آسمان کی اور رات میں نمودار ہونے والے کی اور (اے رسول

ﷺ) آپ کو کیا معلوم کہ رات میں نمودار ہونے والا کیا ہے، وہ روشن ستارہ ہے، کوئی انسان ایسا نہیں جس پر ایک نگہبان (فرشتہ) مقرر نہ ہو۔

الطَّارِقِ: رات کو نمودار ہونے والا ستارہ، رات کو آنے والا، ستارۂ ثریا کا نام، یہاں یہی مراد ہے، طُرُوْقٌ سے اسم فاعل۔

النَّجْمُ: ستارہ، جمع نُجُوْمٌ۔ اسم جنس ہے۔

الثَّاقِبُ: جلا دینے والا، دہکتا ہوا، چمک دار، روشن، ثُقُوْبٌ سے اسم فاعل۔

لَمَّا: حرف جازم، مضارع کو منفی ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے، استثنا کے لئے بھی آتا ہے، یہاں استثنا کے لئے اِلَّا کے معنی میں ہے۔

حَافِظٌ: حفاظت کرنے والا، نگہبان، اللہ تعالیٰ کا اسم صفت، حِفْظٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا جس کی چمک سے وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی، ابوطالب نے پریشان ہوکر کہا کہ یہ کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ ایک ستارہ تھا جو شیطان کو مارا گیا، یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ابوطالب یہ سن کر متعجب ہوئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۹۵)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور عظیم الشان ثاقب ستارے کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہر انسان پر ایک محافظ اور نگران مقرر ہے جو اس کے تمام افعال واعمال اور حرکات وسکنات کو دیکھتا اور جانتا ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲

اور یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں جو بزرگ (اور) لکھنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ (الانفطار، ۱۰،۱۲)

یہ معزز نگہبان فرشتے صرف تمہاری حفاظت ہی نہیں کرتے بلکہ تمہارے نیک و بد اعمال کو دفتر غیب یعنی تمہارے اعمال ناموں میں لکھتے رہتے ہیں، وہ یونہی اپنی طرف سے نہیں لکھتے بلکہ جو کچھ اچھا یا برا عمل تم کرتے ہو وہ اس کو خوب جانتے ہیں، تم ان سے اپنا کوئی معمولی سے معمولی عمل بھی نہیں چھپا سکتے۔

اس طرح آدمی کا ہر اچھا یا برا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہو رہا ہے، تاکہ قیامت کے روز اس کے اعمال کا حساب وکتاب کر کے اس کو جزا یا سزا دی جائے، لہٰذا آدمی کو کسی وقت بھی آخرت اور فیصلے کے دن سے غافل نہیں ہونا چاہئے، اگر حافظ کے معنی نگران کے لئے جائیں تو اس سے مراد اعمال لکھنے والا فرشتہ ہوگا، اور اگر اس کے معنی محافظ کے لئے جائیں تو وہ فرشتے مراد ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر کر رکھے ہیں، وہ دن رات تمام آفات و مصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اس مصیبت اور آفت کے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کر دی ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۶۰ فرشتے مقرر ہیں، یہ فرشتے انسان سے (ہر بلا و مصیبت جو اس کے لئے مقدر نہیں اس سے اس طرح) دفع کرتے ہیں جیسے شہد کے برتن پر آنے والی مکھیوں کو (پنکھے وغیرہ سے) دفع کیا جاتا ہے، اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اس کو اچک لیں۔ (روح المعانی / ج ۳۰، ص ۹۶)

انسان کی حقیقت

۵۔۱۰ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ إِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝

پس انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا، وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے، بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے، جس دن بھید کھل جائیں گے تو نہ (خود) اس کا کچھ زور چلے گا اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

دَافِقٍ: اچھلنے والا، بہانے والا، دَفْقٌ سے اسم فاعل۔

الصُّلْبِ: پشت، پیٹھ، کمر۔ جمع اَصْلَابٌ

التَّرَائِبِ: سینے، سینے کی ہڈیاں، سینے کا بالائی حصہ، واحد تَرِيْبَةٌ

تُبْلَى:　وہ آزمائی جائے گی، وہ ظاہر ہو جائے گی، وہ کھل جائے گی۔ بَلاءٌ سے مضارع مجہول۔

السَّرَائِرُ:　بھید، راز، پوشیدہ باتیں، واحد سَرِیْرَةٌ

نَاصِرٍ:　مددگار، مدد کرنے والا۔ نَصْرٌ سے اسم فاعل،

تشریح: یہاں اس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دلوں میں ڈالتا رہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب انسان مٹی اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تو ان سب اجزا کا پھر سے جمع ہو جانا اور اس میں از سر نو زندگی پیدا ہو جانا محال و ناممکن ہے، انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہئے کہ اس کو ایک اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے، چوں کہ مادۂ منویہ کا تعلق اعضائے رئیسہ سے ہے، اس لئے اس کا سینے اور پشت کی ہڈیوں سے نکلنا بیان کیا گیا، پس جو قادر مطلق انسان کو اپنی قدرت و حکمت سے ایک قطرۂ آب سے پیدا کرنے پر قادر ہے، بلاشبہ وہ اس کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب اور مشکل نہیں جتنا کہ اس کو پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل ہے۔

مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا جس (قیامت کے) روز پوشیدہ اعمال اور مخفی عقائد و ارادے اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی، اس روز دوبارہ پیدا ہونے کے بعد آدمی کے پاس نہ تو ذاتی قوت اور طاقت ایسی ہوگی جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچ سکے اور نہ اس کا کوئی ایسا مددگار ہوگا جو ایسے سخت مرحلے پر اس کی مدد کر کے اس کو عذاب الٰہی سے بچالے۔

فیصلہ کن قول

۱۱،۱۷۔　وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور قسم ہے بارش والے آسمان کی اور زمین کی جو (بیج اگنے کے وقت) پھٹ جاتی ہے، بیشک یہ (قرآن) قطعی بات ہے اور یہ کوئی بے فائدہ (لغو) چیز نہیں، بیشک وہ اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں اور میں بھی تدبیریں کر رہا ہوں، سو آپ کافروں کو تھوڑی مہلت دیجئے۔

الرَّجۡعِ: بارش، مینہ، چکر، مصدر ہے۔

الصَّدۡعِ: پھٹنا، شق ہونا، ظاہر ہونا، یہاں زمین سے کھیتی کا پھوٹ نکلنا مراد ہے۔ مصدر ہے۔

فَصۡلٌ: دوٹوک بات، حق بات، سچا فیصلہ کرنے والا قول۔ مصدر ہے۔

الۡهَزۡلِ: لغو، بے فائدہ، بیہودہ، دل لگی کی چیز، ہنسی مذاق کی بات۔

یَکِیۡدُوۡنَ: وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں، وہ حیلہ کرتے ہیں۔ کَیۡدٌ سے مضارع۔

مَهِّلِ: تو مہلت دے۔ تَمۡهِیۡلٌ سے امر۔

رُوَیۡدًا: ایک مدت تک، تھوڑے دنوں تک۔

تشریح: بار بار بارش برسانے والے آسمان کی قسم اور زمین کی قسم جو بیج ڈالنے سے شق ہو جاتی ہے اور اس سے سبزہ اور درخت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، بلاشبہ قرآن کریم ایک فیصلہ کن قول ہے جو حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے اور ہدایت و گمراہی کو جدا جدا کر دیتا ہے، جس طرح آسمان سے بارش برسنے پر مردہ اور غیر آباد، بنجر زمین زندہ اور آباد ہو جاتی ہے، پھل پھول، کھیتیاں اور درخت اگتے ہیں اور ہر طرف سبزہ لہلہانے لگتا ہے، اسی طرح آسمان سے وحی کے نزول سے انسانی زندگی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور ان کے قلوب سے حسن اخلاق اور معارف و حکم کے پھول اور پھل اگنے لگتے ہیں۔

یہ قرآن یقیناً کوئی ہنسی مذاق کی بات اور دل لگی کی چیز نہیں بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے، اس لئے اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کو پڑھنے اور سننے کے وقت ہنسی اور دل لگی کرنے کی بجائے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، اگر یہ منکرین اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو مومنوں کو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، جس طرح یہ لوگ دین حق کے خلاف سازشوں اور تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح اللہ بھی ان کو مہلت اور ڈھیل دے کر ان سے سخت مواخذے کی تدبیر کر رہا ہے، ظاہر ہے اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کسی کا مکر اور سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی ان کو کچھ مہلت دے دیجئے، پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں پکڑے گا تو یہ بچ کر کہیں نہ جا سکیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کی لڑائی میں پکڑ لیا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ ۝

اورآپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے، بے شک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔(ہود،۱۰۲)

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کومہلت دیتا ہے، پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھرآپ نے یہی آیت پڑھی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی/ ج ۸،ص ۴۲۹، ۴۳۰)

سورۃ الاعلیٰ

وجہ تسمیہ: اس کی ابتدا لفظ سبح سے ہوئی ہے اس لئے اس کا نام سورۂ سبح ہو گیا۔ اسی آیت میں لفظ اعلیٰ بھی مذکور ہے، اس مناسبت سے اس کو سورۃ الاعلیٰ بھی کہتے ہیں اور یہی نام زیادہ مشہور ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۱۹ آیات، ۷۲ کلمات اور ۲۸۴ حروف ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ بھی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ذات خداوندی، اس کی عظمت، دلائل قدرت، وحدانیت اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے۔

فضائل: احمد اور بزار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت **سبح اسم ربک الا علیٰ** کو محبوب رکھتے تھے، اور ایک حدیث میں ابو تمیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو افضل المسبحات فرمایا ہے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر، عید الاضحیٰ اور جمعہ کے روز **سبح اسم ربک الا علیٰ** اور **ھل اتک حدیث الغاشیۃ** پڑھا کرتے تھے اور بعض اوقات دونوں جمع ہوئیں تو دونوں میں انہی سورتوں کی قرأت فرمائی، یعنی اگر عید جمعہ کے روز واقع ہوگئی تو آپ نے عید کی نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں پھر جمعہ کی نماز میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھیں۔

نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور دوسری میں **قل یایھا الکفرون** اور تیسری میں **قل ھو اللہ** اور معوذتین پڑھا کرتے تھے۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۱۰۱، ۱۰۲، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۳۲۷، ۳۲۸)

سابقہ سورت سے ربط: سابقہ سورت میں انسان کو خود اپنی تخلیق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ جو ذات انسان کو ابتدا میں وجود عطا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے

اعادے پر بھی قادر ہے۔ اس سورت میں عظمت خداوندی اور اس کی ذات وصفات کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ انسان کی فلاح وسعادت کا انحصار ذکر خدا اور یاد الٰہی میں ہے۔ اس لئے اسے اپنے رب کی یاد اور بندگی میں لگے رہنا چاہئے نیز اس میں انسان اور دوسری مخلوقات کی انتہا کا بیان ہے کہ آخر کار کمزور ہو کر ختم ہو جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر نیست ونابود ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی قدرت وحکمت کے مظاہر

۱،۵۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَاۗءً اَحْوٰى ۝٥

آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے، جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا، اور جس نے اندازہ کیا پھر راہ دکھائی، اور جس نے چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا بنا دیا۔

الْمَرْعٰی: چراہ گاہ۔ رَعْیٌ سے اسم ظرف مکان۔

غُثَاءٌ: خس وخاشاک، خشک گھاس، وہ کوڑا کرکٹ جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جمع اَغْثَاءٌ

اَحْوٰی: سیاہ، سبز یا سرخی مائل سیاہ ہونا، حَوّٰی سے صفت مشبہ۔

تشریح: نماز کے سوا جب بھی اس سورت کی تلاوت کی جائے تو مستحب یہ ہے کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کے بعد سبحان ربی الاعلیٰ کہے، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں اور سبح اسم ربک سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کے نام کی تعظیم وتکریم کیجئے اور اللہ کا نام لیتے وقت خشوع وخضوع کا لحاظ رکھئے، ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کے شایاں نہیں، جو نام اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں ان کا مخلوق کے لئے استعمال اس کی تقدیس کے خلاف ہے اس لئے مخلوق کے لئے ان کا استعمال جائز نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس ذات کی تسبیح کر جو انسان کو کسی سابقہ مادہ کے بغیر عدم سے وجود میں لائی، پھر پیدا کر کے اس کو یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی جسامت اعضا اور وضع وہیئت کو اس کی ضرورت وحاجت کے مطابق نہایت متوازن ومتناسب بنایا، انسان کے ہاتھوں، پاؤں اور ان کی انگلیوں کے جوڑوں کو ہی دیکھ لو کہ ان میں کیسی نرمی اور لچک رکھی کہ ان کو دائیں بائیں، اوپر نیچے کسی طرف بھی

نہایت آسانی سے موڑا جا سکتا ہے، اسی طرح دوسرے اعضا کی بناوٹ اور ان میں ایسا تناسب ہے کہ عقل حیران ہے، یہ سب انسان کو خالق کائنات کی قدرت وحکمت پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا اور اسی کے مناسب اس کو وسائل دیئے اور اسی کام میں اس کو لگا دیا اور اس کو اس کام کی ہدایت ورہنمائی بھی فرمادی کہ وہ اس کام کو کس کس طرح انجام دے، اس طرح ہر چیز اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی اور کام پر لگی ہوئی ہے، انسان تو سب سے زیادہ عقل وشعور والا ہے۔ جنگل کے جانوروں اور درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کو دیکھو کہ اللہ نے ہر ایک کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے، رہنے بسنے اور اپنی مخالف چیزوں کو دفع کرنے کے لئے کیسے کیسے طریقے سکھائے، یہ چیزیں انہوں نے کسی اسکول کالج میں داخل ہو کر یا کسی استاد سے نہیں سیکھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عامہ اور تلقین وتعلیم کے ثمرات ہیں، جیسے ارشاد ہے:

أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کو وجود بخشا پھر اس کو اس کے متعلقہ کام کی ہدایت کر دی۔ (طٰہٰ، ۵۰)

پھر فرمایا کہ اس ذات کی تسبیح بیان کر جس نے زمین سے سبزہ اگایا اور اس کو خوب لہلہاتا ہوا سرسبز وشاداب اور خوش منظر بنا دیا۔ پھر چند روز بعد وہ زرد اور خشک ہو کر ریزہ ریزہ اور سیاہ ہو جاتا ہے، یہ سب اس کی حکمت اور کمال قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت وبلندی کی گواہی دے رہی ہیں۔ (حقانی / ج ۵، ص ۱۳۳، ۱۳۴، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۷۲۲، ۷۲۵)

آپ کو قرآن یاد کرانے کا وعدہ

۶، ۷۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۝

بہت جلد ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ (اسے) نہ بھولیں گے مگر جتنا اللہ چاہے، بیشک وہ تو ظاہر اور پوشیدہ (باتوں) کو جانتا ہے۔

تشریح: بعثت کے بعد ابتدا میں جب قرآن مجید نازل ہوتا اور جبرئیل امین وحی لے کر آتے اور آپ

کو قرآن مجید کی کوئی آیت سناتے تو اس خیال سے کہ کہیں آیت کے الفاظ ذہن سے نہ نکل جائیں، آپ بھی جبرئیل امین کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا یاد کرا دینا اپنے ذمے لے لیا کہ جبرئیل کے چلے جانے کے بعد قرآن کی آیات کا صحیح پڑھوا دینا اور ان کو ذہن میں محفوظ کرا دینا ہماری ذمے داری ہے، اس کے لئے آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ہم آپ کو ایسا یاد کرا دیں گے کہ آپ قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں بھولیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپ کو بھلا دے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قرآن کو یاد کرنے کے لئے (جبرئیل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں، بے شک (آپ کے سینے میں) اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے اس کا) پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے۔ (القیمۃ ۱۶، ۱۹)

اور ارشاد ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ (طٰہٰ:۱۱۴)

جب تک آپ کے پاس پوری وحی نہ آجائے آپ پڑھنے میں جلدی نہ کریں۔

بعض مفسرین نے آیات کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اے انسان مرنے کے بعد ہم تجھ سے تیرا نامۂ اعمال پڑھوائیں گے اگرچہ اس وقت تو اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ جیسے ارشاد ہے:

اِقْرَأْ كِتَابَكَ (بنی اسرائیل:۱۴)

(حشر کے روز اس سے کہا جائے گا) اپنا نامۂ اعمال پڑھ۔

اس وقت انسان اپنے نیک و بد اعمال میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا، سب یاد آجائے گا مگر جن کو اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے گا وہ یاد نہ آئیں گے۔ نیک لوگوں کے بعض برے کام جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور انہوں نے ان کے لئے توبہ و استغفار کر لی تھی، اللہ تعالیٰ ان کاموں کو وہاں یاد نہیں دلائے گا تاکہ وہ ان کے لئے شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ ہم یہ تمام باتیں اس لئے یاد دلائیں گے کہ کوئی چیز ہم پر مخفی نہیں۔ ہم ہر ایک

کی کھلی اور چھپی سب باتوں کو جانتے ہیں، کسی کا کوئی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، علانیہ کیا ہو یا چھپا کر، ہم سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے جو کچھ کرو خوب سوچ سمجھ کر کرو اور جان لو کہ ایک روز تم سب کو ہمارے سامنے پیش ہونا ہے، اس وقت ہم تم سب کو تمہارے اعمال نامے پڑھوائیں گے۔

(حقانی / ج ۵، ص ۱۳۴)

اعمال جنت کی توفیق کا وعدہ

۸-۱۳۔ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝

ہم آپ کے لئے بہت آسانی پیدا کر دیں گے، اگر نصیحت کرنا فائدہ دے تو آپ نصیحت کرتے رہئے، جس کو خوف خدا ہوگا وہ جلد نصیحت قبول کرلے گا اور اس سے بدنصیب ہی دور رہے گا، جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔

الذِّکْرٰی: ذکر کرنا، نصیحت کرنا، یاد کرنا۔ مصدر ہے۔

یَتَجَنَّبُ: وہ دور رہتا ہے، وہ کنارہ کشی کرتا ہے، وہ ترک کرتا ہے، وہ اجتناب کرتا ہے۔ تَجَنُّبٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم آپ کے لئے وحی الٰہی کو یاد رکھنا آسان کر دیں گے اور اللہ کی معرفت وعبادت اور امت کی فلاح وصلاح کے طریقے سہل کر دیں گے اور کامیابی کی راہ سے تمام مشکلات دور کر دیں گے۔ اس لئے آپ بھی وعظ وتذکیر کے ذریعے لوگوں کو نفع پہنچاتے رہئے، آپ کا کام نصیحت کر دینا اور لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے، اگر کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا تو آپ کو اس پر رنجیدہ اور افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، سو آپ تو اس شخص کو نصیحت کرتے
رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔ (قٓ، ۴۵)

پھر فرمایا کہ سمجھانے اور نصیحت کرنے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت پر غور کرتا اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت اللہ کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو ورنہ بدبخت و بدنصیب تو اس نصیحت اور پیغام ہدایت سے دور ہی رہتا اور اجتناب کرتا ہے، ایسا شخص جہنم کی آگ میں داخل ہوگا جہاں نہ اسے موت آئے گی کہ مر کر عذاب سے چھٹکارا پالے اور نہ وہ وہاں زندگی کی کوئی راحت و چین پائے گا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے ہولناک عذاب میں رہے گا۔

(عثمانی / ج ۲، ص ۸۰۴، مظہری / ج ۱۰، ص ۲۴۵)

فلاح پانے والے

۱۴، ۱۹۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾

بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی حاصل کی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (اور) نماز پڑھتا رہا، تم دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے، بیشک یہ بات پہلے صحیفوں میں بھی ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

تشریح: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنے آپ کو اخلاق رذیلہ اور ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک کرلیا، اپنے دل دماغ کو عقائد صحیحہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کرلیا، احکام اسلام کی پیروی کی اور نماز کو ٹھیک وقت پر تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کیا تو اس نے نجات اور فلاح پالی۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى تلاوت کر کے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی دے،

اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کی گواہی دے اور پانچوں وقت کی نماز کی پوری طرح حفاظت واہتمام کرے، وہ فلاح پا گیا اور پاکیزہ ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ تم یہ بھلائی کیسے حاصل کر سکتے ہو جب کہ تمہیں نہ صرف یہ کہ آخرت کی فکر نہیں بلکہ تم تو اس دنیا کی زندگی اور اس کے عیش وآرام کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حالانکہ تمہارا فائدہ اور نفع آخرت کی زندگی کو دنیا کی چندروزہ زندگی پر ترجیح دینے میں ہے، دنیا ذلیل و حقیر اور فانی ہے اور آخرت اس سے کہیں بہتر، پائدار اور باقی رہنے والی ہے۔ کوئی عقل مند آدمی فانی کو باقی پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت کی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، سو تم باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو۔

پھر فرمایا کہ یہ فلاح وسعادت اور نصیحت کا بیان حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی تھا، پس جو نصیحت پہلی کتابوں اور صحیفوں میں جلیل القدر انبیاء پر نازل ہو چکی ہے، اس کی عظمت وافادیت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا، اس لئے لوگوں کو حیات دنیا کی بجائے آخرت کی فلاح وسعادت کی فکر کرنی چاہئے۔

(روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۱۰۹، ۱۱۰، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۱)

سورۃ الغاشیہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ غاشیۃ (چھپا لینے والی) آیا ہے، جس سے مراد قیامت ہے، اسی لئے اس کا نام سورۃ الغاشیہ ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۲۶ آیتیں، ۹۲ کلمات اور ۳۸۱ حرف ہیں، یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت سے سورۃ الاعلیٰ میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین اور نماز جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔

مؤطا امام مالک، ابوداؤد، مسلم، ابن ماجہ اور نسائی میں ہے کہ آپ جمعہ کے دن (نماز جمعہ کی) پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری میں **هل اتک حديث الغاشيه** پڑھتے تھے۔

(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۳۶۱، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۲)

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی قیامت اور بعث بعد الموت کے احوال، کافروں کو پیش آنے والے مصائب و شدائد اور مومنوں کے اعزاز و اکرام کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے دلائل و شواہد مذکور ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں انسان کو اللہ کی پاکی بیان کرنے کا حکم اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کی ترغیب تھی، نیز یہ بتایا گیا تھا کہ ایمان و تقویٰ ہی نجات کا معیار ہے۔ اس سورت میں قیامت کی چونکا دینے والی خبر سے انسان کی اس غفلت کو دور کیا گیا ہے جو دنیاوی لذتوں سے اس پر طاری ہوگئی ہے۔

قیامت کی خبر

۱۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝

کیا آپ کو چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے؟

الغاشیۃ: اچانک ڈھانک لینے والی (قیامت)، اچانک چھا جانے والی۔ غَشْیٌ وغِشَاءٌ سے

اسم فاعل۔

تشریح: اے مخاطب! کیا تجھے ایک چھپا لینے والی چیز (قیامت) کی خبر پہنچی جو تمام مخلوق پر اچانک اس طرح چھا جائے گی جیسے رات کی تاریکی دن کی روشنی پر چھا جاتی ہے۔ اس وقت تمام کائنات اور اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء یہ خبر دیتے چلے آئے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ لوگوں کو یہ خبر نہ پہنچی ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک الغاشیہ سے مراد قیامت ہے جو اچانک آ کر تمام کائنات اور مخلوقات پر چھا جائے گی۔

ابن ابی حاتم میں عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی، آپ کھڑے ہو کر سننے لگے۔ اس نے یہ آیت هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ پڑھی آپ نے جواب میں فرمایا نَعَمْ قَدْ جَاءَ نِیْ، یعنی ہاں میرے پاس قیامت کی خبر پہنچ چکی ہے۔ (روح المعانی / ج ۳۰، ص ۱۱۲، ابن کثیر / ج ۴، ص ۵۰۲)

اہل دوزخ کا حال

۲، ۷۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۙ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۙ

اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے، محنت کرنے والے (اور) تھکے ہوئے، دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔ ان کا کھانا ایک خاردار جھاڑ کے سوا کچھ نہ ہوگا جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔

نَاصِبَةٌ: محنت کرنے والی، مصیبت جھیلنے والی، تھکی ماندی۔ نَصَبٌ سے اسم فاعل۔

حَامِيَةٌ: دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی۔ حَمْیٌ سے اسم فاعل۔

اٰنِيَةٍ: سخت کھولتی ہوئی۔ اِنیٌ سے اسم فاعل۔

ضَرِيْعٍ: خاردار جھاڑ، کانٹے دار گھاس، دوزخ کا ایک کانٹے دار درخت جو بہت کڑوا، بدبودار، اور آگ سے زیادہ گرم ہوگا۔

تشریح: قیامت کے روز بہت سے چہرے اس کی ہیبت اور ہولناکی سے ذلیل، خائف، خستہ حال اور تھکے ہوئے نظر آئیں گے، اگرچہ انھوں نے دنیا میں بڑی بڑی محنتیں کی ہوں گی، سخت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائی ہوں گی لیکن حق پر نہ ہونے کی بنا پر وہ سب برباد ہو جائیں گی۔ دنیا میں بھی تکلیفیں اٹھائیں اور آخرت میں بھی مصیبت میں رہیں گے اسی کا نام ہے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ O (الحج ۱۱) ''اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا یہی صریح خسارہ ہے''۔

آخرت کے عذاب کے آثار دیکھ کر ان کے چہروں پر بدحواسی طاری ہوگی، پھر ان کو منہ کے بل دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝

اس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کی آگ لگنے کا مزہ چکھو۔ (القمر، ۴۸)

اور ارشاد ہے:

وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔ (النمل، ۹۰)

جب جہنم کی گرمی سے ان کو سخت پیاس لگے گی اور وہ پیاس پیاس پکاریں گے تو ان کو ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا، جس کو پیتے ہی ہونٹ جل جائیں گے اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی، پھر ان کے ہونٹوں اور آنتوں کو ٹھیک کر دیا جائے گا، وہ پیاس پیاس پکاریں گے تو وہی کھولتے ہوئے چشمے کا پانی دیا جائے گا، وہ ہمیشہ اسی طرح عذاب میں گرفتار رہیں گے، وہاں ان کو کھانے کے لئے ضریع دیا جائے گا جو آگ کا ایک خاردار درخت ہوگا، یہ بدترین اور نہایت برا کھانا ہوگا جو نہ بدن کو بڑھائے گا، نہ بھوک دور کرے گا اور نہ توانائی پہنچائے گا۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۲، ۵۰۳، عثمانی/ ج ۲، ص ۸۰۶، ۸۰۷)

مومنین کا انعام

۸،۱۶۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۝ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝
لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝
وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝

اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے اعمال سے خوش ہوں گے، بلند باغوں میں ہوں گے جہاں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اس میں بہتا ہوا چشمہ ہوگا اور اونچے تخت ہوں گے اور آب خورے رکھے ہوئے ہوں گے اور قطار سے رکھے ہوئے تکیے ہوں گے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔

نَاعِمَةٌ: خوش۔ تر و تازہ، آسودہ زندگی والی۔ نُعُوْمَةٌ سے اسم فاعل۔

سُرُرٌ: تخت۔ واحد سَرِيْرٌ۔

اَكْوَابٌ: کوزے، آب خورے، پانی پینے کے برتن۔ واحد كُوْبٌ

مَوْضُوْعَةٌ: رکھی ہوئی۔ وَضْعٌ سے اسم مفعول۔

نَمَارِقُ: تکیے، گدے، بچھونے۔ واحد نُمْرُقَةٌ

زَرَابِيُّ: قالین، مخمل کے گدے، نفیس بچھونے، عمدہ فرش، واحد زِرْبٌ

مَبْثُوْثَةٌ: بچھے ہوئے، پھیلے ہوئے، منتشر۔ بَثٌّ سے اسم مفعول۔

تشریح: مجرموں اور نافرمانوں کا حال بیان کرنے کے بعد ان آیتوں میں نیک لوگوں کے احوال اور ان کے انعام کا بیان ہے کہ اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ اور مسرور ہوں گے، انھوں نے دنیا میں اعمال صالحہ اور احکام شرعیہ کی اطاعت و پابندی کے لئے جو کوششیں کی تھیں، قیامت کے روز وہ اپنی جہد و سعی کا ثمرہ اور انعام دیکھ کر خوش ہوں گے، وہ عالی مرتبہ اور بلند مقام والی جنت کے محلات اور بالا خانوں میں ہوں گے جہاں سکون و اطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ ان کے کانوں میں کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں پڑے گی۔ جیسے ارشاد ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ؕ (مریم ۶۲)

وہ وہاں صرف سلامتی کی بات سنیں گے اور کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝

وہ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے اور نہ گناہ کی بات، صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔ (الواقعہ، ۲۵، ۲۶)

پھر فرمایا کہ جنت میں صاف وشفاف پانی کے بہتے ہوئے چشمے، بلند و بالاتخت، چشموں کے کنارے نہایت قرینے اور سلیقے سے رکھے ہوئے گلاس، قطاروں میں لگے ہوئے نرم ولطیف ریشمی گدے ہوں گے اور ہر طرف قالین پھیلے ہوئے ہوں گے۔ یہ ہیں وہ نعمتیں اور اعزاز و اکرام جو قیامت کے روز اہل ایمان اور اللہ کے فرماں بردار بندوں کو ملیں گے، اس لیے ان کے چہرے فرحت وخوشی سے چمک رہے ہوں گے،

توحید کے دلائل

۱۷، ۲۰۔ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝

کیا یہ اونٹ کونہیں دیکھتے کہ وہ کیسا (عجیب) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو کہ وہ کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

الْاِبِل: اونٹ، اسم جنس ہے یعنی واحد وجمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نُصِبَتْ: وہ (پہاڑ) کھڑے کئے گئے، وہ بلند کئے گئے۔ نَصْبٌ سے ماضی مجہول۔

سُطِحَتْ: وہ بچھائی گئی۔ سَطْحٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ان آیتوں میں ان چار چیزوں کا ذکر ہے جو قرآن کے مخاطب عربوں کے پیش نظر ہر وقت رہتی تھیں، یعنی اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین، ایک عرب بدوی جب اپنے اونٹ پر سوار ہوکر نکلتا تھا تو زمین اس کے نیچے ہوتی تھی اور آسمان اس کے اوپر، پہاڑ اس کے دائیں بائیں اور سامنے ہوتے تھے اور وہ خود اونٹ پر سوار ہوتا تھا، اونٹ ہی عربوں کا عزیز ترین مال تھا، کیوں کہ ان کی تمام ضروریاتِ زندگی اسی سے وابستہ تھیں، وہ اس کا گوشت کھاتے تھے، اسی کا دودھ پیتے تھے، اسی پر سامان لادتے اور سواری کرتے تھے، اونٹ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ لمبی گردن ہونے کی بنا پر درختوں کے پتے کھا

کر گزارہ کر لیتا ہے، اگر صحرا میں کئی روز تک پانی نہ ملے تب بھی یہ گزارہ کر لیتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو ان چیزوں میں غور وفکر کی دعوت دی کہ اگر چہ تمام موجوداتِ عالم اس کی قدرت وخالقیت پر دلالت کر رہی ہیں، لیکن ذرا ان چار چیزوں ہی پر نظر ڈال لو اور ان میں غور وفکر کر لو کہ ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حسن خلاقیت پر دلالت کر رہی ہے، اونٹ ہی کو دیکھ لو کہ کیسی عجیب وغریب ہیئت اور کیسی عظیم جسامت کا مالک ہے اور مضبوط و قوی ہے، اس کے باوجود کتنی آسانی سے بوجھ لدوا لیتا ہے اور ایک چھوٹے سے بچے کے ساتھ نہایت فرماں برداری سے چل پڑتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ آسمان کو کیوں نہیں دیکھتے اور اس میں غور کیوں نہیں کرتے کہ ہم نے اس کو کسی ستون اور سہارے کے بغیر کس طرح بلند کیا اور کس طرح اس کو چاند ستاروں سے مزین کیا ہے، پہاڑوں کو دیکھو کہ زمین پر کس طرح جمے ہوئے ہیں، بلند و بالا ہونے کے باوجود ذرا بھی ادھر ادھر نہیں جھکتے، ان میں کیسی کیسی قیمتی معدنیات اور پانی کے چشمے ہیں، زمین پر نظر ڈالو کہ کس طرح پھیلا کر بچھائی گئی ہے، یہ سب ایسے دلائل قدرت ہیں کہ ہر شخص ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس کی قدرت اور خالقیت پر ایمان نہ لائے تو یہ اس کی انتہائی بدنصیبی ہے۔

منکرین کو نصیحت کرنے کا حکم

۲۱-۲۶۔ فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٦﴾

سو آپ تو نصیحت کرتے رہئے، بے شک آپ کا کام تو نصیحت کرنا ہی ہے، آپ ان پر حاکم نہیں ہیں (کہ زبردستی کریں) مگر جو روگردانی کرے اور منہ موڑے تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا، بے شک ان کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر بیشک ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمہ ہے۔

مُصَيْطِرٍ: داروغہ، حاکم، نگران۔ سَيْطَرَةٌ سے اسم فاعل، اصل میں مُسَيْطِرٍ تھا۔ س کو ص سے بدل دیا جیسے سِرَاط کو صِرَاط کیا گیا۔

اِیَابًا: لوٹنا، واپس آنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب یہ لوگ ان واضح دلائل کے باوجود غور نہیں کرتے تو آپ کو بھی ان منکرین مکذبین کے لئے زیادہ پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ آپ تو ان کو نصیحت کرتے رہئے کیوں کہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو آپ زبردستی ان کے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں اور نہ ان کے دلوں کو بدل سکتے ہیں، یہ کام تو مقلب القلوب ہی کا ہے، البتہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرے گا اور کفر وشرک پر قائم رہے گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔ اس دن کوئی کافر ومنکر اپنے آپ کو اس عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔ یقیناً ان سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے، اور ان سے ان کی بداعمالیوں کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے، لہٰذا کوئی کافر اور مجرم ہماری گرفت اور ہمارے حساب سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی مجرم ہمارے عذاب سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ (عثمانی / ج ۲، ص ۸۰۷، ۸۰۸)

سورۃ الفجر

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا الفجر کی قسم سے کی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الفجر ہوگیا۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۳۰ آیتیں، ۱۳۹ کلمات اور ۵۹۷ حرف ہیں، جمہور کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ اس کی ابتدا میں بعض سابقہ اقوام کے واقعات کا اجمالی ذکر اور ان کے انکار و نافرمانی کی سزا میں عذاب الٰہی سے ان کی تباہی مذکور ہے۔ پھر بندوں کی آزمائش، آخرت کے احوال اور حشر کے دن واقع ہونے والے ہولناک امور کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے ہولناک احوال بیان کئے گئے تھے، اس سورت میں بعض سابقہ اقوام کے عبرتناک انجام کا بیان ہے، تاکہ انسان ان سے سبق حاصل کرے اور جان لے کہ جب ایسی طاقتور قومیں نافرمانی کی سزا میں نشان عبرت بنادی گئیں تو کس کی مجال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اس کے عذاب سے بچ سکے۔

پانچ قسمیں

۱، ۵۔ وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب چلنے لگے (گزرنے لگے) کیا ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لئے کافی ہے۔

حِجْرٍ: عقل، دانا، ممنوع، روکنا، رکاوٹ، قوم ثمود کی بستی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم اس دنیا میں جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزا یا سزا کا ہونا لازمی اور یقینی ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب تمہارے اعمال کی نگرانی میں ہے، چوں کہ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے بدلہ پانے کی نہیں، اس لئے اس کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اعمال کی جزا کے لئے ایک

دن مقرر ہو اور اس میں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اسی کا نام قیامت ہے،

یہاں جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ والفجر: فجر کی قسم یعنی صبح صادق کے وقت کی قسم۔ بعض مفسرین کے نزدیک فجر سے مراد بقر عید کے دن کی صبح ہے۔

۲۔ ولیالٍ عشرٍ: اور دس راتوں کی قسم۔ صحیح قول کے مطابق اس سے ماہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں، مسند احمد اور بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں (عشرۂ ذی الحجہ) کی عبادت سے زیادہ محبوب کوئی عبادت نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی راہ کا جہاد بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، مگر وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا۔

۳۔ وَالشَّفْعِ: اور جفت کی قسم۔ یعنی جفت اعداد ۲، ۴، ۶، ۸ وغیرہ۔

۴۔ وَالوَتْرِ: اور وتر کی قسم، یعنی طاق، مفرد اعداد، ۱، ۳، ۵ وغیرہ۔

مسند احمد میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں، وتر سے مراد عرفہ کا دن یعنی ۹ ذی الحجہ ہے جو طاق ہے اور الشَفعِ سے مراد قربانی کا دن ہے یعنی دس ذی الحجہ ہے جو جفت ہے۔

۵۔ وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ: اور رات کی قسم جب وہ ختم ہونے لگے۔

پھر فرمایا کہ یہ قسمیں معمولی نہیں بلکہ نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں، کیا عقلمندوں کے لئے یہ قسمیں کافی نہیں۔ بلاشبہ ان احوال اور اوقات کی عظمت ہر صاحب عقل جانتا ہے، وہ خدا جس نے یہ قسمیں کھائی ہیں بڑی قدرت و عظمت والا ہے، وہ خالق و مالک اور واحد و یکتا ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں لگا رہے اور جان لے کہ نافرمانی کا انجام ہلاکت و بربادی ہے۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۵، روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۱۱۹)

عاد و ثمود اور فرعون

۶، ۱۴۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ

مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ
ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا (معاملہ) کیا جو ارم میں بڑے ستونوں والے تھے، جن کا مثل دنیا بھر میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادی میں پتھر تراشا کرتے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا، ان سب نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور بہت فساد مچا رکھا تھا، آخر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، بیشک آپ کا رب (نافرمانوں کی) تاک میں ہے۔

اِرَمَ: ایک قبیلے کا نام، ایک قوم کا نام، یہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے اور بڑے طاقتور تھے، انہوں نے بڑی شاندار اور بڑے بڑے ستونوں والی عمارتیں بنائی تھیں، اس وقت دنیا میں کوئی قوم ان جیسی طاقتور اور متمدن نہ تھی۔

عِمَادِ: ستون، کھمبے۔ جمع عَمَدٌ

جَابُوْا: انھوں نے تراشا، انہوں نے کاٹا۔ جَوْبٌ سے ماضی۔

الْاَوْتَادِ: میخیں، کھونٹیاں، واحد وَتَدٌ

صَبَّ: اس نے برسایا، اس نے اوپر سے ڈالا۔ صَبٌّ سے ماضی۔

سَوْطَ: کوڑا مارنا، سختی، شدت۔ جمع اَسْوَاطٌ

الْمِرْصَادِ: گھات لگانے کی جگہ، کمین گاہ۔ رَصَدٌ سے مبالغہ یا اسم ظرف۔

تشریح: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سرکش و متکبر قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح غارت کیا، یہاں عاد سے مراد عاد اولیٰ ہیں جو عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کے پاس بھیجا تھا لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حضرت ہود کی تکذیب میں لگے رہے، قرآن کریم نے ان کو ذات العماد اس لئے کہا کہ یہ بڑے طویل القامت تھے، قوم عاد اپنے ڈیل ڈول اور قوت و طاقت میں دوسری قوموں سے ممتاز تھی،

ان کے بارے میں خود قرآن کریم نے کہا کہ ایسی طویل القامت اور قوی قوم اس سے پہلے دنیا میں پیدا نہیں کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے مومنوں کو تو نجات دے دی اور نافرمانوں کو تند و تیز ہواؤں سے ہلاک کر دیا، اپنے اس دعوے کے باوجود کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے (مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) یہ لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی تیز اور ٹھنڈی ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے اور اپنے ڈیل ڈول اور قوت کے ہوتے ہوئے ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے کہ گویا کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں، یہ ہوا مسلسل سات رات اور آٹھ دن تک ان پر مسلط رہی۔

قوم ثمود نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی تھی اور نافرمانی میں حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہ لوگ پتھروں کو تراش کر پہاڑوں کے اندر نہایت مضبوط اور کشادہ مکان بنایا کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ (الشعراء:۱۴۹)

اور تم پہاڑوں کے پر تکلف گھر تراشتے ہو۔

ان کی سرکشی اور نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک سخت بھونچال سے تہ و بالا کر دیا جو ایک نہایت سخت آواز کے ساتھ آیا تھا۔

عاد و ثمود کے بعد فرعون نے اپنی قوت کے نشہ میں مست ہو کر دنیا میں خوب فساد برپا کیا۔ آخر جب اس کا کفر و تکبر اور جور و ستم حد سے بڑھا اور وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آیا تو اس پر اللہ کا قہر نازل ہوا اور وہ اپنی قوم سمیت سمندر میں غرق ہو گیا، اس کو میخوں والا اس لئے کہا گیا کہ اس کو اپنی فوجی ضروریات کے لئے کثیر مقدار میں میخیں رکھنی پڑتی تھیں، یا یہ مطلب کہ وہ لوگوں کو ان کے ہاتھوں اور پیروں میں میخیں گاڑ کر سزا دیتا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے، قیامت کے روز وہ سب کو ان کے اعمال کی جزا یا سزا دے گا۔

انسان کی خود پسندی

۱۵، ۱۶۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ
اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ

اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی، اور جب اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ کسی کو رزق میں وسعت اور کشادگی اور صحت وتندرستی سے نوازتا ہے تو وہ وہ اس کو اپنی ذاتی صلاحیت، عقل وفہم اور سعی وعمل کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے، یہ تو اس کو ملنا ہی چاہئے تھا کیوں کہ وہ اس کا مستحق ہے، اگر وہ اللہ کے نزدیک مردود ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں اور یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی نہ دیتا، یہ دونوں باطل اور شیطانی خیالات ہیں۔ حقیقت میں یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی اللہ کے نزدیک محبوب ومقبول ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔

اسی طرح جب اللہ کسی کے رزق میں تنگی کرتا ہے، اس کو فقر وفاقہ اور بیماری میں مبتلا کرتا ہے تو اس کو اپنی اہانت نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ یہ اس کے مردود ہونے کی دلیل ہے، اس لئے اس پر خفا ہونے کی ضرورت نہیں کہ میں تو انعام واکرام کا مستحق تھا، مجھے اللہ نے ذلیل وحقیر کر دیا، وسعت و فراخی کی طرح تنگی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ **کلّا** کہہ کر دونوں باتوں کی تردید فرمادی کہ تمہارا خیال بالکل باطل اور بے بنیاد ہے، دنیا میں رزق کی وسعت، اللہ کے نزدیک نیک اور مقبول ہونے کی علامت نہیں، اسی طرح رزق میں تنگی اور فقر وفاقہ بھی اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت نہیں، یہ دونوں حالتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر آتی ہیں، اس لئے جب کسی کو رزق میں وسعت وفراخی حاصل ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے اور اگر رزق میں تنگی ہو جائے تو صبر کرنا چاہئے۔

یتیم کے احترام کی تاکید

۱۷، ۲۰۔ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾
وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے اور نہ تم باہم مسکین کو کھانا کھلانے
کی ترغیب دیتے ہو اور میراث کا مال (بھی) سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال
سے بھی بہت محبت رکھتے ہو۔

تَحٰضُّوْنَ: تم آپس میں تاکید کرتے ہو، تم آپس میں رغبت دلاتے ہو، مُحَاضَّۃٌ سے مضارع، اصل تَتَحَاضُّوْنَ تھا ایک تا کو حذف کر دیا گیا کیوں کہ باب تفعل، تفاعل اور تفعلل میں جب دو تا، جمع ہو جائیں تو ایک تا، کو حذف کرنا جائز ہے۔

لَمًّا: جمع کرنا، درست کرنا، سارے کا سارا، لَمٌّ سے مضارع۔

جَمًّا: جی بھر کر، کثیر، بہت، شدید، صفت کے معنی میں مصدر ہے۔

تشریح: یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فقیر و تنگدست رکھ کر تمہاری بے عزتی کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نے جو مال تمہیں دیا ہے اس کے شکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم نہ صرف یتیموں محتاجوں کی پرورش کرو اور ان کو ذلت و حقارت سے نہ دیکھو اور یتیموں کو ان کا پورا پورا حق دو بلکہ اپنے مال میں سے بھی ان پر خرچ کرو، ان کا احترام و اکرام کرو، ان سے محبت کرو اور ان سے اپنے بچوں کی طرح شفقت سے پیش آؤ کیوں کہ وہ باپ کی شفقت سے محروم ہیں، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، تم ان سے شفقت و احترام کا معاملہ تو کیا کرتے تم تو ان کو منہ بھی نہیں لگاتے، اور نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہو، تمہاری یہی حرکتیں تمہاری ذلت و رسوائی اور روزی میں کمی کا سبب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو، پھر آپ نے انگلی اٹھا کر فرمایا کہ میں اور یتیم کو پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے کلمہ کی اور درمیان کی انگلی ملا کر دکھائی اور فرمایا کہ میں اور یتیم کو پالنے والا جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۹)

پھر فرمایا کہ تم لوگ خود تو اپنے مال میں سے کسی غریب و مسکین کو کیا دیتے تم تو دوسروں کو بھی بھوکوں اور محتاجوں کی خبر گیری کی ترغیب نہیں دیتے، تم تو الٹا یہ کہتے ہو کہ جب اللہ نے ان کو نہیں دیا اور ان پر رحم نہیں کیا تو ہم کیوں کریں، تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم میراث کا مال بھی حلال ہو یا حرام، حق ہو

یا ناحق سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور اپنے حصے کے ساتھ کمزور عورتوں اور بچوں کے حصے بھی ہڑپ کر جاتے ہو، یہ سب اس لئے کہ تمہیں مال سے بہت محبت ہے، تمہارے دل حرص اور مال کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں تم تو ایک پیسہ بھی اپنے ہاتھ سے اللہ کی رہ میں دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے حالاں کہ یہی مال کی محبت اور طمع تمام گناہوں اور برائیوں کی جڑ ہے، یہی جھوٹ بلواتی اور چوری کراتی ہے اور یہی مکر وفریب، دھوکہ دہی اور قتل وغارت کراتی ہے۔

آخرت کے احوال

۲۱، ۲۶۔ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ﴿۲۴﴾ فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾

ہرگز نہیں! جب زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے اور آپ کا رب آجائے اور فرشتے صف بستہ (کھڑے) ہوں اور اس دن جہنم (بھی سامنے) لائی جائے، (تو) اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب نصیحت حاصل کرے کا کیا فائدہ، وہ کہے گا کاش میں نے اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا، سو اس دن اللہ کے عذاب جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا اور نہ اس کی گرفت جیسی کسی کی گرفت ہوگی۔

دُكَّتِ: وہ ریزہ ریزہ کردی گئی، وہ توڑی گئی، وہ ہموار کردی گئی، دَكٌّ سے ماضی مجہول۔

یُوْثِقُ: وہ مضبوط باندھتا ہے، وہ جکڑتا ہے۔ اِیْثَاقٌ سے مضارع۔

تشریح: جب تمام ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے اور تمام زمین بالکل ہموار اور چٹیل میدان ہو جائے گی، تمام مخلوق قبروں سے نکل آئے گی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے اپنی شان کبریائی کے لائق میدان حشر میں آئے گا، اللہ تعالیٰ کے آنے کی شان کیا ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اس روز جہنم بھی اہل محشر کے سامنے لائی جائے گی۔ اس وقت فرشتے صفت بستہ حاضر ہوں گے اور تمام مخلوق اور فرشتے منتظر ہوں گے کہ کیا

فرمان الٰہی صادر ہوتا ہے۔[1]

مسلم میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روز جہنم کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۱۰)

اس دن انسان اپنے تمام اعمال کو یاد کرے گا اور سوچے گا کہ یہ کیا ہوا۔ میں نے کتنی بڑی غلطی کی کہ ساری عمر غفلت اور نافرمانی میں گزار دی مگر اس وقت کا سوچنا کہاں کام آئے گا۔ سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کا موقع تو دنیا میں تھا جو اس نے ضائع کر دیا۔ پھر بڑی حسرت سے کہے گا کہ کاش میں اپنی اس زندگی کے لئے پہلے سے کچھ بھیج دیتا جو اب کام آتا اور ان مصائب و شدائد سے دو چار نہ ہونا پڑتا۔

پھر فرمایا کہ اس دن اللہ کی سزا جیسی سخت سزا کسی کی نہ ہوگی، جو وہ اپنے نافرمان بندوں کو دے گا اور نہ اس جیسی سخت پکڑ اور قید و بند کسی کی ہو سکتی ہے۔ فرشتے نافرمانوں کو بدترین بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پہنائے ہوئے ہوں گے۔

رضائے الٰہی کی سند

۲۷، ۳۰۔ يَأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

اے مطمئن روح! اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی،
سو تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

تشریح: مجرموں اور ظالموں کے احوال بیان کرنے کے بعد اب ان لوگوں کا انجام بتایا جا رہا ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت سے ایسا آرام و سکون ملتا ہے جیسا مچھلی کو پانی میں حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ (الرعد، ۲۸)

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اسی لئے مسنون یہ ہے کہ آدمی خوف و اندوہ کے وقت نماز اور یاد الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ ایسا سکون و اطمینان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب نفس کو امارہ بنانے والی صفات رذیلہ

سے بالکل پاک کرلیا جائے۔ قیامت کے روز ایسے ہی لوگوں سے کہا جائے گا کہ اے نفس مطمئنہ جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہُوئے تھا اب راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اس کے خاص بندوں کے زمرے میں ہوکر اس کی عالیشان جنت میں قیام کر جو اس کی رضا کا مقام ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو یہ کلام اس وقت ہوگا جب وہ حساب سے فارغ ہو جائیں گے، بعض نے کہا کہ جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس وقت یہ بشارت دی جائے گی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔

ابن عساکر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کر:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّۃً تُوءْ مِنُ بِلِقَائِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۱۱)

اے اللہ! میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہوں، تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہوں، تیری قضا پر راضی ہو اور تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہوں۔

یہاں جنت میں داخل ہونے سے پہلے اللہ کے نیک اور مخلص بندوں میں شامل ہونے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی دنیا میں نیک صالح لوگوں کی محبت و معیت اختیار کر کے اس کے نیک و مخلص بندوں میں شامل ہو جائے تو ان کے ساتھ وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی لئے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔ (النمل، ۱۹)

اور حضرت یوسف نے فرمایا:

وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے۔ (یوسف، ۱۰۱)

سورۃ البلد

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا مکہ معظمہ کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ البلد ہے۔ اس کو سورۃ لااقسم بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۰ آیتیں، ۸۲ کلمات اور ۳۲۰ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی عقیدۂ توحید، قیامت اور جزا وسزا کا اثبات ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں پانچ اہم امور کی قسم کھا کر ہر صاحب عقل و فہم کو اس امر کی دعوت دی تھی کہ وہ عقل وفطرت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کو پہچانے، اس کی خالقیت اور ربوبیت پر ایمان لائے، اسی میں دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔ جو قومیں سرکشی و نافرمانی پر قائم رہتی ہیں جیسے عاد وثمود اور فرعون وغیرہ تو وہ عبرتناک انجام سے دوچار ہوتی ہیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سرزمین مکہ کی قسم کھا کر مخاطب کو اس کی عظمت کی جانب متوجہ کیا ہے اور انسان کو حق وہدایت کی ترغیب اور ہلاکت وشر سے بچنے کی تنبیہ کی ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۳۰/۴۵۷ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔ ۸/۴۵۴)

حرم میں قتال کا حلال ہونا

۱، ۲۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور اس شہر میں آپ پر ممانعت نہیں رہے گی۔

تشریح: لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ: میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔ یہاں یا تو لا زائدہ ہے اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب محاورے میں عام اور مشہور ہے۔ یا یہ لا نافیہ ہے جو مخاطب کے خیال باطل

تردید کے لئے قسم کے شروع میں لایا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تمہارا جو خیال ہے وہ صحیح نہیں بلکہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حقیقت وہ ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عاد وثمود اور فرعون وغیرہ کا حال بیان کیا تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ اپنی بات میں سچے ہیں تو ہم پر بھی عاد وثمود جیسا عذاب نازل کرادیں اور مکہ شہر کو غارت کرادیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ شہر مقدس ومحترم اور حضرت خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے، یہ دنیا کا سب سے پہلا معبد ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی شہر میں مقیم ہیں، یہ ان کا مولد اور اسلام وبرکات کا سرچشمہ ہے۔ پھر تم جیسے بیہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اس کو کیوں غارت کریں۔ تم خود ہی برباد ہو جاؤ گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود بھی ہوں اور جب تک وہ (کمزور مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے اور مکہ میں رہ گئے تھے) معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان (مشرکوں) کو عذاب نہیں دے گا۔ (انفال ۳۳)

پھر آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان بدبختوں کی شرارت کے سبب آپ کے لئے ایک مرتبہ ان سے انتقام لینا اور ان کو سزا دینا حلال ہونے والا ہے جس میں کوئی گناہ اور حرج نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں ملے وہ آپ کے لئے حلال ہوگا۔ یہ حکم صرف اسی وقت کے لئے ہوگا جس میں آپ کو قتال کی اجازت دی جائے گی۔

ابوشریح خزاعی سے روایت ہے کہ بنو خزاعہ نے جب بنی ہذیل کا ایک شخص قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! بلاشبہ اللہ نے مکہ کو اسی روز سے حرمت والا شہر قرار دیا ہے جب اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی تھی سو یہ قیامت تک کے لئے حرمت والا ہے۔ کسی شخص کے لئے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ وہ اس میں خون بہائے، نہ یہ کہ اس کے درخت کاٹے۔ یہ بات نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھی نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگی اور میرے لئے بھی صرف ایک ساعت کے لئے حلال ہوئی تھی،

اللہ کے غضب کے طور پر۔ اس کے بعد اس کی حرمت اپنی جگہ پر پھر لوٹ آئی ہے سو اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلال کر دیا تھا تو تم کہہ دینا کہ بلا شبہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسے حلال کیا تھا اور یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

(مسند احمد/ ج ۴، ص ۶۱۵، رقم ۱۵۹۴۲)

اللہ تعالیٰ نے مکی زندگی میں یہ وعدہ اس وقت فرمایا تھا جب اسلام اور مسلمانوں کی حالت کے پیش نظر کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اللہ کا وعدہ ۸ ھ میں فتح مکہ کی صورت میں اس طرح پورا ہوا کہ آپ بیت اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سرداران عرب سرنگوں معافی مانگتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو رہے تھے اور آپ ان کو معاف فرماتے جاتے تھے۔

انسان کا غرور

۳، ۷۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝

اور قسم ہے والد کی اور اس کی اولاد کی کہ ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا) پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آئے گا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

كَبَدٍ: دشواری، محنت، مشقت کرنا۔ سختی۔ مصدر و اسم۔

لُبَداً: کثیر (مال)، تہ بہ تہ، چمٹنا۔ لُبود، ر لُبَدٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: قسم ہے اس محترم شہر کی اور باپ کی اور اولاد کی یعنی آدم اور اولاد آدم کی۔ بیشک ہم نے انسان کو بہت ہی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ وہ ابتدائے عمر سے آخر تک سخت محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے اور طرح طرح کے آلام و مصائب سے گزرتا ہے۔ ان مشقتوں اور مصائب و آلام کو دیکھ کر کوئی بھی عقل و فہم رکھنے والا آدمی اندازہ کر سکتا ہے کہ انسان کس قدر عاجز و بے بس ہے اور اس کو پیش آنے والے تمام مصائب و حوادث ایک قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ حقیقت میں وہی اس کا خالق و مالک اور

معبود و مسجود ہے۔ اس لئے ہر انسان کو اپنے خالق کا مطیع و فرماں بردار رہنا چاہئے لیکن جو لوگ نافرمان اور کافر ہیں وہ بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ قیامت اور جزا اور سزا کے مرحلے سے غافل ہیں۔

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ کسی کو اس پر قدرت حاصل نہیں جو اس کے کفر و نافرمانی پر اس کو سزا دے سکے اور اس سے اس کے مال کے بارے میں پوچھے کہ کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی حفاظت اور بے دینی کے فروغ کے لئے بڑا مال خرچ کیا ہے، عمدہ گھوڑے اور ہتھیار خریدے ہیں اور تنخواہیں دے کر لوگوں کو تیار کیا ہے (جیسا کہ مشرکین مکہ اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنا مال خرچ کرتے تھے) اب ان محافظ قلعوں، جانباز فوج اور خادمین کے ہوتے ہوئے اسے کون پکڑ سکتا ہے اور بداعمالیوں کی سزا دے سکتا ہے۔ اس کی یہ سوچ قطعاً غلط ہے۔ اس کے تمام اسباب و وسائل اور فوج و محافظین اس کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ وہ قادر مطلق ہے، ہر چیز اور ہر شخص ہر وقت اس کے علم اور احاطۂ قدرت میں ہے۔

وہ قادر مطلق کی قدرت کاملہ پر غور کیوں نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا اور اس کو کیا بنا دیا۔ کیا اس کی پہلی حالت کسی نے نہیں دیکھی جب وہ ایک حقیر قطرۂ آب تھا۔ پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ اپنے اوپر سے مکھی بھی نہیں ہٹا سکتا تھا، نہ کچھ ہوش و ادراک تھا اور نہ اس کے پاس کچھ مال و زر اور زور و بل تھا۔ پھر جس نے اس کو یہ زور و زر اور ہوش و ادراک عطا کی، کیا وہ اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ وہاں مال و زر کچھ کام نہیں آتا۔

خیر و شر کے راستے کی راہنمائی

۸۔۱۰۔ اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَيۡنَيۡنِۙ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيۡنِۙ ۝ وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِۚ ۝

کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے) اور ہم نے تو اس کو دونوں راہیں (خیر و شر) دکھا دیں۔

شَفَتَيۡنِ: دو ہونٹ۔ شَفَةٌ کا تثنیہ۔ جمع شِفَاهٌ و شَفَوَاتٌ۔

اَلنَّجۡدَيۡنِ: دو راستے، نیکی اور بدی کے راستے۔ نَجۡدٌ کا تثنیہ۔ جمع اَنۡجُدٌ وَنُجُوۡدٌ۔

تشریح: کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے جن سے وہ سب کچھ دیکھتا ہے، دن رات بولتا ہے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور ہم نے عقل و فہم اور

انبیاء کے ذریعے اس کو خیر اور شر دونوں راستے دکھا دئے، تاکہ وہ برے راستے سے بچے اور اچھے راستے پر چلے۔ اب یہ اپنی عقلی اور فکری صلاحیت کو استعمال کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا شر ہے۔ کونسی بات مفید ہے اور کونسی نقصان دہ۔ اب بھی اگر یہ شر اور گمراہی کا راستہ اختیار کرے تو قیامت کے دن اس کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔

پس جس رب العالمین نے انسان اور ہر جاندار کو آنکھیں اور بینائی عطا کی ہے تو کیا وہ انسان کے اعمال و اطوار کو نہیں دیکھتا، جس نے سب کو بینائی دی وہ یقیناً سب سے بڑھ کر بینا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں اور صلاحیتوں کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی گمراہی اور شر کا راستہ چھوڑ کر ہدایت اور خیر کا راستہ اختیار کرے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری میں زندگی گزارے، بعض مفسرین نے نجدین سے عورت کے پستان مراد لئے ہیں، یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا کا راستہ بتا دیا۔

دین کی گھاٹی

۱۱،۱۶۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾
اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا
ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

پھر (بھی) وہ (خیر کی) گھاٹی میں داخل نہیں ہوا اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ کسی کی گردن چھڑا دینا (غلام آزاد کرنا) ہے یا بھوک کے دن کھانا کھلانا کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو۔

اِقْتَحَمَ: وہ گھسا، وہ بیچ میں سے نکلا، وہ چڑھا۔ اِقْتِحَامٌ سے ماضی۔

العَقَبَةَ: گھاٹی، دشوار پہاڑی راستہ۔ جمع عُقَبٌ و عَقَبَاتٌ۔

فَکُّ: آزاد کرنا، چھڑانا، گرہ کھولنا، جدا جدا کرنا۔ مصدر ہے۔

مَسْغَبَةٍ: بھوک، فاقہ، کھانے کی شدید خواہش۔ مصدر میمی بھی اور اسم بھی۔

مَتْرَبَةٍ: محتاج، مفلس، نادار، مٹی والا۔

تشریح: اس قدر انعامات اور اسباب ہدایت کی موجودگی میں بھی اسے دین کی گھاٹی میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ہوئی، جہاں ہر آفت و مصیبت سے محفوظ ہوتا اور ہر طرح کی فلاح و سعادت سے

ہم کنار ہوتا۔ یہاں طاعات اور عبادات کو عقبہ (گھاٹی) سے تعبیر فرمایا گیا کہ جس طرح عقبہ میں داخل ہو کر انسان دشمن سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اسی طرح عبادات اور اعمال صالحہ کے ذریعے عذاب خداوندی سے نجات مل سکتی ہے۔

اے انسان تجھے معلوم بھی ہے وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ گھاٹی یہ ہے

۱۔ گردن چھڑانا یعنی غلام آزاد کر دینا۔ یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرا دینا، کوئی قصاص میں گرفتار ہو تو اس کا خون بہا ادا کر کے اس کو آزادی دلانا یا کسی قرض دار کا قرض ادا کر کے اس کو قرض سے آزادی دلانا، وغیرہ۔

۲۔ ضرورت کے وقت کسی کو کھانا کھلانا، جیسے قحط کے دنوں میں یا غلے کی قلت کے وقت کسی بھوکے کو کھانا کھلانا۔

۳۔ یتیم کو کھانا کھلانا، یہ اور بھی بہتر ہے کیونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ پھر یتیموں میں سے بھی اگر کوئی اہل قرابت میں سے ہے جیسے چچا کا لڑکا، بھائی یا بہن کا لڑکا وغیرہ تو اس میں دوہرا اجر ہے۔ ایک یتیم کو کھلانے کا دوسرے صلہ رحمی کا۔

۴۔ فقیر و حاجت مند کو کھلانا۔

مال صرف کرنے کے پسندیدہ اور عمدہ مواقع یہی ہیں۔ جن مواقع کو دولت مند صحیح سمجھ رہا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکے وہ صحیح نہیں۔ لیکن مذکورہ اعمال صالحہ اسی وقت مقبول ہوتے ہیں جب ایمان بھی ہو۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کتنا ہی اچھا ہو۔ آخرت میں ایسے اعمال کا کوئی اجر و ثواب نہیں، جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ (الاسراء ۱۹)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾

جوشخص بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم (دنیا میں بھی) اس کی اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ دیں گے۔ (النحل ۹۷)

وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾

جوشخص نیک کام کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اوران پر تل بھر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

(النساء:۱۲۴)

باہم رحم وصبر کی تلقین کرنے والے

۱۷،۲۰۔ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا ہُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ﴿۱۹﴾ عَلَیۡہِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَۃٌ ﴿۲۰﴾

پھران لوگوں میں سے ہوجاتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کرنے کی وصیت کرتے رہے۔ یہی لوگ خوش نصیب ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہی بد بخت ہیں۔ انہی کو ہر طرف سے آگ گھیرے ہوئے ہوگی۔

تَوَاصَوۡا: انہوں نے وصیت کی، انہوں نے نصیحت کی۔ تَوَاصِیٌ سے مضارع۔

مُؤۡصَدَۃٌ: بندکی ہوئی۔ اِیۡصَادٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: سو انسان کو چاہئے کہ ایمان لاکر وہ اعمال صالحہ اختیار کرے جو اوپر مذکور ہوئے اور ان لوگوں میں شامل ہوجائے جو ایک دوسرے کو لوگوں کی سختیاں برداشت کرنے اور ان کے ساتھ رحم و مہربانی کا معاملہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم

کرتا ہے سوتم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (ترمذی/ رقم ۱۹۲۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

یہی لوگ بڑے خوش نصیب مبارک اور کامیاب ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔ انہی لوگوں کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کا انکار کرتے ہیں وہ بڑے بدنصیب اور شامت زدہ ہیں۔ ان کو عرش کے بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا اور ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان پر ایک آگ ہوگی جو ڈھانک دی گئی ہوگی جیسے کوئی چیز کسی ڈھکنے سے بند کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد نہ اس کی بھاپ اور شعلے باہر نکل سکیں گے کہ اس کی شدت میں کمی آجائے اور نہ باہر کی کوئی چیز یا ہوا اس میں داخل ہو کر اس کی شدت اور لپٹ کو کم کر سکے گی، سو وہ جہنم کی اس آگ سے نہ کبھی چھٹکارا پائے گا اور نہ اس کو وہاں کسی قسم کا آرام وراحت ملے گی۔

سورۃ الشّمس

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ الشّمس سے ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام الشّمس ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۱۵ آیتیں، ۵۴ کلمات اور ۲۴۷ حروف ہیں، یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ احمد، ترمذی اور نسائی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس وضحٰها اور اس کے مانند سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں والیل اذا یغشٰی اور والشمس وضحٰها پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی فطرت میں خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کی استعداد رکھی گئی ہے۔ پھر قوم ثمود کا واقعہ بطور مثال بیان کر کے مشرکین مکہ کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۳۰/۴۸۴، حقانی ۵/۳۷۱)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کے ذکر کے ساتھ یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور ہدایت کا راستہ بھی دکھا دیا اور شر و گمراہی کا بھی۔ پھر اس کو فلاح اور سعادت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اب اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان فطری اور جبلی طور پر خیر و شر دونوں کی استعداد رکھتا ہے۔ جس طرح انسان سورج کی روشنی سے سیاہ و سفید اور نافع و مضر کو پہچان سکتا ہے اسی طرح انسان تعلیمات نبویہ سے خیر و شر اور سعادت و شقاوت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

حقیقی کامیابی

۱۔۱۰ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝۳
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶
وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ
زَكّٰهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس (سورج) کے پیچھے آئے اور دن کی جب اس (سورج) کو روشن کردے اور رات کی جب اس (سورج) کو چھپالے اور آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی اور زمین کی اور اس کے بچھانے والے کی اور انسانی جان کی اور جس نے اس کو درست بنایا۔ پھر اس کو بدی اور پرہیزگاری کی سمجھ دی۔ بیشک وہ کامیاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا، اور بیشک وہ ناکام ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا دیا۔

تَلٰهَا: وہ اس کے پیچھے آیا۔ تُلُوٌّ سے ماضی۔

جَلّٰهَا: اس نے اس کو روشن کیا، اس نے اس کو ظاہر کیا۔ تَجْلِيَةٌ سے ماضی۔

طَحٰهَا: اس نے اس کو بچھایا، اس نے اس کو پھیلایا۔ طَحْوٌ سے ماضی۔

اَلْهَمَ: اس نے سمجھ دی، اس نے دل میں ڈالا۔ اِلْهَامٌ سے ماضی۔

دَسّٰى: اس نے گاڑ دیا، اس نے خاک میں ملا دیا، اس نے چھپا دیا۔ تَدْسِيَةٌ سے ماضی۔

تشریح: وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا: اور قسم ہے سورج کی جب وہ طلوع ہو کر بلند ہو جائے اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔ اس وقت وہ انسان کو قریب نظر آتا ہے اور تمازت و چمک زیادہ نہ ہونے کی بنا پر اس کو پوری طرح دیکھ بھی سکتے ہیں۔

۲۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا: اور چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آئے یعنی سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو اور ایسا ہر قمری مہینے کے وسط میں ہوتا ہے جب چاند تقریباً مکمل ہوتا ہے۔

۳۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا: یہاں جَلّٰهَا کی ضمیر سورج کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے دن کی جب سورج کو روشن کردے، اور اگر ضمیر کو زمین یا دنیا کی طرف راجع سمجھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ قسم ہے دن کی اور دنیا کی یا زمین کی جس کو دن نے روشن کردیا۔

۴۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا: اور قسم ہے رات کی جب اس کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کو ڈھانک لے یعنی سورج کی روشنی کا نام ونشان نہ رہے۔

۵۔ وَالسَّمَاۤءِ وَمَا بَنٰهَا: یہاں بھی اگر مَا مصدریہ ہو تو معنیٰ ہوں گے قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی۔ اگر مَا بمعنیٰ مَن ہو تو معنیٰ ہوں گے قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی۔

۶۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا: اور قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے پھیلانے کی۔ اگر ما بمعنیٰ

من ہو تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے زمین کی اور اس کے پھیلانے والے کی۔

۷۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا: یہاں بھی اگر مَا کو مصدر یہ مان لیا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے انسانی جان کی اور اس کے درست و مناسب کرنے کی، اور اگر ما کو من کے معنیٰ میں لیا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کی تخلیق میں گناہ اور اطاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے اور انسان کو انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے خوب کھول کھول کر بتا دیا کہ شر اور برائی کا راستہ یہ ہے اور خیر و پرہیز گاری کا راستہ یہ ہے۔ پھر ایک حد تک انسان کو اختیار و قدرت بھی دے دی ہے کہ وہ اپنے اختیار سے خواہ گناہ کا راستہ اختیار کرے یا طاعت کا راستہ اختیار کرے۔ آخرت میں اس کو اسی قصد و اختیار کے تحت گناہ یا اطاعت کا راستہ اختیار کرنے کا ثواب یا عذاب ملے گا۔

ان سات قسموں کے بعد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا یعنی اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کر لیا، اپنے رب کو یاد کیا اور نماز کی پابندی کی تو وہ کامیاب و بامراد ہوا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا، اطاعت کو چھوڑ کر نافرمانی میں لگا رہا، وہ محروم و نامراد ہوا۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷۵۵، ۷۵۶/ ۸، حقانی)

قوم ثمود کا حال

۱۱، ۱۵۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (حضرت صالح کو) جھٹلایا۔ جب ان میں کا ایک بڑا بد بخت اٹھا۔ اللہ کے رسول نے (پہلے ہی) ان سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کی باری سے خبردار رہنا۔ سو انہوں نے (پیغمبر کو) جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر ان کے رب نے بھی ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر کے خاک میں ملا دیا اور اللہ کو ان کے انتقام کا کچھ ڈر نہیں۔

اِنۡبَعَثَ: وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اِنۡبِعَاثٌ سے ماضی۔

عَقَرُوْا: انہوں نے پاؤں کاٹ دیئے، انہوں نے اس کو ذبح کر دیا۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

دَمْدَمَ: اس نے ہلاک کر دیا، اس نے تباہ کر دیا۔ دَمْدَمَۃٌ سے ماضی۔ یہ رباعی مجرد ہے۔

تشریح: دنیا میں ایسے بہت سے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے احکام الٰہی اور شریعت کو چھوڑ کر ہلاکت وتباہی کی روش اختیار کی اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ایسے طور طریقے اختیار کئے کہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل ہو گئے۔ تاریخ عالم ایسے لوگوں کے عبرت ناک انجام کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ انہی میں سے ایک مثال قوم ثمود کی ہے۔ ان کے خاص شہر کا نام حجر تھا جو وادی القریٰ میں مدینے اور شام کے درمیان تبوک سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ نہایت سرسبز وشاداب تھا۔ یہاں چشموں اور باغات کی کثرت تھی۔ یہ مقام اب تک ویران موجود ہے۔ ان کے پاس مال ودولت کی بہتات تھی اور پتھروں کو تراش کر پہاڑوں کے اندر بڑے بڑے عالیشان مکان بناتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بت پرست، بدکار، رہزن، سفاک اور نہایت بے رحم تھے۔ خدا پرستی، رحم دلی اور پرہیز گاری کا ان میں شائبہ تک نہ تھا۔ قیامت اور جزا وسزا کے منکر تھے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے انہی میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہیں ان دنیاوی نعمتوں میں، جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں جیسے باغات، چشمے، کھیتیاں اور کھجور کے درخت جن کے خوشے کھجوروں سے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وغیرہ، میں یونہی بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا اور تم پر کوئی آفت نہ آئے گی اور نہ تمہیں موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم ان نعمتوں پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ کیا تم اس لئے بے فکر ہو کہ تم پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ یہ مضبوط اور پتھروں کے مکانات تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ وہ اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہارے امن وامان کو خاک میں ملا دے، سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اپنے سرداروں کی بات نہ مانو جو بندگی کی حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اصلاح اور وعظ ونصیحت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر قوم کسی طرح نہ مانی اور کہنے لگی تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تم

اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہو حالانکہ تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ ہم میں سے تو کسی پر وحی نہیں آتی، پھر تم پر کیسے آتی ہے۔ اللہ کا رسول تو فرشتے کو ہونا چاہئے تم ہم جیسے ہو کر رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ یہ تو بے عقلی کی دلیل ہے۔ سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہماری آنکھوں کے سامنے اس خاص چٹان میں سے ایک اونٹنی پیدا کر کے دکھاؤ جو ایسی ایسی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعاء سے اسی وقت پتھر کی چٹان کے اندر سے ان کی مطلوبہ اونٹنی برآمد فرما دی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ ہے تمہاری مطلوبہ اونٹنی اور اس کے کچھ حقوق ہیں، ان حقوق میں سے یہ ہے کہ پانی کا حصہ مقرر ہے، ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے جانور پئیں گے، تم اس کی باری کے دن اپنے جانوروں کو پانی نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ اونٹنی پانی نہیں پیئے گی، اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے کی نیت سے تم اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں یوم عظیم کا عذاب آ پکڑے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے حضرت صالح کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ ان میں سے ایک بدبخت نے کھڑے ہو کر اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ حالانکہ وہ اونٹنی خود اس بدبخت قوم کی فرمائش پر معجزے کے طور پر ایک پہاڑ کی چٹان سے نکلی تھی، مگر یہ لوگ ایمان لانے کی بجائے اللہ کی اونٹنی ہی کے دشمن بن گئے۔ پھر اللہ نے بھی ان کے گناہوں کے سبب ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو اپنے کئے پر نادم ہوئے لیکن اس ندامت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ آخر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس نے ان کو آ پکڑا، اور وہ ایسے ہلاک ہوئے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و کبریائی کے سبب کسی مجرم کو سزا دینے یا کسی قوم کی ہلاکت و بربادی کے انجام سے قطعاً نہیں ڈرتا اور نہ اس کو اس کی پرواہ ہے کہ کوئی مجرم قوم اس کا تعاقب کرے گی۔

سورۃ الّیل

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا والیل (رات ۔ قسم) سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الیل ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۱ آیات، ۷۱ کلمات اور ۳۱۰ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں والیل اذا یغشٰی جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو آواز بلند فرمائی۔ آپ سورۂ والشمس وضحٰھا اور والیل اذا یغشٰی پڑھ رہے تھے۔

(مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۵۰۳۔ حقانی / ج ۵، ص ۳۸۲، ۳۸۳)

اس میں خاص طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ایمان وتقویٰ اور سخاوت واحسان کی ہے۔ جو لوگ اس راہ کو اختیار کرتے ہیں وہی فلاح وکامیابی کے مستحق ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہ راستہ آسان کر دیتا ہے۔ دوسری قسم کی عملی کوشش تکذیب حق، غرور واستکبار اور بخل وحق تلفی کی ہے۔ جو لوگ اس دوسرے راستے کو اختیار کرتے ہیں وہ شقاوت ومحرومی کی منزل پر پہنچتے ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں بتایا گیا تھا کہ اگر انسانی نفس طہارت وتزکیے سے آراستہ ہو جائے تو اس کو دنیا میں عزت وسربلندی اور آخرت کی فلاح وکامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ نفسانی خواہشات میں پڑا رہے تو اس کا نتیجہ تباہی وہلاکت اور عذاب آخرت کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا میں بڑی بڑی طاقتیں اسی بدنصیبی کا شکار ہو کر ہلاک وبرباد ہوئیں۔ اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کے تفاوت کا بیان ہے۔

پرہیزگاروں کے لئے آسانی

۱،۱۱۔ وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى ۙ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰىٓ ۙ
إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۗ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ
بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۗ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ
وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۗ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهٗٓ
إِذَا تَرَدّٰى ۗ

اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے، اور اس کی جس نے مذکر اور مؤنث کو بنایا، بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے۔ سو جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری کی اور اچھی بات (کلمۂ توحید) کی تصدیق کی تو ہم بھی اس کے لئے آسانی پیدا کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (آخرت سے) بے پرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم بھی اس کے لئے تنگی کے سامان پیدا کر دیں گے۔ اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ جب وہ برباد ہونے لگے گا۔

تَجَلّٰی: اس نے تجلّی کی، وہ روشن ہوا، وہ ظاہر ہوا۔ تَجَلِّیٌ سے ماضی۔

شَتّٰی: جدا جدا، مختلف، متفرق۔ واحد شَتِيْتٌ۔

اَعْطٰی: اس نے عطا کیا، اس نے دیا۔ اِعْطَاءٌ سے ماضی۔

حُسْنٰی: اچھی، عمدہ۔ حُسْنٌ سے فُعْلٰی کے وزن پر تفضیل۔

نُيَسِّرُ: ہم آسان کرتے ہیں۔ تَيْسِيْرٌ سے مضارع

يُسْرٰی: آسانی، بہت آسان، پہلے معنی میں يُسْرٌ سے اسم مصدر اور دوسرے معنی میں اسم تفضیل۔

عُسْرٰی: تنگی، سختی، دشواری۔ مصدر ہے۔

تَرَدّٰی: وہ نیچے گرا، وہ گڑھے میں گرا، وہ ہلاک ہوا۔ تَرَدِّیٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: حاکم اور ابن جریر میں عامر بن عبداللہ بن الزبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ضعیف مسلمان مردوں اور

عورتوں کو خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ ان کے والد حضرت ابو قحافہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا بیٹا تم جوان کمزور لوگوں کو آزاد کراتے پھرتے ہو اس سے اچھا تو یہ ہے کہ نوجوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تاکہ وقت پر وہ تمہارے کام آئیں، تمہاری مدد کریں اور تمہارے دشمنوں سے لڑیں ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا ارادہ دنیوی فائدے کا نہیں، میں تو صرف رضائے الٰہی چاہتا ہوں ۔ اس پر آیت نازل ہوئی ۔ فَاَمَّا مَنْ ...... الیسریٰ (ابن کثیر ۔ ۴/۵۲)

تشریح: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور اپنی تاریکی سے تمام فضا کو ڈھانک لے اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو جائے اور اس کی روشنی تمام عالم پر پھیل جائے ۔ اور قسم ہے نر اور مادہ کی جو اس نے پیدا کئے ۔ جس طرح اپنی صورت اور خواص و آثار کے اعتبار سے دن اور رات اور نر و مادہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اسی طرح تمہاری کوشش اور عملی محنت بھی جدا جدا ہے، تم میں بھلائی کرنے والے بھی ہیں اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی ۔ پس جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتا رہا اور اس نے اچھی بات کی تصدیق کی یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو ہم اس کے لئے نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے، اور اس کے صلے میں اس کو جنت میں پہنچا دیں گے جو نہایت آرام و آسائش کا مقام ہے ۔

اس کے برعکس جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کیا اور فرض زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ادا کرنے سے بھی گریز کیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی طرف جھکنے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کی بجائے اس سے بے نیازی اور بے رخی کی اور اچھی بات یعنی کلمۂ ایمان کی تکذیب کی تو ہم اس کے لئے جہنم میں لیجانے والے اعمال پر عمل کرنا آسان کر دیں گے ۔ یہ بدبخت جس مال کی خاطر صدقات واجبہ کی ادائیگی سے گریز کرتا ہے وہ مال عذاب الٰہی آنے کے وقت اس کے کچھ کام نہ آئے گا ۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷۶۰، ۷۶۱/ ۸)

بخاری شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم جنت البقیع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا سنو! تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت یا دوزخ میں مقرر کردہ اور لکھی ہوئی ہے ۔ لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے کیوں نہ بیٹھ رہیں ۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ۔ ہر شخص کو اسی کی توفیق ملے گی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے ۔ جو خوش نصیب ہوگا اس کو اہل سعادت کے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور

جو بدنصیب ہوگا اس کے لئے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے۔

(روح المعانی ۱۴۹/۳۰)

حق کا راستہ

۱۲۔۱۸۔ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝

ہمارے ذمے تو صرف رہنمائی کر دینا ہے اور دنیا و آخرت ہمارے ہی ہاتھ میں ہے سو میں نے تو تمہیں ایک دہکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا۔ اس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا جو (دین کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہے۔ اور اس (آگ) سے وہ دور رہے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے۔

تَلَظّٰی: وہ شعلہ مارتی ہے، وہ بھڑکتی ہے۔ تَلَظِّیٌ سے مضارع۔ اصل میں تتلظی تھا ایک تا حذف ہوگئی۔

اَتْقٰی: بڑا پرہیزگار، بڑا ڈرنے والا۔ وَقْیٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حلال و حرام کا ظاہر کر دینا اور حق و ہدایت کا راستہ دکھا دینا ہمارے ذمے ہے۔ نیکی و پرہیزگاری اور بدی و گمراہی کی راہوں میں سے کسی ایک راہ کا انتخاب کرنا خود انسان کا کام ہے۔ اس لئے وہ جس راہ کو اختیار کرے گا اور جیسے عمل کرے گا اسی کے مطابق اس کو بدلہ ملے گا۔ آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت اور ہماری ہی مخلوق ہے۔ اس لئے ہدایت یافتہ لوگوں کو ہم ہی اجر و ثواب دیں گے۔ اگر کوئی شخص حق و ہدایت کا راستہ اختیار نہیں کرتا تو اس سے ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ میں تو تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈراتا ہوں جس میں صرف ایسا بدنصیب ہی داخل ہوگا جو اللہ کے رسول کی تکذیب کرتا ہے اور ایمان سے منہ موڑتا ہے۔

بیضاوی نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہنم کی شدت کو برداشت کرنے والا اور اس میں دوامی طور پر داخل ہونے والا صرف اشقیٰ یعنی کافر ہوگا۔ اگرچہ مسلم بدکار بھی جہنم میں داخل ہوگا لیکن

اس کا داخلہ ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ لَا یَصْلٰهَا میں ضمیر هَا صرف نَارًا کی طرف راجع نہیں بلکہ نَارًا تَلَظّٰی کی طرف راجع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بھڑکتی ہوئی آگ میں صرف کافر جائے گا۔ رہا فاسق مسلمان اگر چہ وہ بھی جہنم میں داخل ہوگا مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ کافر کی آگ سے اس کی آگ کا درجہ کم ہوگا۔ (بیضاوی ۵۱۳ مظہری ۱۰/۲۲۷)

مسلم میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا میں ابال آتا ہے۔ باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا وہی ہوگا لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا کوئی نہ ہوگا۔ (ابن کثیر ۴/۵۲۰)

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جو انکار کریں۔ لوگوں نے پوچھا انکار کرنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۲۰، ۵۲۱)

پھر فرمایا کہ اس شخص کو دوزخ سے ضرور بچایا جائے گا جو گناہوں سے بچنے والا، اللہ سے ڈرنے والا اور اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرنے والا ہے تاکہ وہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنے مال کو بھی پاک کرلے۔

حضرت ابوبکر کی فضیلت

۱۹، ۲۱۔ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰٓ ﴿١٩﴾ إِلَّا ٱبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ ٱلْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾

اور اس پر کسی کا احسان نہیں کہ جس کا بدلہ اتارتا ہے۔ وہ تو صرف اپنے خدائے برتر کی رضا کے لئے (دیتا ہے)۔ یقیناً وہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔

شانِ نزول: جب امیہ بن خلف نے حضرت بلال کو نسطاش کے عوض بیچنے کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو غنیمت جانا اور تبادلہ کرلیا۔ اس پر مشرک کہنے لگے کہ حضرت بلال کا ابوبکر پر کوئی احسان

ہوگا جس کی وجہ سے ابوبکر نے یہ سودا کیا۔ اس پر یہ آیت وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۳۰/۱۵۲)

تشریح: حضرت بلال رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے غلام کا حضرت ابوبکر صدیق پر کوئی احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جاتا بلکہ انہوں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لئے ایسا کیا تاکہ وہ آخرت میں جنت لیں اور وہاں ان کو اللہ کا دیدار نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل سے ضرور راضی ہوگا۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی پاکیزہ صفتوں والا شخص اللہ کی عطا کردہ جزا اور عزت و اکرام سے بہت جلد آخرت میں خوش ہو جائے گا۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ گو آیت کے الفاظ عام ہیں، صدیق اکبر یقیناً اس میں داخل ہیں اور سب سے پہلے اس کے مصداق ہیں کیونکہ آپ ہی صدیق تھے۔ پرہیزگار تھے، سخی تھے۔ اپنے مال کو اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد میں خرچ کرتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے جو نہ کسی دنیوی فائدے کے لئے ہوتا تھا اور نہ کسی کے احسان کے بدلے میں ہوتا تھا بلکہ یہ سب محض اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی فرماں برداری کے لئے ہوتا تھا۔ تمام چھوٹے بڑے لوگوں پر حضرت ابوبکر کے احسانات تھے یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت ابوبکر صدیق نے عروہ بن مسعود کو جو اپنے قبیلے ثقیف کا سردار تھا، ڈانٹا تو اس نے کہا کہ اگر مجھ پر آپ کا احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور اس کا جواب دیتا۔

(ابن کثیر ۴/۵۲۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کا ہم پلہ کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت عمر تھے، پھر حضرت عثمان تھے۔ پھر باقی صحابہ کو ہم یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

بخاری میں ہے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون تھا، حضرت علیؓ نے فرمایا ابوبکر، پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمر (مظہری ۱۰/۲۸۰)

سورۃ الضحیٰ

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا چاشت کے وقت کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام والضحیٰ ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں گیارہ آیتیں، ۴۰ کلمات اور ۱۷۷ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر (اللہ اکبر) کہی۔ روایت ہے کہ اس کے خاتمے پر اور اس کے بعد ہر سورت کے خاتمے پر تکبیر کا حکم ہے۔ یعنی اللہ اکبر کہے یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ ابوشام نے شرح شاطبیہ میں نقل کیا کہ امام شافعی نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں تکبیر کہتا ہے تو کہا کہ تو نے خوب کیا اور سنت کو پہنچ گیا۔ اگر سورۃ الیل کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سورت کہا جائے تو سورۂ والضحیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت ہے۔ اس میں آپ کی عظیم شخصیت کے اہم ترین اوصاف اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو نوازا گیا۔ (مواہب الرحمٰن ۵۳۳/۳۰ روح المعانی ۱۵۳/۳۰)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ چند سورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اثبات اور آخرت پر ایمان و یقین اور اس کے دلائل کا بیان تھا۔ اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو سرفراز فرمایا گیا۔

فترت وحی اور مشرکین کے طعنے

۱، ۵۔ وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ
فَتَرْضٰى ۝٥

اور قسم ہے روشن دن کی اور رات کی جب وہ چھا جائے (اے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم) نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور
آخرت آپ کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے، اور عنقریب آپ کا رب آپ کو
(اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

سَجٰی: اس نے قرار پکڑا، وہ چھا گیا، وہ ساکن ہو گیا۔ اس نے ڈھانپ لیا۔ سُجُوٌّ سے ماضی۔

وَدَّعَ: اس نے چھوڑ دیا، اس نے جدا کر دیا، اس نے رخصت کر دیا۔ تَوْدِیْعٌ سے ماضی۔

قَلٰی: اس نے نفرت کی، اس نے دشمنی کی، اس نے بغض رکھا۔ قَلْوٌ و قِلی سے ماضی۔

شانِ نزول: مسند احمد، بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ) بیمار ہو گئے اور ایک دو دن تک تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ آپ ﷺ کو آپ کے شیطان نے چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیئے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَالضُّحیٰ سے مَاقَلٰی تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ (ابن کثیر ۴/۵۲۲)

تشریح: چاشت کے وقت کی یا دن کی قسم اور رات کی قسم جب اپنی تاریکی سے ہر چیز کو ڈھانپ لے۔ نزولِ وحی میں تاخیر پر آپ کے دشمنوں کا یہ کہنا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے قطعاً غلط اور لغو بات ہے۔ آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے قطع تعلق کیا اور نہ آپ سے متنفر ہوا۔ جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی کا چھا جانا اللہ کی ناراضی کی دلیل نہیں اور نہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے بعد اب کبھی اجالا نہ ہوگا، بالکل اسی طرح چند روز وحی کے رکے رہنے سے یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے۔ اگر بالفرض اس کو صحیح سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ جس کو نبی بنا رہا ہے وہ آگے چل کر نبوت و رسالت کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ (نعوذ باللہ)

وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے تنزل و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ آپ کے عروج وارتقا کا ذریعہ ہے۔ اس لئے آخرت میں آپ کا درجہ، آپ کی بزرگی اور فضیلت دنیا کے اعزاز و اکرام سے بہت بڑھ کر ہوگی۔ وہاں آپ کو تمام انبیاء کی سرداری حاصل ہوگی۔ مقام محمود عطا کیا جائے گا، جس پر

سب اگلے پچھلے رشک کریں گے، اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا اور آپ کی شفاعت سے آپ کی امت کو بخش دے گا یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور آپ کی امت ساری امتوں کی شاہد ہو گی۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی آپ پر بہ کثرت عنایات فرمائے گا، مثلاً دشمنوں پر فتح، اقتدار کامل، اہل ایمان کی کثرت، تمام عالم میں دین کی اشاعت وغیرہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا (اور اللہ ان کو بخش دے گا) یہاں تک کہ میرا رب ندا دے گا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ (اب) راضی ہو گئے۔ میں عرض کروں گا ہاں میرے رب میں راضی ہو گیا۔

(مظہری ۱۰/۲۸۳)

اللہ تعالیٰ کے انعامات

۶۔۱۱۔ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞

کیا اس نے آپ کو یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا اور آپ کو بے خبر پا کر منزل پر (نہیں) پہنچایا اور آپ کو تنگدست پا کر غنی (نہیں) بنایا تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو نہ جھڑکیے اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرتے رہئے۔

اٰوٰی: اس نے جگہ دی، اس نے اتارا، اس نے ٹھہرایا، اس نے پناہ دی اِیْوَاءٌ سے ماضی۔

عَآئِلاً: فقیر محتاج، تنگدست، مفلس، نادار، عَیْلَةٌ سے اسم فاعل

تَقْهَرْ: تو سختی کر، تو ظلم کر تو غالب ہو۔ قَهْرٌ سے مضارع۔

تَنْهَرْ: تو ڈانٹ، تو جھڑک۔ نَهْرٌ سے مضارع۔

حَدِّثْ: تو بتا، تو بیان کر۔ تَحْدِیْثٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا یعنی والد کی وفات کے بعد اللہ نے آپ کو نادار بچہ پایا جس کے لئے باپ نے مال چھوڑا تھا اور نہ کوئی ٹھکانا۔ آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ کے والد

وفات پا چکے تھے۔ ٦ سال کی عمر میں والدہ محترمہ نے داغ مفارقت دیا۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آپ کا ٹھکانا بنا دیا اور ان کو آپ کا کفیل بنا دیا۔ انہوں نے آپ کی نصرت وحمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانی علوم اور احکام شریعت سے بے خبر پایا تو آپ کو علوم الٰہیہ، شعائر دین اور نفس کو پہچاننے کا راستہ بتا دیا۔ سو جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ

اس سے پہلے آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ راست دکھاتے ہیں۔ (الشوریٰ ۵۲)

پھر فرمایا کہ اللہ نے آپ کو نادار پایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال یا تجارتی منافع یا مال غنیمت کے ذریعہ آپ کو غنا اور بے نیازی کا ایسا مقام عطا فرمایا کہ آپ کو کسی چیز کی بھی احتیاج اور پرواہ نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اور اس کو بقدر ضرورت مل گیا اور اللہ نے اس کو قناعت عطا کر دی۔

(مظہری بحوالہ مسلم ١٠/٢٨٦)

پھر فرمایا کہ یتیم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو اور نہ اس کی کمزوری کو دیکھ کر اس کے مال پر قبضہ کرو جیسا کہ عرب کے لوگ کرتے تھے۔ یہاں خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر ممانعت کا حکم امت کے لئے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا وہ مکان بہترین ہے جس میں کسی یتیم سے اچھا سلوک کیا جائے مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جائے۔ آپ نے اپنی دونوں انگلیوں (کو جوڑ کر ان) سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میں اور یتیم کا سرپرست جنت میں اس طرح (متصل) ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ دروازے پر آئے ہوئے سائل کو نہ جھڑکو اور نہ ڈانٹو یا تو اس کو کھانا دیدو ورنہ نرمی اور خوش خلقی سے واپس کر دو۔ اللہ تعالٰی نے جن جن نعمتوں سے آپ کو نوازا ہے ان کا شکر ادا کرتے رہئے اور جو علوم و ہدایت آپ کو عطا کئے گئے ہیں ان کو بیان کیجئے اور لوگوں تک پہنچایئے۔

حضرت اشعث بن قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا سب سے زیادہ شکر گزار وہ ہے جو لوگوں (کے احسان) کا بہت شکر ادا کرنے والا ہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرما رہے تھے کہ جس نے تھوڑے کا شکر ادا نہیں کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر نہیں کیا۔ جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی نہیں کیا۔ اللہ کی نعمت کو یاد کرنا شکر ہے، نہ یاد کرنا ناشکری ہے۔ جماعت (اہل اسلام) اللہ کی رحمت ہے، تفرقہ اللہ کا عذاب ہے۔ (مظہری ۱۰/۲۸)

سورة الانشراح

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے انشراح کا ذکر ہے اسی لئے اس کو سورة الانشراح کہتے ہیں۔اس کو سورة الم نشرح بھی کہتے ہیں

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں ۲۹ کلمات اور ۱۰۳ احروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں آپ کے قلب اطہر کے انشراح اور اس پر پیدا ہونے والے بوجھ کو دور کرنے کی بشارت ہے۔اس کے ساتھ ہی آپ کی عزت وعظمت کا بیان ہے اور کافروں کی ایذا پر یہ کہہ کر آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہے سورة الضحیٰ کی مانند یہ سورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے متعلق ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۵۷۸/۳۰)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات، آپ کے اخلاق عالیہ اور محاسن واوصاف کا بیان تھا۔اس سورت میں آپ پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور انعام شرح صدر کا بیان اور شدائد کے بعد آسانی کی بشارت ہے۔

انشراحِ قلبِ اطہر

۱۔　اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

نَشْرَحْ:　ہم نے کھول دیا، ہم نے کشادہ کر دیا۔شَرْحٌ سے مضارع۔

صَدْرَ:　سینہ۔جمع صُدُورٌ۔

تشریح: ہم نے آپ کے سینے کو انوار الٰہیہ، علوم صادقہ اور معارف دینیہ کے لئے ایسا کشادہ اور رحمت وکرم والا کر دیا ہے کہ تمام علوم ومعارف کے سمندر سمٹ کر آپ کے قلب اطہر میں سما گئے۔ یہ علوم ومعارف کسی دانش مند کو عقل ودانش کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتے۔اس کے ساتھ ہی ایسا حوصلہ

اور ہمت عطا فرمائی کہ آپ لوازم نبوت اور فرائض رسالت کی ادائیگی میں ہر مشقت اور تکلیف نہایت ہمت اور اولوالعزمی سے برداشت کرتے ہیں اور تبلیغ دین میں مخالفین کی پیدا کردہ رکاوٹوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ

سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ (الانعام ۱۲۵)

یہ اسی شرح صدر کا نتیجہ تھا کہ آپ کو مخلوق کی طرف توجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ میں مخل نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کشادہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی شریعت بھی وسعت و نرمی اور آسانی والی بنائی، جس میں نہ تنگی نہ ترشی اور نہ تکلیف و سختی بلکہ ہر قسم کے حالات میں اس پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں شرح صدر سے بچپن اور شب معراج میں شق صدر کیا جانا مراد لیا ہے جیسا کہ مالک بن صعصعہ کے حوالے سے حضرت انس کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے صحابہ سے بیان فرمایا کہ جبرئیل نے اس کے اور اس کے درمیان یعنی ہنسلی کے گڑھے سے (پیٹ کے) بالوں تک (سینہ) چاک کیا۔ پھر دل کو باہر نکالا، دھویا اور ایمان سے بھر کر دوبارہ دل کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ یہاں دونوں واقعے مراد ہو سکتے ہیں۔ (ابن کثیر ۴/۲۲۴)

آپ کا بار دور کرنے کی بشارت

۲، ۳۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

اور ہم نے آپ کا بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی۔

وَضَعْنَا: ہم نے اتار دیا، ہم نے ہلکا کر دیا۔ وَضْعٌ سے ماضی۔

وِزْر: بوجھ، وزن۔ جمع اَوْزَارٌ۔

اَنْقَضَ: اس نے توڑ دی، اس نے جھکا دی۔ اِنْقَاضٌ سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے وہ بھاری بوجھ جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی آپ سے ہٹا دیا۔ اس بوجھ کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس سے وہ جائز اور مباح کام مراد ہیں جو بعض اوقات آپ نے حکمت و مصلحت سمجھ کر اختیار کر لئے بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کے خلاف یا خلاف اولیٰ

تھے تو آپ کو اپنی علوشان اور تقرب الٰہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بناء پر سخت رنج و ملال ہوتا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت سنا کر کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہ ہوگا وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا۔

نبوت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا جو شدید اثر ہوتا تھا اور استقامت کے ساتھ ساری دنیا میں کلمۂ حق کو پھیلانے اور کفر و شرک کو مٹا کر خلق خدا کو توحید پر جمع کرنے کی جو ذمے داری آپ پر ڈالی گئی تھی آپ اس بارِ عظیم کو محسوس فرماتے تھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میں چند بال سفید ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ نے بوڑھا کر دیا۔ بعض مفسرین کے نزدیک بوجھ سے یہی بارِ عظیم مراد ہے اور مذکورہ بالا آیت میں اسی کو ہٹانے کی بشارت دی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۷۷۱)۔

آپ کا رفع ذکر

۴۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کا ذکر مبارک بلند کر دیا۔ چنانچہ تمام اسلامی شعائر میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک بھی لیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کا دین مشرق و مغرب میں پھیلا۔ اذان میں اشهد ان لا الٰه الا الله کے ساتھ اشهد ان محمداً رسول الله کہا جاتا ہے۔ کوئی خطیب، کوئی واعظ، کوئی کلمہ گو، کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید فرمائی ہے۔

بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آیت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے معنی پوچھے تو جبرئیل امین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

بغوی نے اپنی اسناد سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ لوحِ محفوظ کے وسط میں لکھا ہوا ہے لا الٰه الا الله وحده دينه الاسلام و محمد عبده ورسوله ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں۔ اسلام اس کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

(مظہری ۱۰/۲۹۲)

بعض علما کے نزدیک رفع ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (ازل میں) آپ کے لئے تمام انبیاء سے میثاق لیا تھا اور آپ پر ایمان لانے کو لازم کیا تھا اور آپ کی فضیلت کا اقرار کرایا تھا۔

مشکل کے بعد آسانی

۵،۸۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

سو بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے، بے شک ہر تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ سو جب آپ کو فراغت ملے تو (عبادت میں) محنت کیجئے اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگا لیجئے۔

فَرَغْتَ: تو فارغ ہوا، تو خالی ہوا۔ فَرَاغٌ و فَرْغَةٌ سے ماضی۔

اِنْصَبْ: تو محنت کر، تو مشقت اٹھا۔ نَصَبٌ سے امر۔

اِرْغَبْ: تو رغبت کر، تو دل لگا۔ رَغْبَةٌ سے امر۔

تشریح: بلاشبہ تنگی کے بعد آسانی ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جس کلمے کے شروع میں لام تعریف ہوتا ہے اگر اسی کلمے کو لام تعریف کے ساتھ مکرر لایا جائے تو دونوں کلموں کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر لام تعریف کے بغیر مکرر لایا جائے تو دونوں کے مفہوم الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہاں العُسر لام تعریف کے ساتھ مکرر آیا ہے اس لئے اس سے دونوں جگہ ایک ہی عسر مراد ہے یعنی جو عسر پہلے کلمے میں مراد ہے دوسرے کلمے میں بھی وہی مراد ہے۔ لفظ یُسر دونوں جگہ لام تعریف کے بغیر (نکرہ) ہے اس لئے دوسرا یسر پہلے یسر کے علاوہ ہے۔ سو آیت میں ایک تنگی اور سختی کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے۔ اور دو سے بھی خاص دو کا عدد مراد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے۔ یعنی جو بھی تنگی یا مشکل پیش آئے گی اس کے ساتھ بہت سی آسانیاں ملیں گی۔

بغوی نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے کہ ایک عسر کے ساتھ دو یسر کا مراد ہونا اس وجہ

سے نہیں کہ نکرہ بصورت نکرہ مکرر آیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق گزشتہ کلام سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی تھی اور خصوصیت کے ساتھ دنیا میں یسر اور غنا عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراخ دست بنا دیا۔ مختلف بستیاں آپ کے زیر اقتدار کر دیں یہاں تک کہ (بعض حالات میں) آپ نے دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطاء کئے اور بیش قیمت چیزیں عنایت فرمائیں۔

اب بھی عادت اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی اور مصائب و تکالیف پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اسی سے لو لگائے اور اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ضرور آسانی فرمائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ دعوت حق اور احکام دین کی تبلیغ اور امت کی تعلیم سے فارغ ہو جایا کریں تو نہایت رغبت اور خلوص دل سے نماز، اللہ کے ذکر اور دعا و استغفار میں لگ جایا کریں۔ تمام مخالفتوں اور دشواریوں سے بے نیاز ہو کر اور ہر طرف سے رخ موڑ کر صرف اپنے رب کی طرف رخ کر لیا کریں کیونکہ وہی کارساز اور ہر تدبیر کو کامیاب بنانے والا ہے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲۷۷،۷۷۱/۸، مظہری ۱۰/۲۹۳)

سورۃ التین

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے التین یعنی انجیر کی قسم سے اس سورت کی ابتدا فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے سورت کا نام التین ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۳۴ کلمات اور ۱۵۰ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی ایمان بالآخرت، حساب اور اعمال کی جزا کا بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۶۲۰/ ۳۰)۔

چار قسمیں

۱،۳۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝

اور قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا اور اس امن والے شہر کی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں چار قسمیں کھائی ہیں۔ ۱۔ وَالتِّيْنِ، اور انجیر کی قسم ۔۲۔ والزیتون، اور زیتون کی قسم۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، حسن بصری، ابراہیم عطا، مقاتل اور کلبی نے کہا کہ التین سے مراد یہی انجیر ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور الزیتون سے مراد زیتون کے پھل ہیں جن کا روغن نکالتے ہو۔
۳۔ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ، اور طور سینا کی قسم۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ یہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔

۴۔ وَهٰذَا البلد الْاَمِيْنَ، اور اس امن والے شہر کی قسم۔ اس سے مراد مکہ شہر ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں مکہ معظمہ امن کا شہر تھا۔

بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں (تین، طور سینین اور بلد الامین) وہ مقامات ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر بھیجے گئے۔ ان میں تین سے مراد بیت المقدس ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

کلام فرمایا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ تورات کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے (ابن کثیر ۴/۵۲۶)

تخلیق میں سب سے بہتر

۴،۶۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا۔ پھر ہم اس کو پست ترین حالت میں کر دیتے ہیں، لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے بے انتہا بدلہ ہے۔

تَقْوِیْم: سیدھا کرنا، درست کرنا، ٹھیک کرنا، سانچہ۔ مصدر ہے۔

رَدَدْنَا: ہم نے واپس کر دیا، ہم نے لوٹا دیا۔ رَدٌّ سے ماضی۔

اَسْفَلَ: سب سے نیچا، سب سے پست، سب سے حقیر۔ سُفُوْلٌ سے اسم تفضیل۔

مَمْنُوْن: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔ مَنٌّ سے اسم مفعول

تشریح: قسموں کے بعد فرمایا کہ جس طرح ہم نے انسان کو عقلی اور فکری صلاحیتوں کی عظمت و بلندی عطا کی اسی طرح اس کو ظاہری پیکر کے لحاظ سے بھی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں متناسب اعضا کے ساتھ نہایت حسین و جمیل اور بہت ہی خوبصورت پیدا کیا ہے، سو وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ حسین و جمیل ہے۔

پھر ہم نے اسے نہایت پستی میں پہنچا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے جہنمی ہو گیا۔ اسی لئے ایمان والوں کو اس سے الگ کر لیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسفل سافلین میں لوٹانے سے انتہائی بڑھاپے کی طرف لوٹانا مراد ہے کہ نہ قویٰ رہے اور نہ شکل و صورت کا حسن و جمال باقی رہا۔ پیدائش کے وقت بھی نہایت کمزور تھا۔ پھر نشوونما پا کر جوان ہوا۔ بدن میں قوت و مضبوطی پیدا ہوئی اور بھرپور حسن و جمال والا ہو گیا۔ کچھ مدت تک اسی طرح رہا پھر ضعف و انحطاط کی طرف لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ضعف و پستی کی انتہا کو پہنچ کر بدشکل اور بدہیئت نظر آنے لگتا ہے۔

بیکار اور دوسروں پر بار بن کر رہ جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۞

وہ اللہ ہی ہے جس نے کمزوری کی حالت میں تمہاری تخلیق کی۔ پھر کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم (اور) قدرت والا ہے۔ (الروم:۵۴)

پھر فرمایا کہ جو ایمان اور عمل صالح والے ہیں وہ ذلت و پستی کے مقام میں گرنے سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر بڑھاپا، عجز اور درماندگی نہیں آتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو اس جسمانی بیکاری اور مادی خرابی کا نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ ایمان اور عمل صالح سے وہ اپنی آخرت سنوار چکے ہیں۔ اللہ کے ہاں ان کے لئے جو اجر و ثواب ہے وہ یقیناً کبھی منقطع نہ ہوگا۔

اگر دنیا میں بڑھاپے، کمزوری اور عجز سے سابقہ پڑا تب بھی آخرت میں ان کے لئے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے عمل کم ہو جانے کے باوجود ان کے نامۂ اعمال میں وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ یہ جو جو اچھے اعمال اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے نامۂ اعمال میں لکھتے رہو۔

اس کے برعکس جسمانی بیکاری اور عجز و درماندگی کا نقصان صرف ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اور توانائی اسی دنیا کی زندگی کو سنوارنے میں صرف کر دی۔ اب آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ (ابن کثیر ۵۲۷/۴، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۷۷۶، ۷۷۷/۸)

اللہ کی حاکمیت

۷، ۸۔ فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۞ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ۞

(اے انسان) اب تجھے قیامت کے جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے۔ کیا

اللہ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ (ضرور ہے)۔

تشریح: اے انسان جب تو اپنی پہلی اور ابتدائی پیدائش کو جانتا ہے اور اپنی ذات میں رونما ہونے والے تغیرات کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر تو قیامت اور بعث بعد الموت (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا) اور جزا و سزا کا انکار کیوں کرتا ہے۔ جس قادر مطلق نے تجھے پہلی دفعہ پیدا کیا اس پر دوسری مرتبہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں۔ یقیناً وہ سب سے بڑا حاکم ہے۔ وہ نہ ظلم کرتا ہے اور نہ بے انصافی۔ اس کے احکام تمام کائنات میں نافذ و جاری ہیں اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے۔ چاند، سورج، ستارے، ہوائیں، بادل، بارش، چرند، پرند، چوپائے اور درندے غرض ہر چیز اس کی مطیع و فرماں بردار ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قیامت اسی لئے قائم کرے گا تا کہ ہر ایک ظالم سے مظلوم کا انتقام لے۔

ترمذی، ابوداؤد اور ابن مردویہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۂ والتین پڑھتے ہوئے اس آیت الیس اللہ باحکم الحٰکمین پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہئے بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ۔ بیشک اللہ ہی احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔ (روح المعانی ۱۷۷/۳۰)

فقہائے حنفیہ کے نزدیک جب بھی یہ آیت تلاوت کی جائے تو ان کلمات کا کہنا مسنون ہے سوائے نماز کے۔

سورۃ العلق

وجہ تسمیہ: اس سورت کی دوسری آیت میں لفظ علق (جما ہوا خون) آیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام العلق ہے۔ اس کو سورۂ اقرا بھی کہتے ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۱۹ آیات، ۷۲ کلمات اور ۲۸۰ حروف ہیں۔ جمہور صحابہ و تابعین کے مطابق مکہ میں سب سے پہلے اسی سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں مَـالَـمْ یَعْلَمْ تک غارِ حرا میں نازل ہوئیں۔ صحیح بخاری میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی محبوب بنا دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا (یہ کوہ حرا پر واقع ہے، آج کل اس پہاڑ کو جبل نور کہتے ہیں) میں جا کر کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے۔ (اس عبادت کی کیا کیفیت ہوتی تھی اس کا کسی حدیث میں ذکر نہیں، حضرت عائشہؓ کی روایت میں تَحَنُّث کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی عبادت کرنے کے ہیں) اور جتنے دن وہاں رہنے کا ارادہ ہوتا اتنے دنوں کا سامان خوراک ساتھ لے جاتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آ کر حضرت خدیجہؓ سے مزید چند روز کے لئے سامان خوراک تیار کرا کر لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ اس غارِ حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق یعنی وحی پہنچی اور ایک فرشتہ (جبرائیل امین) نے غار کے اندر آ کر آپ سے کہا "پڑھیئے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ آپؐ نے بیان فرمایا کہ اس پر اس فرشتے نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیئے۔ میں نے دوبارہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سن کر اس نے مجھے پھر زور سے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے، میں

نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا اس پر اس نے تیسری مرتبہ مجھے آغوش میں لے کر خوب بھینچا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا!

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ۝۲ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ۝۵

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (علق :۱-۵)

یہاں پہنچ کر وہ (جبرائیل امین) خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ کا دل کانپ رہا تھا اور آپ سخت سردی محسوس کررہے تھے، اس لئے آتے ہی آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ ''مجھے اوڑھاؤ مجھے اوڑھاؤ'' کچھ دیر کے بعد جب طبیعت پرسکون ہوئی تو آپ ﷺ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا اور فرمایا کہ اس سے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے تمام واقعہ سننے کے بعد کہا کہ ''خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رنج نہ دے گا، آپ تو امانت ادا کرتے ہیں، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ﷺ ناداروں کے لئے کماتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ لوگوں کی ان حوادث پر مدد کرتے ہیں جو حق ہوتے ہیں''۔ (بخاری شریف/ ج۱،ص۶)

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ نے آپ سے تمام واقعہ سنتے ہی کہا یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ کاش میں آپ ﷺ کی نبوت کے زمانے میں قوی اور توانا ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا۔ بلاشبہ یہ آپ کو نکال دیں گے، کیونکہ جب بھی کوئی آدمی اس قسم کی دعوت لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو لوگ اس کے دشمن ہوگئے۔ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور حمایت کروں گا۔ اس کے چند روز بعد ورقہ انتقال کرگئے۔ (بخاری/ ج۱،ص۷، مسند ابوداؤد طیالسی/ ج۲،ص۱۶۹)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ پھر چھ ماہ (یا دوسری روایت کے مطابق تقریباً ۲ سال یا اڑھائی سال) تک وحی کا سلسلہ بند رہا، جس کو زمانہ فترت وحی کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد لگاتار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اقرأ اور مدثر کے بعد سب سے پہلے جو پوری اور مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔

(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۶۳۰، مظہری ۳۰۱/۱۰)

اس سورت میں انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات و احسانات ہوتے ہیں اسی قدر اس کی سرکشی اور بغاوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب جہنم کے فرشتے ایسے سرکشوں کو چوٹی سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہونے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم ہے۔

انسان کی تخلیق و تعلیم

۱، ۵۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵

اپنے رب کا نام لیکر پڑھیے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ اور انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی (اور) انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اِقْرَاْ: تو پڑھ۔ قِرَاءَةٌ سے امر۔

عَلَقٍ: جما ہوا خون جو خشک نہ ہوا ہو، خون کا لوتھڑا، گاڑھا خون۔ اسم جنس ہے۔

اَکْرَمُ: بہت کریم، بہت باعزت۔ کَرَمٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آپ پر وحی کی جاتی ہے یا نازل کیا جاتا ہے اس کو اپنے اس رب جلیل کے نام کی مدد سے پڑھیئے جس نے کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود عطا کیا۔ پس جو ذات کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والی ہے اور جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا اور اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک اور کان وغیرہ اعضا بنائے تو کیا وہ خالق وقادر مطلق ایک زندہ، بینا و بصیر اور عقل وشعور رکھنے والے انسان کو جو اگرچہ پڑھا ہوا نہیں ہے، قرأت کی صفت عطا نہیں کر سکتا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم آپ کو پہلے دیا گیا ہے آپ اس کو بجا لایئے، کیوں کہ آپ کا پروردگار نہایت کرم والا ہے۔ اس سے بڑھ کر کریم ہونا ممکن نہیں۔ وہ اتنا کریم ہے کہ بندوں کی ناشکری اور نافرمانی کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کی سرکشی اور نافرمانیوں کو برداشت کرتا ہے اور قدرت کے باوجود ان سے فوری انتقام نہیں لیتا۔ وہ رب کریم اپنی غیبی مدد سے آپ کے لئے اس کا پڑھنا آسان کر دے گا۔ اسی نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور یہی قلم دنیا میں ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم وفنون منتقل کرنے والا ہے۔ کیا وہ رب کریم اس پر قادر نہیں کہ اپنے فرشتے کے ذریعے یا براہ راست لوح محفوظ اور ملاء اعلیٰ کے علوم اپنے پیغمبر کے قلب پر وارد کر دے۔ یقیناً وہ ہر صورت پر قادر ہے۔ اسی نے انسان کو وہ تمام علوم سکھائے جو وہ نہیں جانتا تھا۔

سرکش انسان

۶، ۸۔ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝

بیشک انسان تو حد سے نکل جاتا ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھتا ہے۔ بیشک تجھے اپنے رب ہی کے پاس لوٹنا ہے۔

تشریح: نبوت کے ابتدائی دنوں میں کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف نہ تھا۔ سب آپ کو امین اور صادق کے القاب سے پکارتے تھے۔ آپ سے محبت اور آپ کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ابوجہل کی دشمنی اور آپ کو نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آئندہ آیتوں میں مذکور ہے وہ شب معراج کے بعد کا ہے۔ اگرچہ اس آیت کا روئے سخن ابوجہل کی طرف ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی لیکن یہاں عام انسانوں کی ایک عام کمزوری بیان کی گئی ہے کہ جب

تک انسان دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو عاجزی کرتا اور سیدھا چلتا ہے۔ جب اس کے پاس دو پیسے ہو جاتے ہیں اور اسے فارغ البالی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو یہ گمان ہو جاتا ہے کہ اب وہ مستغنی ہو گیا ہے اور اب اسے کسی کی حاجت اور پرواہ نہیں۔ اس میں سرکشی، کبر و غرور اور عجب وخود پسندی آجاتی ہے اور اس میں دوسروں پر ظلم و ستم روا رکھنے کے رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں، جیسا کہ عموماً مالداروں، حاکموں اور اولاد و احباب کی کثرت رکھنے والوں میں دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ اپنے مال و اولاد اور جماعت و جتھے کی طاقت میں مست ہو کر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ابو جہل کا بھی یہی حال تھا۔ وہ مکے کے مالدار لوگوں میں سے تھا۔ شہر کے لوگ اس کی بات مانتے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ اسی لئے وہ مغرور اور سرکش ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا تھا۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم حشر سے ڈرتے رہنا چاہئے اور انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک دن سب کو لوٹ کر اللہ کے پاس جانا ہے جہاں ان سے چھوٹے بڑے اور ظاہر و پوشیدہ تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا اور ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ اس گستاخ رسول ابو جہل کو بھی وہاں اپنے اعمال کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کہ دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ ایک طالبِ علم اور دوسرا طالبِ دنیا۔

ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علم کا طالب تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا طالب سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى تلاوت فرمائی جس میں دنیاداروں کا ذکر ہے۔ اور طالب علموں کی فضیلت میں آیت اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) تلاوت کی۔

(ابن کثیر ۴/۵۲۸، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۷۷۸)

ابو جہل کا ایک واقعہ

۹۔۱۶ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۭ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ
اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۭ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۭ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ
يَرٰى ۭ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ ڏ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾

(اے مخاطب) کیا تو نے اس کو بھی دیکھا جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیزگاری کا حکم کرتا۔ بھلا دیکھو تو اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا۔ تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ خبردار! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ ایسی پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے۔

نَسْفَعاً: ہم گھسیٹیں گے، ہم پکڑ کر کھینچیں گے۔ سَفْعٌ سے مضارع۔

نَاصِیَةٍ: پیشانی کے بال، چوٹی۔ جمع نَوَاصِیُ

شانِ نزول: ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو جہل نے لوگوں سے پوچھا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری موجودگی میں خاک پر چہرہ رگڑتے (سجدہ کرتے) ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ ابو جہل نے کہا لات وعزّٰی کی قسم اگر میں نے ان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو (نعوذ باللہ) پاؤں سے ان کی گردن روند ڈالوں گا۔ اور ان کے منہ کو مٹی میں رگڑ دوں گا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل آ گیا اور اس نے (آپ کو) نماز سے روکا۔ اس پر اَرَأَیْتَ سے كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ تک آیات نازل ہوئیں۔ (مظہری ۳۰۶/۱۰)

تشریح: یہاں سے سورت کے آخر تک ابو جہل کا واقعہ مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کر دی تو ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اگر آپ نے آئندہ نماز پڑھی اور سجدہ کیا تو میں (نعوذ باللہ) آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مخاطب! کیا تو نے اس بدبخت کو دیکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندے کو اللہ کی بندگی سے روکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر سرکشی اور بغاوت کیا ہوگی کہ خود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑے ہوئے ہے، دوسروں کو بھی اس کی عبادت نہیں کرنے دیتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بہترین طریقے سے وعظ ونصیحت کی کہ بھلا اگر وہ بندہ سیدھی راہ پر ہو جس کو تو نماز سے روکتا ہے اور وہ دوسروں کو تقویٰ وپرہیزگاری کا حکم دیتا ہو اور اللہ کے عذاب سے ڈراتا

ہو، پھر بھی تو اس کو اللہ کے گھر سے روکے اور ڈانٹ ڈپٹ کرے تو کیا یہ تیری بدبختی اور بدنصیبی کی انتہا نہیں ۔ بھلا اگر تو نے اللہ کی بات کو جھٹلایا اور منہ موڑا اور سرکشی و نافرمانی پر قائم رہا تو اس سے ہمارا کیا نقصان، تو خود ہی ہلاک و برباد ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہے کہ دیکھو تو کیسے تعجب کی بات ہے کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو یہ اس کو روکتا ہے حالانکہ وہ بندہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور یہ روکنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگرداں ہے۔ (مظہری ۳۰۸/۱۰)

پھر اس کی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے والی اس بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور روکنے والے بدبخت کو بھی اور اس کی باتوں کو بھی سن رہا ہے۔ وہ اس کو اس کے کام اور کلام دونوں پر سزا دے گا، اگر وہ اپنی سرکشی اور ایذا دہی سے باز نہ آیا تو ہم بھی اس کو جانوروں کی طرح پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ ایسی پیشانی جو جھوٹی، نافرمان اور خطا کار ہے۔ قیامت کے دن کافروں کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹنا ان کی ذلت و رسوائی کے لئے ہوگا۔ پیشانی انسان کے جسم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت کی چیز ہے، اس لئے کسی کو اس کے ذریعے گھسیٹنا اس کی انتہائی تحقیر و تذلیل ہے۔ کافر چونکہ اللہ کے سامنے سر جھکانے سے اعراض کرتا ہے اس لئے وہ اسی لائق ہے کہ اس کو پیشانی کے بل گھسیٹ کر ذلیل و خوار کیا جائے جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

اس دن منہ کے بل ان کو آگ میں گھسیٹا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) دوزخ کی آگ چھونے کا مزہ چکھو۔ (القمر ۴۸)

ابوجہل کے تکبر کا جواب

۱۷، ۱۹۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

سو یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ہم بھی (دوزخ کے معمولی) پیادے بلاتے ہیں ۔ خبردار (اے رسول ﷺ) آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور سجدہ کیجئے اور قرب الٰہی حاصل کرتے رہئے۔

نَادِیَ: مجلس، مجلس کے ساتھی۔

الزَّبَانِيَةَ: دوزخ کے پیادے، دوزخ کے فرشتے جو عذاب پر متعین ہیں۔ واحد زبنیۃ

شان نزول: ترمذی نسائی اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ادھر سے ابوجہل گزرا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) کیا میں نے منع نہیں کیا تھا کہ یہاں یہ حرکت نہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعین کو جھڑک دیا۔ وہ کہنے لگا اے محمد (ﷺ) آپ خوب جانتے ہیں کہ واللہ اس وادی میں میری چوپال (مجلس) والے سب سے زیادہ ہیں، آپ مجھے جھڑکتے ہیں، خدا کی قسم میں اس وادی کو آپ کے خلاف اعلیٰ گھوڑوں کے سواروں اور نوجوان پیادوں سے بھر دوں گا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (مظہری ۳۰۸/۱۰، مواہب الرحمٰن ۲۴۶/۳۰)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے بارے میں فرمایا کہ اس کو اپنے جتھے اور چوپال والوں پر اس قدر غرور ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے سب مددگاروں ہمنشینوں، قرابتداروں اور کنبے قبیلے والوں کو بلالے۔ ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں جو اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے، اور ہم دیکھیں گے کہ کون اس کو ہمارے عذاب سے بچاتا ہے۔

ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر ابوجہل اپنے حامیوں کو پکارتا تو عذاب کے فرشتے اسی وقت اسے اچک لیتے۔ (ابن کثیر ۵۲۹/۴)

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس مردود و بدبخت کی بات نہ مانیے اور نہ آپ کو اس کی دنیوی وجاہت اور مال و دولت سے متاثر ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ تو اپنے رب کی کثرت سے عبادت کرتے رہئے، جہاں دل چاہے نماز پڑھئے اور اللہ کا قرب حاصل کیجئے اور اس بدبخت و بدنصیب کی بالکل پرواہ نہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہے۔ وہ آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔

مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت ہی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سو تم سجدے کی حالت میں بکثرت دعائیں مانگو۔ (ابن کثیر ۵۲۹/۴)

سورۃ القدر

وجہ تسمیہ: اس سورت میں شب قدر کا بیان ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام القدر ہے۔ اس کو سورۃ لیلۃ القدر اور سورۃ لیلۃ المبارک بھی کہتے ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں پانچ آیتیں، ۳۰ کلمات اور ۱۱۲ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن الزبیر، ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی اور واقدی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ پہلا قول زیادہ معتبر اور قرین قیاس ہے۔ (حقانی ۲۴۰/۵، مواہب الرحمٰن ۶۴۹/۳۰)

اس میں خاص طور پر نزول قرآن، شب قدر کی عظمت و فضیلت اور اس میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں وحی کے آغاز کا ذکر تھا۔ اس سورت میں شب قدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس میں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب کا نزول ہوا۔

نزولِ قرآن

۱۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسلاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک جہاد میں مشغول رہا۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر قرار دیا۔

ابن جریر نے مجاہد کی روایت سے ایک دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ

حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا اور دن بھر جہاد میں مشغول رہتا۔ اس نے ایک ہزار مہینے اسی مسلسل عبادت میں گزار دیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی۔ (مظہری ۳۱۰/۱۰)

تشریح: ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا جو بڑی متبرک رات ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین اسی رسول اور اسی کتاب کے منتظر تھے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر وہی لیلۃ المبارکہ ہے جس کا بیان دوسری آیت میں ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

بیشک ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں نازل کیا۔ (الدخان ۳)

یہ مبارک رات یعنی لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ

ماہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ (البقرۃ ۱۸۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب قدر میں اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن ایک دفعہ میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کر دیا۔ پھر وہاں سے ۲۳ برس تک حسب ضروت تھوڑا تھوڑا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی تیسری تاریخ کو، توریت چھٹی تاریخ کو اور انجیل تیرھویں رمضان کو اور زبور اٹھارہویں رمضان کو اتاری گئیں، اور قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیسویں رمضان کو نازل ہوا جب رمضان کی چھ راتیں باقی تھیں۔ (مظہری ۳۱۱، ۳۱۲/۱۰)

شب قدر

۲، ۵۔ وَمَآ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِؕ ۝ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍؕ ۝ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝

اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے

بہتر ہے۔اس میں فرشتے اور روح (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے ہر امر
(خیر) کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں وہ سلامتی (کی رات) ہے
فجر طلوع ہونے تک۔

تشریح:اے مخاطب تجھے کیا معلوم کہ شب قدر اور اس کی عظمت و برکت کیا ہے۔اس میں قرآن مجید کیوں نازل کیا گیا اور اس میں عبادت و ذکر الٰہی کا اجر و ثواب کس قدر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور برکات عقل کی رسائی سے زیادہ ہیں۔بس اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اس ایک رات کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے زیادہ اور بہتر ہے۔اسی رات میں فرشتے اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر امر خیر لیکر زمین اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے مومن بندوں کی طرف اترتے ہیں اور ان کے واسطے دعا کرتے ہیں۔اس رات کا ایک ایک لمحہ ہر شر و آفت اور برائی سے سلامتی کا ہے اور اس میں خیر ہی خیر اور برکت و رحمت ہے۔اس میں شر کا نام تک نہیں۔یہ رات غروب شمس سے لیکر فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے اس لئے اس دوران اس کے جس حصے میں بھی عبادت کی جائے گی اس کی وہ رحمتیں اور برکتیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ نے اس رات میں رکھی ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کی حالت میں ثواب کی امید سے شب قدر میں (نماز کے لئے) کھڑا ہوتا ہے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین فرشتوں کی فوج کے ساتھ اترتے ہیں (اس وقت) جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں وہ سب کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جماعت کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی اس نے گویا نصف شب قیام کیا اور جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔

احمد، ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں کیا کہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: **اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی** کہو۔(مظہری ۱۰/۳۱۶)

سورۃ البیّنہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کو بینہ اس لئے کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے مشرکین اور اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب تک کوئی بینہ (حجت و دلیل) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کو سورۃ المنفکین اور سورۃ البریہ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۲۰۰/۳۰)

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں ۹۴ کلمات اور ۳۹۰ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک مدینہ میں۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اس کا نزول مدینہ میں ہوا۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ امام احمد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تجھے فلاں سورت پڑھ کر سناؤں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہاں میرا نام لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن البزیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوالمنذر (حضرت ابی کی کنیت) پھر تو تم بہت ہی خوش ہوئے ہو گے۔ حضرت ابی نے کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور مہربانی پر خوش ہونا چاہئے، یہ اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔ (یونس: ۵۸)

(مواہب الرحمٰن ۶۶۷/۳۰، ابن کثیر ۵۳۶/۴)

سورت کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کا رسول، ان کی بعثت و نبوت، ان کے اوصاف و کمالات اور ان کا قرآن کریم کی تلاوت کرنا، یہ سب بذات خود بینہ ہیں۔ پھر عبادت کی روح یعنی

اخلاص وتوحید کا بیان ہے۔ اس کے بعد آخرت میں اہل شقات واہل سعادت کے انجام کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں شب قدر کی عظمت وفضیلت کا ذکر تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورت میں عبادت کی قبولیت کی اساس یعنی اخلاص وتوحید کا بیان ہے۔

اہل کتاب اور مشرکین کا حال

۱، ۳۔ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ① رَسُولٌ مِّنَ اللهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ اللہ کا ایک رسول (آئے) اور پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں درست احکام ہوں

مُنْفَكِّينَ: باز آنے والے، جدا ہونے والے۔ اِنْفِکَاکٌ سے اسم فاعل۔

الْبَيِّنَةُ: واضح دلیل، روشن دلیل۔ جمع بَيِّنٰتٌ۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین سب شرک وکفر کرتے تھے، جیسے یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ وہ اپنے کفر وشرک سے باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی ہوئی حقیقت اور واضح دلیل و حجت یعنی عظیم المرتبت رسول نہ آجائے، جن کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی ہو اور اس کی مدد بھی ان کے شامل حال ہو۔

یہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو امی ہونے کے باوجود ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ قرآن پاکیزہ صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے احکام درست، سچے اور مضبوط ہیں جو قیامت تک قائم رہیں گے۔ یہ صحیفے باطل اور شیطانی تصرف سے پاک رکھے گئے ہیں اور بے وضو، ناپاک اور حائضہ کے چھونے سے محفوظ ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ④٢

اس میں باطل نہ آگے سے داخل ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ تو حکیم وحمید کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ (حم السجدہ ۴۲)

لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

اس کو پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔ (الواقعہ ۷۹)

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض ائمہ لغت نے منفکین کا ترجمہ ہالکین کیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر کو بھیجنے اور کتاب نازل کرنے سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہونے والے نہ تھے، کیونکہ پیغمبر کو احکام دیکر بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک اور برباد نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝

اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔ (الاسراء ۱۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے رسول کی آمد بذات خود ایک بیّنہ اور واضح ثبوت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تلاوت کردہ آیات ہی کی برکت تھی کہ دور جاہلیت کے وہ عرب جو کفر وشرک کی ظلمتوں میں غرق تھے وہ نور ہدایت سے مشرف ہوئے ورنہ ایسی گمراہ قوم کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہ تھی۔

اہل کتاب کا تفرقہ

۴، ۵۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

اور اہل کتاب واضح دلیل آنے کے بعد ہی (دین میں) متفرق ہوئے۔ حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہوکر خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیتے رہیں اور یہی مستحکم دین ہے۔

قَيِّمَةٌ: مضبوط، درست، ٹھیک، مستحکم ۔قِیَامٌ سے صفت مشبہ ۔

حُنَفَاءَ: حنیفی، یکسو ہونے والے، مائل ہونے والے، اللہ کی طرف ہونے والے۔ واحد حَنِیْفٌ

تشریح: آپ کی بعثت سے پہلے کسی یہودی یا نصرانی کو اس میں اختلاف نہیں تھا کہ آخری زمانے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا اور آپ کی اتباع سب پر لازم ہوگی۔ اسی لئے اہل کتاب آپ کی بعثت کے منتظر تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

حالانکہ اس سے پہلے وہ (اس کی برکت سے) کافروں پر فتح (کی دعا) مانگتے تھے۔ (البقرہ ۸۹)

جب بھی مشرکین سے اہل کتاب کا مقابلہ ہوتا تو وہ آپ کے وسیلے سے کافروں کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے، کیونکہ آپ کے اوصاف ان کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا تو ان لوگوں نے محض حسد اور عناد کی وجہ سے آپ کی تصدیق نہیں کی۔ دوسری آیت میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ

پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس آ گیا جس کو انہوں نے پہچان بھی رکھا تھا تو وہ اس کے منکر ہو گئے۔ (البقرہ ۸۹)

ہر پیغمبر نے مشرکین و منکرین کو یہی حکم دیا تھا کہ ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اس ایک مالک و خالق کے غلام بن جائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ دوسری آیت میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو۔ (الانبیاء: ۲۵)

اور ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اورہم نے ہر امت میں (اسی تبلیغ کے لئے) رسول بھیجے ہیں کہ تم (صرف)
اللہ کی عبادت کرو اور بتوں (کی عبادت) سے بچو۔ (النحل:۳۶)

یہی سابقہ انبیاء اور ان لوگوں کا دین ہے جو توحید پر قائم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کا حکم دیتے ہیں کہ اپنی عبادت و اطاعت کو اللہ کے لئے خالص رکھو۔ کسی کو بھی اس کی عبادت میں شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دیتے رہو۔

بہترین اور بدترین لوگ

۶، ۸۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۞ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ
اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۞

بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے اور اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی بدترین مخلوق ہیں۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ ان کے رب کے ہاں ان کا بدلہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہونگی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ (صلہ) اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

الْبَرِيَّة: مخلوق، جمع بَرَایا۔

عَدْن: ہمیشہ رہنا، بسنا، کسی جگہ مقیم ہونا، جنت کے ایک خاص درجے کا نام۔ مصدر ہے۔

خَشِيَ: وہ ڈرا، اس نے خوف کھایا۔ خَشْيَةٌ سے ماضی۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کر کے اہل کتاب نے خود اپنے رسول اور اپنی کتاب کا انکار کیا۔ لہذا جن اہل کتاب اور مشرکوں نے کفر وانکار کیا وہ سب ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔ بلا شبہ یہی لوگ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں ان کے برعکس جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے ایمان واعمال صالحہ کا صلہ یہ ہوگا کہ وہاں ان کے رہنے کے لئے ایسی جنتیں ہیں جن کے محلات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی نعمتیں نہ کبھی ختم ہوں گی اور نہ اس میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ ان سب نعمتوں سے بڑھ کر رضائے خداوندی کی نعمت ہوگی یعنی اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ کی رحمتوں اور انعامات سے خوش ہوں گے۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی اس شخص کو حاصل ہوگی جو دل میں اللہ کا خوف وخشیت رکھتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جنت والوں سے فرمائے گا کہ اے جنت کے رہنے والو! اہل جنت جواب دیں گے لبیک ربنا و سعدیک و الخیر کلہ فی یدیک اللہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو۔ اہل جنت عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے راضی نہ ہونے کی کیا وجہ ہے، تو نے ہمیں وہ چیزیں عطا فرمادیں جو تیری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان سے بڑھ کر چیز نہ دوں۔ اہل جنت عرض کریں گے پروردگار ان سے اعلیٰ چیز کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ آئندہ تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ متفق علیہ۔ (مظہری ۱۰/۳۱۹)

سورۃ الزلزال

وجہ تسمیہ: اس سورت میں زمین کے لرزنے (زلزلے) کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا نام الزلزال ہے۔
تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۳۵ کلمات اور ۱۴۹ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ مگر ابن مسعود و عطاء اور جابر کہتے ہیں کہ یہ مکے میں نازل ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تو نے نکاح کیا ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے نکاح نہیں کیا اور نہ میرے پاس اس قدر ہے کہ نکاح کرسکوں۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس **قل ھو اللہ** نہیں ہے اس نے کہا ہاں یہ تو ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس **اذا جـــاء** نہیں ہے اس نے کہا وہ بھی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس **قل یــا یھـا الکفرون** نہیں ہے۔ اس نے کہا ہاں ہے آپ نے فرمایا یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس **اذا زلـزلت الارض** نہیں ہے۔ اس نے کہا وہ بھی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ جا اب نکاح کرلے۔ (مواہب الرحمٰن ۶۸۱، ۶۸۲/ ۳۰، ابن کثیر ۴/۵۳۹)

جب آسمان اور زمین اور کائنات کا تمام نظام درہم برہم کردیا جائے گا اور قیامت قائم ہوگی تو ہر انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ نہ کسی کا کوئی عمل خیر ضائع ہوگا اور نہ کوئی برے عمل کی سزا سے بچ سکے گا۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں اہل سعادت اور اہل شقاوت کے اعمال و افعال اور ان کے انجام کا بیان ہے۔ اس سورت میں سعادت و شقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا گیا ہے کہ وہ نظام عالم کا درہم برہم ہونا اور قیامت کا قائم ہونا ہے۔ اس دن ہر شخص اپنے چھوٹے بڑے اور اچھے برے تمام اعمال کا بدلہ پائے گا۔

زمین کا زلزلہ

۱تا۳۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے اور زمین اپنے بوجھ (دفینے) نکال باہر کرے تو آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔

زُلْزِلَتِ: وہ زلزلہ میں آ گئی، وہ ہلائی گئی۔ زَلْزَلَۃٌ سے ماضی مجہول۔

اَثْقَالَ: بوجھ، دفینے، مردے اور خزانے مراد ہیں۔ واحد ثِقْلٌ

تشریح: قیامت کے روز زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلے سے خوب جھنجوڑ دیا جائے گا اور وہ اوپر سے نیچے تک کپکپانے لگے گی، پہاڑ اور بلند و بالا عمارتیں گر کر چورا چورا ہو جائیں گی اور زمین چٹیل میدان کی طرح بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔ دوسری آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے، (الحج:۱)

یہ زلزلہ کب آئے گا اس میں دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک نفخہ اُولیٰ سے پہلے والا زلزلہ مراد ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔ ۲۔ بعض کے نزدیک نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ مراد ہے جب مُردے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ مراد ہو کیونکہ آگے قیامت کے احوال کا بیان ہے۔

جب مذکورہ زلزلہ آئے گا تو زمین اپنے اندر کی ہر چیز یعنی خزانے، کانیں، دفینے اور مردے وغیرہ سب کچھ باہر اگل دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی لیکن مال لینے والا کوئی نہ ہو گا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر انسان ہکا بکا رہ جائے گا اور حیرت و استعجاب سے کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ کپکپانے اور تھرتھرانے لگی اور اپنے اندر کی چیزیں باہر پھینکنے لگی۔ یہ تو کبھی ہلتی جلتی نہ تھی بالکل ٹھہری اور جمی ہوئی تھی۔ اس کے باغات اور عمارتیں کہاں گئیں۔ جس مال و دولت پر انسان ایک دوسرے کے

خوں کے پیاسے اور قتل و غارت گری پر آمادہ رہتے تھے وہ سب زمین نے باہر اگل دیا ہے۔ پس زمین اور آسمان بالکل بدل جائیں گے اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ بعض کے نزدیک یہاں انسان سے مراد کافر ہے جس کو قبر سے اٹھنے کی امید ہی نہ تھی، اس لئے وہ قبر سے اٹھنے کے وقت یہ بات کہے گا۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر پاروں کو اگل دے گی۔ سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا۔ قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا۔ آج کوئی اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ اسی طرح قطع رحمی کرنے والا کہے گا اسی کی محبت میں آکر رشتے داروں سے سلوک نہیں کرتا تھا، چور کہے گا اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوائے۔ وہ مال اسی طرح پڑا رہے گا کوئی بھی اس کو نہ لے گا۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۳۲۲)

زمین کی خبریں

۴، ۸۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

اس دن یہ اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی اس لئے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں پر لوٹ آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

تُحَدِّثُ: تو بیان کرتا ہے، تو خبر دیتا ہے۔ تَحْدِیْثٌ سے مضارع۔

یَصْدُرُ: وہ نکلے گا، وہ واپس لوٹے گا، وہ ظاہر ہوگا۔ صَدْرٌ و صُدُوْرٌ سے مضارع۔

اَشْتَاتًا: الگ الگ، جدا جدا، ٹولیاں ٹولیاں۔ واحد شَتٌّ و شَتَاتٌ

تشریح: اس دن زمین صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے اس پر فلاں فلاں نافرمانی کی۔ فلاں نے فلاں جگہ زنا کیا، فلاں نے چوری کی، فلاں نے قتل کیا۔ اگر کسی نے عبادت کی ہوگی تو اس کی بھی گواہی دے گی کہ فلاں نے یہاں مجھ پر نماز پڑھی اور فلاں نے فلاں جگہ مجھ پر فلاں نیک

کام کیا وغیرہ۔ وہ یہ سب کچھ اس لئے بتائے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب کچھ بتانے کا حکم دے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ بنی آدم نے جو اعمال زمین پر کئے ہوں گے وہ تمام ظاہر کردے گی کہ فلاں فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے۔ (روح المعانی ۳۰/۲۱۰)

معجم طبرانی میں حضرت ربیعہ حرثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے احتیاط رکھو۔ یہ تمہاری ماں ہے۔ جس شخص نے بھی اس پر کوئی اچھا یا برا کام کیا ہوگا وہ سب کھول کر بیان کردے گی۔ (ابن کثیر ۴/۵۳۹)

اس دن لوگ حساب و کتاب کے بعد مقام حساب سے مختلف ٹولیوں کی صورت میں لوٹیں گے۔ کچھ دائیں طرف جنت میں جائیں گے اور کچھ بائیں سمت میں دوزخ کی طرف جائیں گے، تاکہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ پالیں جو میدان حشر میں حساب و کتاب کے بعد طے کردیا گیا ہے۔ پس جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو وہاں ضرور دیکھ لے گا اور اس کو نیکی کا بدلہ مل کر رہے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی برائی کرے گا اور اس سے توبہ نہیں کرے گا وہ یقیناً اس کو وہاں دیکھ لے گا اور اس کی سزا بھگتے گا کیونکہ انسان کو یہ بات پہلے ہی بتادی گئی تھی۔ جیسے دوسرے آیت میں ہے:

إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ

اگر تم نے بھلائی کی تو اپنے ہی نفع کے لئے کی اور اگر تم نے برائی کی تو وہ بھی اپنے ہی لئے کی۔ (الاسراء: ۷)

حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ضرور ایسی (عمومی) مغفرت فرمائے گا کہ ابلیس بھی اس کی طرف بڑھے گا اور اس کو پالینے کے قریب پہنچ جائے گا (مگر پا نہ سکے گا)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ حقیر گناہوں سے پرہیز رکھ۔ اللہ کی طرف سے ان کی باز پرس کرنے والا بھی ہوگا۔ مسلم میں حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھوڑی بھلائی کو بھی حقیر نہ سمجھو، خواہ اتنا ہی کہ اپنے بھائی سے شگفتہ روئی سے پیش آؤ۔ (مظہری ۱۰/۳۲۳۔۳۲۵)

سورۃ العٰدیٰت

وجہ تسمیہ: اس کی ابتدا والعٰدیٰت یعنی دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی قسم سے ہوئی ہے، اسی لئے اس کا نام العٰدیٰت ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں گیارہ آیتیں، ۴۰ کلمات اور ۱۶۳ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین نے اس کو مکی کہا ہے۔ ابن مسعود، جابر، حسن، عکرمہ اور عطا کا یہی قول ہے۔ ابن عباس، انس بن مالک اور قتادہ کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ حسن بصری نے مرسل روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِذَا زُلْزِلَتِ نصف قرآن کے برابر ہے اور العٰدیٰت نصف قرآن کے برابر ہے۔ سورۃ الزلزال کی طرح اس میں بھی نیکی اور بدی کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں بتایا گیا تھا کہ انسان جو بھی نیکی یا گناہ کا کام کرے گا قیامت کے روز وہ اس کا بدلہ پا کر رہے گا۔ اس سورت میں اس کی غفلت ولاپرواہی اور اپنے رب کی ناشکری کی مذموم عادت بیان کی گئی ہے۔

انسان کی ناشکری

۱، ۷۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ
لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ پھر ٹاپ مار کر چنگاریاں نکالنے والوں کی۔ پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی۔ پھر اس میں غبار اڑاتے ہیں۔ پھر فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ یقیناً انسان

اپنے رب کا ناشکرا ہے اور یقیناً وہ اس سے باخبر ہے۔

العٰدِیٰتِ: تیز دوڑنے والیاں (گھوڑے یا اونٹنیاں) عَدْوٌ سے اسم فاعل واحد عَادِیَةٌ۔

ضَبْحاً: ہانپتے ہوئے (گھوڑے)، تیز دوڑنے کی حالت میں گھوڑے کا پیٹ سے آواز نکالنا۔ مصدر ہے۔

المُوْرِیٰتِ: آگ روشن کرنے والے، پتھر پر ٹاپ مار کر آگ نکالنے والے (گھوڑے)۔ اِیْرَاءٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُوْرِیَةٌ

قَدْحاً: چقماق کو مار کر آگ نکالنا۔ گھوڑے کا ٹاپ مار کر آگ نکالنا۔ مصدر ہے۔

المُغِیْرٰتِ: غارت کرنے والیاں، شب خون مارنے والے (جنگی گھوڑے)۔ یہاں مجاہدین کی وہ فوجیں مراد ہیں جو صبح کے وقت دشمن پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ اِغَارَةٌ سے اسم فاعل۔

اَثَرْنَ: وہ اڑاتے ہیں، وہ اٹھاتے ہیں۔ اِثَارَةٌ سے ماضی۔

نَقْعاً: دھول، غبار۔

فَوَسَطْنَ: وہ بیچ میں گھس گئیں۔ سِطَةٌ و وَسْطٌ سے ماضی۔

کَنُوْدٌ: بڑا ناشکرا، کافر، بخیل۔ کُنُوْدٌ سے مبالغہ۔

تشریح: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات وصفات کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں دو باتیں کہی ہیں، ۱۔ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا بڑا ناشکرا ہے۔ مصیبتوں اور تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے، ۲۔ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً وعقلاً مذموم ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر خاص واقعات اور احکام بیان فرمائے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ قرآن کریم میں جب کسی چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان کیا جاتا ہے تو اس چیز کو اس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور وہ چیز گویا اس مضمون کی شہادت دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر اس بات کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

میدان جنگ میں گھوڑے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر انسان کے حکم کے تابع نہایت سخت خدمات انجام دیتے ہیں۔ حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا اور نہ وہ چارہ اور دانہ

اس نے پیدا کیا جو وہ ان گھوڑوں کو کھانے کے لئے دیتا ہے۔ انسان تو صرف اللہ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان گھوڑوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اب ذرا گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کا کیسا خیال رکھتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل انسان کو دیکھئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت عطا کی، عقل و شعور دیا اور اس کے کھانے پینے کے لئے ہر چیز پیدا کی۔ وہ ان تمام انعامات و احسانات سے دن رات فائدہ اٹھاتا ہے لیکن ان پر نہ تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ اس کی فرماں برداری کرتا ہے۔ یہ بات وہ خود بھی جانتا ہے اور اس کا طرز عمل بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ پس انسان کو ان گھوڑوں سے سبق سیکھنا چاہئے کہ اس کا بھی کوئی مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، لیکن یہ بڑا ناشکرا ہے کہ ایک گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھاتا۔

حرص اور مال کی محبت

۱۱۰۸- وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝

یقیناً وہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں سے مردے اٹھائے جائیں گے اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کردی جائیں گی۔ بیشک اس دن ان کا رب ان (کے حال) سے پوری طرح باخبر ہوگا۔

الخَيرُ: مال، نیکی، بھلائی، پسندیدہ۔ جمع اَخیَارٌ۔

بُعْثِرَ: وہ زندہ کیا گیا، وہ اٹھایا گیا۔ بَعْثَرَۃٌ سے ماضی مجہول۔

حُصِّلَ: وہ حاصل کیا گیا، وہ ظاہر کیا گیا۔ تَحْصِیْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: مال کی حرص اور محبت نے انسان کو فکر آخرت سے بیگانہ بنا دیا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے خالق و مالک کو فراموش کر رکھا ہے اور اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ مال کا کسب و اکتساب اور بہ قدر

ضرورت حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، اس لئے اس سے کام لینا مذموم نہیں بلکہ دل میں اس کی محبت ہونا اور اس کی وجہ سے مالک حقیقی سے غافل ہونا مذموم ہے۔ اس لئے اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ بقدر ضرورت مال حاصل بھی کرے، اس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اس سے کام بھی لے مگر اس کا دل مال کے ساتھ مشغول نہ ہو۔

پھر انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اس غافل انسان کو معلوم نہیں کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب قیامت کے روز مُردے زندہ کر کے قبروں سے اٹھا لئے جائیں گے اور ان کو میدان حشر میں جمع کر دیا جائے گا۔ اس وقت دلوں میں چھپی ہوئی باتیں کھل کر سامنے آجائیں گی اور انسان دیکھ لے گا کہ وہ کیسا ہولناک دن ہے جس سے وہ دنیا میں غافل رہا اور اس کی تکذیب کرتا رہا۔ اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جس مال کی محبت میں وہ اللہ کی ناشکری اور نافرمانی کرتا رہا وہ اس کے ذرا کام نہ آیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کے حالات و اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اس لئے وہ اعمال کے مطابق ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۰۳، ۸۰۴/ ۸)

سورۃ القارعہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ القارعہ (کھڑکھڑا دینے والی) سے ہوئی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام القارعہ ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں گیارہ آیتیں ۳۶ کلمات اور ۱۵۲ احروف ہیں۔ یہ سورت بلا خلاف مکیہ ہے۔ القارعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ عام مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس میں بھی اثبات قیامت اور حشر ونشر کے احوال کا بیان ہے، تا کہ انسان غفلت سے نکل کر آخرت کی فکر کرے۔

قیامت کے احوال

۱،۵۔ اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵

کھڑکھڑا دینے والی (قیامت)۔ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے اور (اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔ اس دن لوگ پتنگوں کی طرح منتشر ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے۔

القَارِعَةُ: کھڑکھڑانے والی، قیامت، بڑا حادثہ۔ قَرْعٌ سے اسم فاعل۔

الفَرَاشِ: پتنگے، پروانے، ٹڈیاں۔ واحد فَرَاشَةٌ۔

المَبْثُوْثِ: پریشان، بچھے ہوئے، منتشر۔ بَثٌّ سے اسم مفعول۔

العِهْنِ: رنگین اون۔ جمع عُهُوْنٌ

المَنْفُوْشِ: دھنا ہوا۔ نَفْشٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں جیسے حاقہ، طامۃ وغیرہ۔ انہی میں سے قارعہ ہے۔ قیامت ایسی عظیم الشان اور ہولناک چیز ہے کہ تم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی ہیبت انسانی تصور سے بہت بلند اور بالا ہے۔ اس لئے کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیسی ہول ناک ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس دن لوگ پروانوں کی طرح منتشر، پراگندہ، حیران و پریشان ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ جیسے دوسری جگہ ہے:

يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝

وہ قبروں سے اس طرح نکل پڑیں گے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی ہو۔ (القمر ۷)

پروانوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ اس دن تمام اولیں و آخرین میدان حشر میں جمع ہوں گے تو ان کی تعداد بہت کثیر ہوگی، جیسے بارش کے بعد پتنگے زمین سے نکل کر کثیر تعداد میں فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دن ہر شخص پتنگوں کی طرح ضعیف و عاجز ہوگا اور بے تابانہ ادھر ادھر پھر رہا ہوگا۔

اس دن پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی روئی یا رنگین اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔ رنگین اس لئے کہا گیا کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں مثلاً سفید، سرخ، سبز، زرد اور سیاہ وغیرہ۔ جب یہ ریزہ ریزہ ہوکر اڑیں گے تو مختلف رنگ ہوں گے۔ جب قارعہ کے اثر سے پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی تو اس سے اندازا کیا جا سکتا ہے کہ خود انسان کا کیا حال ہوگا۔

اعمال کا وزن

۶، ۱۱۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

پھر جس (کے نیک اعمال) کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہوگا۔ اور تجھے کیا معلوم وہ کیا ہے، وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اُمُّهٗ: اس کا ٹھکانا، اس کی ماں۔

ھَاوِیَةٌ: دوزخ کے ایک درجے کا نام، گڑھا۔

حَامِیَةٌ: دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی۔ حَمْیٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس بدحواسی اور اضطرار کے عالم میں میدان حشر میں انسانوں کے اعمال کا وزن اور حساب ہوگا اور ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہوجائے گا۔ جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ جائیں گی وہ عیش و آرام کی جنت میں داخل ہوجائے گا جہاں اس کو ہر پسندیدہ اور مطلوب چیز ملے گی۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا اور اس کی برائیاں نیکیوں پر چھا جائیں گی تو وہ اوندھے منہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جا گرے گا۔

یہ جہنم ان بدنصیبوں کے لئے ہوگی جن کے پاس نہ ایمان ہوگا اور نہ عمل صالح اور نہ اس میں اخلاص۔ چونکہ آخرت کی ترازو میں وزن نہیں تولا جاتا بلکہ اس میں ایمان و اخلاص کا وزن کیا جاتا ہے اس لئے جن کے پاس ایمان نہیں ہوگا ان کے اعمال کا کچھ بھی وزن نہیں ہوگا جیسے ارشاد ہے:

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکہف: ۱۰۵)

پس قیامت کے روز ہم ان (کے اعمال) کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

اس کے برعکس اہل ایمان اور نیک لوگوں کے اعمال و اخلاص کے وزن سے ترازو جھک جائے گی جس کے نتیجے میں ان کو نجات اور کامیابی حاصل ہوگی۔ اور جنت میں ان کو پسندیدہ اور محبوب زندگی ملے گی یہی حقیقی فلاح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ آگ جس کو تم جلاتے ہو جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلاکت کے لئے تو یہی کافی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن دوزخ کی آگ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔
(ابن کثیر ۴/۵۴۴،۵۴۳)

سورۃ التکاثر

وجہ تسمیہ: اس کی ابتدا میں لفظ التکاثر یعنی کثرت کی طلب آیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام التکاثر ہے۔ اس کو المقبرہ بھی کہتے ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۲۸ کلمات اور ۱۲۰ حروف ہیں۔ یہ سورت سب کے نزدیک ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایک دن میں ہزار آیتیں نہیں پڑھ سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم الھکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔ (مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۷۰۰، ۷۰۲)

اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی ساری زندگی مال و اولاد کی فکر میں برباد کر دیتا ہے اور مرتے دم تک اسی میں لگا رہتا ہے، آخرت کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ پھر مرنے کے بعد جب آنکھیں کھلتی ہیں تو پچھتاتا ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں انسان کو قیامت میں پیش آنے والے ہولناک حوادث سے آگاہ کیا گیا تھا۔ اس سورت میں انسان کی آخرت سے غفلت کے اسباب بتائے گئے ہیں۔

مال و دولت کی حرص پر وعید

۱، ۲۔ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢

کثرت مال کی ہوس نے تمہیں غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔

اَلْهٰى: اس نے غفلت میں رکھا۔ اِلْهَاءٌ سے ماضی۔

شان نزول: قتادہ نے کہا کہ یہودی اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم فلاں قبیلے سے زیادہ ہیں۔ اسی شیخی بازی نے مرتے دم تک ان کو (اعتراف حق اور اطاعت سے) باز رکھا۔ کلبی نے کہا کہ یہ آیات قریش کے قبائل کے حق میں نازل ہوئیں۔ بنی عبد مناف اور بنی سہم میں سے ہر قبیلے نے کہا

ہم میں سردار اور عزت مند آدمی تم سے زیادہ ہیں اور ہماری تعداد بھی تم سے زیادہ ہے۔ گنتی کی تو بنی عبد مناف زیادہ نکلے۔ پھر کہنے لگے اب ہم اپنے مردوں کو شمار کریں گے۔ چنانچہ قبرستان جا کر مردوں کو شمار کیا تو بنی سہم کی تعداد کے تین گھر بڑھ گئے، کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۳۳/۱۰)

تشریح: مال و اولاد اور کنبہ وقبیلہ کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص نے تمہیں اللہ کی عبادت، آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے غافل کر دیا ہے۔ بس دن رات یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو جائے اور میرا کنبہ اور جماعت دوسروں کے کنبوں اور جماعتوں پر غالب رہے، یہاں تک کہ تمہیں اسی حالت میں موت آجاتی ہے اور تم قبرستان پہنچ جاتے ہو۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن شخیر فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ الھکم التکاثر پڑھ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اس میں تیرا حصہ تو اتنا ہی ہے جس کو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے اپنے آگے بھیجدیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے، تو اس کو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۰۹/۸)

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے پاس ایک وادی سونے سے بھری ہوئی موجود ہو تو وہ (اس پر قناعت نہیں کرے گا بلکہ) چاہے گا کہ ایسی دو وادیاں ہو جائیں اور اس کے منہ کو تو (قبر کی) مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع ہو۔

(مسلم ۲/۱۱۰، رقم ۱۰۴۸، بخاری کتاب الرقاۃ باب ۱۰)

غفلت کا انجام

۳، ۸۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝

خبردار! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر خبردار! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ کاش تم یقینی طور پر جان لیتے کہ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے اور تم اسے بالیقین دیکھو گے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

تشریح: قیامت کے روز جب تمہیں عذاب دیا جائے گا تو تم اس تفاخر و تکاثر کے برے انجام کو جان لو گے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مال و اولاد کی بہتات کام آنے والی چیز نہیں اور نہ یہ فخر و مباہات کے لائق ہے۔ اصل زندگی اور عیش و راحت تو آخرت ہی کا ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر تمہیں قیامت کے حساب و کتاب کا یقین ہوتا تو تم اس تکاثر اور تغافل میں نہ پڑتے بلکہ ہمہ تن آخرت کی تیاری میں لگے رہتے۔ مگر افسوس انسان اسی طرح غفلت و جہالت میں زندگی گزار دیتا ہے۔ لہٰذا جب موت کے وقت تمہیں آخرت کا یقینی علم حاصل ہوگا تو تم جہنم کو خود دیکھ لو گے۔ لیکن تلافی مافات کا وقت جا چکا ہوگا، اس لئے اس وقت کا جاننا کچھ نفع نہ دے گا۔

پھر فرمایا کہ یہی نہیں کہ تم دور سے دیکھ لو اور وہ تمہیں نظر آ جائے بلکہ تم اس دوزخ کو آنکھوں کے مشاہدے اور یقین کے ساتھ دیکھو گے اور تمہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہے گا۔ تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث اسی جہنم میں داخل ہو گے اور اس کا مزہ چکھو گے۔ پھر اس روز تم سے یقیناً ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اللہ کی طرف سے دنیا میں تمہیں دی گئی تھیں کہ تم نے ان کا شکر کیوں نہیں کیا۔ (معارف القرآن ۸۰۹، ۸/۸۱۰، مظہری ۳۳۴، ۱۰/۳۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن نعمتوں کے سوال میں سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی اور ہم تجھے ٹھنڈے پانی سے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے؟ (ابن کثیر ۴/۵۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پل صراط سے بندے کے قدم نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے چار باتوں کے متعلق باز پرس نہیں کر لی جائے گی۔ ۱۔ عمر کن کاموں میں ختم کی ۲۔ جسم کس کام میں دبلا کیا۔ ۳۔ اللہ نے جو علم اس کو دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا ۴۔ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ (مظہری ۱۰/۳۳۶)

سورۃ العصر

وجہ تسمیہ: یہ سورت العَصر (زمانہ) کی قسم سے شروع ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام العصر ہے
تعارف وخلاصہ: اس میں تین آیات ۱۴ کلمات اور ۶۸ حروف ہیں، جمہور علماء کے مطابق یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بے شمار علوم اور دین ودنیا کے منافع ہیں۔

دین ودنیا کا خسارہ

۱، ۲۔ وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿۲﴾

اور قسم ہے زمانے کی۔ بیشک انسان خسارے میں ہے۔

تشریح: قرآن کریم کی یہ سورت نہایت مختصر اور ایسی جامع ہے کہ بقول امام شافعی رحمہ اللہ، اگر لوگ اسی سورت کو غور وتدبر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین ودنیا کی درستی کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے زمانے کی جس میں یہ انسان زندہ ہے کہ یہ ایک نہایت قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سرمایہ دے کر انسان کو ایمان اور نیکی کی تجارت کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کی طرح ہر لحہ خود بخود پگھلتا جا رہا ہے۔ اگر اس نے ایمان اور نیک عمل کی بجائے برا سودا خریدا یا کچھ بھی نہیں خریدا، تب بھی انسان خسارے میں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس قیمتی وقت کی قسم کھائی جس کو انسان گناہوں اور فانی لذتوں میں صرف کرتا ہے یا یونہی لہو ولعب میں ضائع کر دیتا ہے۔ انسان بڑے خسارے میں ہے کیونکہ اس کی عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے۔ اگر اس مختصر عمر میں سے لڑکپن، بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ نکال دیا جائے تو نیکیوں کے لئے بہت ہی کم وقت بچتا ہے۔ اگر انسان اس کو بھی غفلت، دنیا طلبی اور لہو ولعب میں گزار دے تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔ دنیا میں ہر خسارے کی تلافی ممکن ہے لیکن اس خسارے کی تلافی کا کوئی امکان نہیں۔

والعصر کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اب وقت ہی نہیں رہا کہ کوئی اور نبی آئے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہے۔ اگر اب بھی کوئی ہدایت پر نہ آئے تو وہ ازلی بدنصیب ہے کیونکہ کاروبار دنیا ختم ہونے والا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح (ساتھ لگے ہوئے) ہیں اور آپ نے اپنی انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی۔

عصر کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک عصر سے مطلق زمانہ مراد ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت و حکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

۲۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عصر سے دن کا آخری حصہ یعنی زوال سے غروب تک کا وقت مراد ہے۔ اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع یا نقصان دن کے آخری حصے میں ظاہر ہوتا ہے نیز دن کا آخر ایک عظیم انقلاب کی تمہید ہے یعنی دن کا جانا اور رات کا آنا، اس میں اشارہ ہے کہ اے انسان تیری زندگی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا ہے۔ اس لئے تو اپنی اس تجارت میں سرگرم ہو جا جو آخرت میں کام آئے، ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت ﷺ کا زمانہ مراد ہے جو بڑا مبارک زمانہ ہے جس میں آخرت کی تجارت کا بازار بڑا گرم تھا۔ اس میں جس نے سعادت کی طرف توجہ کی اس نے سلطنت آسمانی حاصل کر لی۔ اور جس نے برا سودا کیا اور کفر و بدکاری خریدی اس نے نقصان کے سوا کچھ نہ پایا۔

۴۔ بعض کے نزدیک اس سے نماز عصر کی قسم مراد ہے۔ اس کی قسم اس لئے کھائی کہ یہ آخرت کی تجارت کا ایک خاص وقت ہے۔ نیز دنیاوی کاروبار میں مصروف ہونے کا بھی وقت ہے۔ اس کے علاوہ یہ دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے۔ اس کے بعد رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے۔

(حقانی ۴۷۳، ۴۷۴/ ۵)

خسارے سے محفوظ لوگ

۳۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور باہم حق پر قائم

رہنے کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

تشریح: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، اپنے قول وفعل سے ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو یہ نصیحت و وصیت کرتے رہے کہ حق کے معاملے میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں ان کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کریں، وہ لوگ اس خسارے سے محفوظ ہیں جو اوپر مذکور ہوا۔

پس اس خسارے سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا یعنی دل سے اللہ کے ایک ہونے کی تصدیق اور اس کے تمام رسولوں، فرشتوں، کتابوں اور قیامت پر ایمان لائے، ۲۔ اعمال صالحہ، ۳۔ ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید، ۴۔ ایک دوسرے کو سختیوں پر صبر و برداشت کی وصیت ونصیحت۔

ان میں سے پہلی دو باتیں اپنی ذات کی اصلاح کے لئے ہیں اور آخری دو باتیں دوسروں کی اصلاح سے متعلق ہیں۔ جتنا اپنے عمل کو قرآن وسنت کے تابع کر لینا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو بھی ایمان و عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا۔ خصوصاً اپنے اہل وعیال اور احباب و متعلقین کے برے اعمال سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۱۴/۸)

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کے سامنے کوئی برا عمل آئے تو اس کو اپنے ہاتھ (کی قوت) سے بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے ہی روک دے، اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے ہی (برا جانے) اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔

ابو داؤد نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جس قوم کے درمیان گناہ کئے جاتے ہوں اور وہ (ان کو) بدلنے (روکنے) کی طاقت بھی رکھتے ہوں مگر نہ روکیں تو خوب سن لو عنقریب ان پر عمومی وبال آئے گا۔ (مظہری ۳۳۷/۱۰)

سورۃ الہمزہ

وجہ تسمیہ: اس کا نام ہُمزہ (طعنہ دینا) ہے۔ یہ لفظ سورت کے شروع میں آیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام ہُمزہ ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۹ آیات، ۳۰ کلمات اور ۱۳۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ اس میں طعن و تشنیع اور عیب جوئی کی مذمت اور جہنم کی آگ کی شدت و ہیبت کا بیان ہے۔

طعنہ زنی کی مذمت

۱، ۳۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ ۝

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو طعنہ دیتا اور عیب جوئی کرتا ہے، جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔

وَيْلٌ: ہلاکت ہے، بڑی خرابی ہے، جہنم کی ایک وادی کا نام، کلمۂ زجر وعذاب ہے۔

هُمَزَةٍ: بڑا عیب گو، بہت طعن کرنے والا۔ هَمْزٌ سے مبالغہ۔

لُمَزَةٍ: بہت غیبت کرنے والا، عیب۔ طعنہ، لَمْزٌ سے مبالغے کے معنیٰ میں صفتِ مشبہ۔

اَخْلَدَ: وہ ہمیشہ رہا، وہ سدا رہا۔ اِخْلَادٌ سے ماضی

تشریح: گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا۔ ۲۔ حقوق العباد کا خیال نہ رکھنا جیسے کسی کا حق ادا نہ کرنا۔ بلا وجہ کسی کو تکلیف و ایذا پہنچانا۔ دل آزاری کرنا وغیرہ۔ یہ گناہ توبہ و استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے بلکہ یہ اسی صورت میں معاف ہو سکتے ہیں، جب وہ شخص معاف کردے جس کو ایذا دی گئی یا جس کا حق مارا گیا۔ نیز ایسے افعال قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا اور فساد کا دروازہ کھلتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے غیبت کو اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی

ہے۔ اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا، ٹھٹھا کرنا، مضحکہ اڑانا، رذیلہ اخلاق اور خسارے کا باعث ہیں۔ ان سب سے اجتناب ضروری ہے۔

مشرکین مکہ اس عادت بد میں مبتلا تھے خاص طور پر ولید بن مغیرہ، اخنس بن شریق، امیہ بن خلف وغیرہ۔ یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ہنسانے کے لئے غریب و نادار لوگوں کی نماز اور عبادت کی نقلیں اتارتے تھے اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے۔ سو اس سورت میں بڑے پر اثر الفاظ میں اخلاق رذیلہ کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ہر اس شخص کے لئے بڑی ہلاکت اور تباہی ہے جو پس پشت طعنہ دینے والا اور عیب جوئی کرنے والا ہو۔ یہ بری عادت جو کافروں میں رائج تھی اب مسلمانوں نے اختیار کر لی ہے۔ اب دوسروں پر طعن و تشنیع کرنا، ان کا تمسخر اڑانا اور لوگون کی دل آزاری کرنا عام ہے۔

پھر فرمایا کہ ایسا بد باطن اور کمینہ خصلت آدمی جو حرص اور لالچ کی بناء پر مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے کہ کہیں کوئی پیسہ کم نہ ہو جائے، نہ بھلائی کے کام میں خرچ کرتا ہے اور نہ زکوٰۃ و خیرات کرتا ہے بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا۔ وہ دولت مند ہونے کی وجہ سے کبھی نہیں مرے گا اور نہ قیامت میں اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ (حقانی ۴۷۹، ۴۸۰/۵)

بہز بن حکیم کی رُوایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے اس کی جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ خرابی ہے اس کی خرابی ہے اسکی۔

(ابوداؤد ۳۲۵/۴، رقم ۴۹۹۰، ترمذی ۱۴۲/۴، رقم ۲۳۲۲، مستدرک ۱۰۸/ ارقم ۱۴۲)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی کا اپنے بھائی کے متعلق ایسی باتیں بیان کرنا جو اسے ناگوار ہوں۔ ایک شخص نے عرض کی کہ اگر اس میں واقعی وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم جو کچھ کہتے ہو اگر وہ واقعی اس میں موجود ہے تو یہ غیبت ہوگی اور اگر اس میں وہ بات نہ ہو جو تم کہہ رہے ہو تو یہ بہتان ہوگا۔

(مسلم ۱۸۱/۴، رقم ۲۵۸۹، ترمذی ۳۷۵/۳، رقم ۱۹۴۱، ابوداؤد ۲۹۰/۴، رقم ۴۸۷۴)

اللہ کی سلگائی ہوئی آگ

۴۔۹۔ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ
الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝
فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

ہرگز نہیں! وہ تو حطمہ (روندے والی) میں پھینکا جائے گا اور تجھے کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی دہکائی ہوئی ایک آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ اس میں بند کئے جائیں گے۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں (کی صورت) میں ہوں گے۔

يُنْبَذَنَّ: اس کو ضرور پھینکا جائے گا۔ نَبْذٌ سے مضارع مجہول۔

حُطَمَة: توڑ پھوڑ دینے والی، روندے والی، جہنم کے ایک طبقے کا نام۔ حَطْمٌ سے مبالغہ۔

مُوْقَدَةُ: بھڑکائی ہوئی، دہکائی ہوئی، اِيْقَادٌ سے اسم مفعول۔

مُوْءُ صَدَةٌ: بند کی ہوئی۔ اِيْصَادٌ سے اسم مفعول۔

عَمَدٍ: ستون، کھمبے۔ واحد عُمُوْد۔

مُمَدَّدَةٍ: طویل کی ہوئی، کھینچی ہوئی۔

تشریح: دنیا میں دو قسم کے انسان ہیں۔ ایک اہل ایمان جو مال اور متاع دنیا سے محبت نہیں رکھتے بلکہ مال و متاع کو طاعت الٰہی میں صرف کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی رضا اور جنت حاصل ہو۔ دوسرے کفار و مشرکین ہیں جو آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے دنیا کی زندگی کو اختیار کیا۔ وہ اس کے سوا کسی اور زندگی کے قائل نہیں اسی لئے وہ دنیاوی مال و متاع پر جان دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کا یہ خیال کہ وہ ہمیشہ اسی دنیا میں رہے گا محض حماقت اور غفلت ہے۔ قیامت کے روز اس کو دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ پھر اس کو اس کی حرص و طمع اور بداعمالیوں کے وبال میں چورا چورا کر دینے والی حطمہ (بھڑکتی ہوئی آگ) میں جھونک دیا جائے گا۔ اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ وہ حطمہ کیسی شدید اور ہولناک چیز ہے۔ اس کی

شدت نا قابل تصور ہے۔ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے اس لئے اس کو کوئی نہیں بجھا سکتا۔ وہ ایسی آگ ہے کہ بدن کو جلاتی ہوئی دلوں تک پہنچ جائے گی۔ دنیا کی کوئی آگ بدن کو جلا کر دل تک نہیں پہنچتی اور نہ ہی اس کی نوبت آتی ہے کہ آگ انسان کے بدن کو جلا دے اور اس کے شعلے دلوں پر ظاہر ہوں، بلکہ اس سے قبل ہی آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے، مگر حطمہ کی آگ بدن کو جلاتی ہوئی دلوں پر ظاہر ہوگی اور اس کے شعلے دلوں کے اوپر بھڑک رہے ہوں گے۔

پھر وہ آگ ان کو ہر طرف سے اس طرح ڈھانپ لے گی جیسے کسی چیز کو سر پوش میں ڈھانک دیا جاتا ہے۔ نہ اندر کا گرم سانس باہر نکلنے دے گی اور نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دے گی۔ ان کے لئے یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ تڑپ کر یا پھڑک کر باہر نکل جائیں، کیونکہ وہ بڑے بڑے آتشیں ستونوں میں ایسے جکڑے ہوئے ہوں گے کہ ہل بھی نہ سکیں گے۔ (حقانی ۴۸۱، ۴۸۲/ ۵، مظہر ۳۳۹، ۳۴۰/ ۱۰)

سورۃ الفیل

وجہ تسمیہ: اس میں اصحاب فیل کا واقعہ مذکور ہے، اسی لئے اس کا نام الفیل ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں پانچ آیات، ۲۰ کلمات اور ۹۶ حروف ہیں۔ یہ سورت بلا خلاف مکی ہے۔ اس میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعات کے سال مکہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیجے جو ان پر کنکریاں مارتے تھے، جس سے وہ جانوروں کے چبائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو جاتے تھے۔ سورۂ فیل کے نزول کے وقت مکہ میں اصحاب فیل کا واقعہ دیکھنے والے بہت سے لوگ موجود تھے، اور بعض کنکریاں بھی بعض صحابہ کے پاس موجود تھیں۔ خطیب نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی باقی نہ تھا جس نے ہاتھیوں کے قائد اور سائس کو نہ دیکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مدت تک ان دونوں کو اسی حالت پر زندہ رکھا۔

(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۷۳۹)

اصحاب فیل کا انجام

۱، ۵۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا ان کی تدبیر کو ناکام نہیں بنایا اور ان پر پرندوں کے غول بھیج دیئے جو ان پر کنکریلی پتھریاں پھینک رہے تھے۔ سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔

اَلْفِيْلِ: ہاتھی۔ اسم جنس ہے۔

كَيْدَ: خفیہ تدبیر، مکر، فریب، مصدر۔ واسم۔

تَضْلِيْلٍ: گمراہ کرنا، بے راہ کرنا، بہکانا۔ مصدر ہے۔

اَبَابِيْلَ: غول کے غول (پرندوں کے)، جھنڈ کے جھنڈ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد نہیں آتا۔

سِجِّيْلٍ: کنکر، آگ میں پکی ہوئی مٹی سے بنے ہوئے کنکر، سنگ گل سے معرب۔

عَصْفٍ: بھوسا، چھلکا۔ واحد عَصْفَةٌ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحاب فیل کا کیا حشر کیا جو ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لیکر بیت اللہ پر حملے کے لئے آرہے تھے تا کہ ہاتھیوں کی مدد سے بیت اللہ کو منہدم کردیں سو آپ کے دشمنوں کے ساتھ بھی وہی کیا جائے گا جو اصحاب فیل کے ساتھ کیا گیا۔ یہاں اصحاب الفیل سے ابرہہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ ضحاک نے کہا کہ ابرہہ کے ساتھ آٹھ ہاتھی تھے۔ بعض نے کہا کہ ۱۳ ہاتھی تھے اور ان میں سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ واقعہ فیل ۲۲ محرم کو اتوار کے دن ہوا بعض علماء نے اس کو متفق علیہ قول قرار دیا ہے۔ اس سال واقعہ فیل کے تقریباً دو ماہ بعد ربیع الاول کے مہینے مین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ چال اور تدبیر جو انہوں نے بیت اللہ کو ڈھانے کے لے کی تھی ناکام اور باطل کردی، اور ان کو ایسا تباہ و برباد کردیا کہ ہر شخص پر ظاہر ہوگیا کہ وہ گمراہ اا ور خطاوار تھے۔ ان کو سزا دینے کے لئے اللہ نے ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دئے جو ان پر جہنم کی کنکریاں مار رہے تھے۔ یہ کنکریاں کھنگر کی بنی ہوئی تھیں یعنی جو مٹی آگ میں پک کر کھنگر بن جائے یہ کنکریاں اس کھنگر کی بنی ہوئی تھیں۔ پرندوں کا ایک غول پتھریاں مارتا ہوا چلا تا جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا۔ یہ کنکریاں اصحاب فیل پر گولیوں کی طرح برس رہی تھیں۔ جس شخص پر کنکری گرتی اس کے جسم سے پار ہوجاتی تھی اور وہ اپنی حسرتوں کو ساتھ لے کر واصل جہنم ہوجاتا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح چورا چورا کردیا، جیسے گائے بیل چارہ کھانے کے بعد کچھ پراگندہ اور منتشر اجزا چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ غلاف کی طرح جو چھلکا گیہوں کے دانے پر ہوتا ہے وہ عصف ہے اور ماکول سے مراد جانوروں کا کھایا ہوا۔

اس طرح اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت قاہرہ سے ہاتھیوں جیسے طاقتور لشکر کو معمولی پرندوں اور چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے ہلاک کر کے نشان عبرت بنادیا (مظہری ۳۴۱، ۳۴۵/۱۰)

واقعے کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

اصحابِ فیل کا واقعہ: یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن دن پہلے پیش آیا۔ ابن کثیر نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یمن پر قوم حمیر کا قبضہ تھا اور ان کا آخری بادشاہ ذونواس تھا جو یہودی ہوگیا تھا۔ پھر قیصر روم کے حکم پر شاہ حبشہ نے اپنا عظیم لشکر دو امیروں ارياط اور ابوایکسوم ابرہہ بن الصباح حبشی کی قیادت میں یمن بھیج دیا جس نے پورے یمن کو قوم حمیر سے آزاد کرالیا۔ ذونواس نے شکست کھائی اور فرار ہوتے ہوئے دریا میں غرق ہوگیا اس طرح یمن کی بادشاہت ارياط اور ابرہہ میں مشترک ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد دونوں میں اختلاف ہوا اور مقابلے میں ارياط ہلاک ہوگیا اور شاہ حبشہ نے ابرہہ کو یمن کا گورنر مقرر کر دیا۔

یمن اور دیگر ممالک کے لوگ حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ابرہہ نہایت بد باطن اور کمینہ خصلت تھا۔ اس نے بیت اللہ کی رونق کم کرنے کے لئے یمن کے دارالخلافہ صنعاء میں ایک عالیشان کنیسہ تعمیر کیا اور مملکت میں اعلان کرادیا کہ اب کوئی بیت اللہ کے حج کے لئے نہ جائے بلکہ اس کنیسہ کا حج کرے جو مسیح کے نام سے ہے۔ اس اعلان سے عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ادھر قریش کے ایک مسافر قبیلے نے کنیسہ کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی جو تیز ہوا کے سبب اڑ کر کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچا۔ اطلاع ملتے ہی ابرہہ غیض و غضب سے بھڑک اٹھا اور اس نے قسم کھائی کہ میں فوج کشی کر کے ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ پھر وہ ایک عظیم لشکر لے کر جس میں نو یا تیرہ ہاتھی تھے بیت اللہ کے انہدام کے لئے روانہ ہوگیا۔

عربوں کو جب حملے کی خبر ملی تو پورا عرب مقابلے کے لئے تیار ہوگیا۔ چونکہ عربوں میں اتفاق و اتحاد نہ تھا اس لئے ہر قبیلے نے تنہا مقابلے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پہلے ذونفر نامی سردار نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گرفتار ہوگیا۔ پھر قبیلہ خشعم سے مقابلہ ہوا اور وہ بھی شکست کھا گئے۔ پھر وہ مکہ کے قریب مقام مغمس میں پہنچ گیا۔ یہاں قریش کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے لشکر نے

حملہ کر کے اونٹ پکڑ لئے۔ ان میں دو سو اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے اپنا ایک سفیر حناطہ حمیری مکہ شہر میں بھیجا، تاکہ وہ قریش کے سرداروں کو مطلع کر دے کہ بادشاہ تم سے جنگ کرنے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد صرف کعبہ ڈھانا ہے۔ اگر تم روکو گے تو لڑائی ہوگی اور تم سب مارے جاؤ گے۔ حناطہ نے مکہ پہنچ کر عبدالمطلب کو ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ عبدالمطلب نے حناطہ کو جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے، کیونکہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ہم اس کا مقابلہ کر سکیں البتہ یہ سن لو کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اگر اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو پھر جو چاہو کرو اور دیکھو اللہ کیا معاملہ کرتا ہے۔

حناطہ عبدالمطلب کو ساتھ لیکر ابرہہ کے پاس آیا۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعے بات کی تو عبدالمطلب نے کہا کہ میں تو صرف اس لئے آیا ہوں کہ بادشاہ کے لشکریوں نے جو میرے دو سو اونٹ پکڑ لئے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ یہ سنکر ابرہہ کہنے لگا کہ آپ نے مجھے تعجب میں ڈال دیا۔ آپ صرف اپنے اونٹوں کی بات کر رہے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے، آپ نے اس کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے میں نے اونٹوں کا سوال کیا۔ بیت اللہ کا مالک رب جلیل ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا تمہارا خدا اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

عبدالمطلب اونٹ لیکر واپس آئے اور اہل قریش کو حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جائیں اور خود بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کے لئے اپنے عظیم الشان ہاتھی محمود کو تیار کیا جو سب سے بڑا تھا۔ جسامت اور قوت کے اعتبار سے اس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی۔ محمود کسی طرح بھی مکہ کی طرف چلنے پر راضی نہ ہوا تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ لشکر سے علیحدہ ہو کر ہولناک آوازیں نکالتا ہوا دوسری سمت میں چل دیا۔ پھر انہوں نے دوسرے ہاتھی کو تیار کیا۔ وہ ہمت کر کے چلنے پر تیار ہوا ہی تھا کہ عذاب الٰہی آ گیا اور جدہ شہر کی طرف سے جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے پرندوں کے غول کے غول آتے دکھائی دیئے۔ ہر

پرندے کے پاس تین کنکریاں تھیں ایک چونچ میں دو پنجوں میں یہ کنکریاں چنے اور مسور کے برابر تھیں۔ ایک غول کے بعد دوسرا غول آتا تھا اور کنکریاں پھینکتا تھا۔ یہ عجیب وغریب پرندے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے کبوتر سے چھوٹے تھے اور ان کے پنجے سرخ تھے۔ کنکری جس پر پڑتی تھی خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف وہ ہاتھی رہ گیا جو محمود کے بعد حملے کے لئے آمادہ ہوا تھا۔ یہ ہاتھی کنکری لگنے سے ہلاک ہوا، بہت سے لوگ تو اسی وقت مر گئے باقی مختلف اطرف میں بھاگتے ہوئے راستے میں مر مر کر گرتے گئے۔ اور بہت سے لوگوں کے اعضا ایک ایک کر کے گل کر گرتے گئے اور مرتے گئے۔ ابرہہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اس کے اعضا بھی ایک ایک کر کے گلنا شروع ہوئے یہاں تک کہ بلاد خثعم میں پہنچ کر مر گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ۵۴۹۔۵۵۲/۴۔ ابن ہشام ۶۱، ۷۰/۱، زرقانی ۸۳۔۸۸/۱، تفسیر مظہری ۳۴۲/۱۰)

سورۃ القریش

وجہ تسمیہ: اس سورت میں قریش کا ذکر ہے، اس لئے اس کا نام القریش ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں چار آیات ۱۷کلمات اور ۷۳حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ اس سورت میں قریش پر اللہ تعالٰی کے خاص انعام کا ذکر ہے کہ ان کے لئے اللہ نے تجارتی سفر آسان اور محفوظ بنا دیئے تھے۔ اس انعام کے شکر میں ان کو اللہ پر ایمان لا کر اس کی عبادت کرنی چاہئے تھی مگر وہ اپنے کفر وشرک پر ہی قائم رہے۔

سابقہ سورت سے ربط: سورۂ فیل میں اللہ تعالٰی کے اس خاص انعام واکرام کا ذکر تھا کہ اس نے اہل مکہ کو ابرہہ کے حملے سے محفوظ رکھا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا۔ اہل مکہ کی یہ حفاظت اس بنا پر تھی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قدسی ہونے والا تھا۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان پر مزید انعام یہ کیا کہ ان کے لئے تجارتی سفر محفوظ بنائے اس لئے کفر وشرک چھوڑ کر ان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہئے۔

اہل مکہ پر اللہ کے انعامات

۱تا۴۔ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۞ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۞ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۞ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۞

اس لئے کہ مانوس رکھا قریش کو سردی اور گرمی کے سفر سے، ان کو چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور (دشمنوں کے خوف سے) امن دیا۔

اِیْلٰفِ: مانوس رکھنا، الفت دلانا۔ مصدر ہے۔

رِحْلَةَ: سفر کرنا، کوچ کرنا، کجاوہ کسنا، مصدر ہے۔

الشِّتَاءِ: جاڑا، موسم سرما۔ جمع اَشْتِيَةٌ

الصَّيْفِ: موسم گرما۔ جمع اَصْيَافٌ

جُوْعٍ: بھوک۔

تشریح: مکے میں نہ زراعت ہوتی تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تھی۔ اسی لئے وہ تجارتی سفر کے محتاج تھے اور سال بھر میں دو سفر کرتے تھے۔ سردیوں میں تجارت کے لئے یمن کی طرف جاتے تھے جو گرم ملک تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے جو سرد اور سرسبز و شاداب ملک تھا۔ دونوں جگہوں کے باشندے اور جو آبادیاں راستے میں پڑتی تھیں، سب ان کا احترام کرتے تھے اور ان کو اہل حرم اور بیت اللہ کا خادم سمجھ کر ان کی خدمت کرتے تھے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے تھے حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا لیکن کعبہ کے ادب سے کوئی چور ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا اس لئے یہ لوگ بلا روک ٹوک سامان تجارت لیکر نہایت امن و سکون سے آتے جاتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا حالانکہ ان (اہل مکہ) کے اردگرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۷)

اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی انعام کو یاد دلایا ہے کہ اس نے تمہیں اسی گھر کے طفیل روزی اور امن و سکون دیا۔ لوگوں کے دل تمہاری طرف مائل کرنے کے لئے اس نے اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا اور تمہیں ان کی زد سے محفوظ رکھا اور ان کے مال سے مالا مال کیا۔ اس لئے تمہیں اس کا شکر اس طرح ادا کرنا چاہئے تھا کہ تم سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے جیسے ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۱

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اس رب کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے

ہو جاؤں ۔ (النمل: ۹۱)

لیکن تم تو اس گھر کے مالک کو چھوڑ کر جس نے تمہیں ان تمام انعامات سے نوازا ہے، بتوں کو پوجتے ہو اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی بجائے اسے ستاتے ہو۔ یہ تو انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے گا وہ دنیا کے امن کے ساتھ آخرت میں بھی امن و امان سے رہے گا اور اگر اس کی نافرمانی کرے گا تو نہ دنیا میں امن ملے گا اور نہ آخرت میں ۔ اور ارشاد ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن و اطمینان سے تھی۔ اس کا رزق بھی فراغت کے ساتھ ہر طرف سے اس کے پاس پہنچ رہا تھا۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، سو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا اور ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول (بھی) آیا مگر انہوں نے اس کو بھی جھٹلایا، پھر ان کو عذاب الٰہی نے آ پکڑا اور وہ واقعی ظالم تھے۔ (النحل: ۱۱۲، ۱۱۳)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ لایلاف قریش تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ اے قریش کے لوگو! افسوس تم پر! اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھوک کی حالت میں رزق دیا اور تمہیں خوف سے مامون کیا۔ (معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی/ ج ۸، ص ۵۹۲)

سورۃ الماعون

وجہ تسمیہ: اس سورت کے نام یہ ہیں۔ ارءیت الذی، الدین، الیتیم، الماعون۔ یہ سب کے سب اسی سورت میں مذکور ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں سات آیات، ۲۵ کلمات اور ۱۲۳ حروف ہیں۔ اس کے نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن الزبیر، عطا اور جابر کہتے ہیں کہ یہ مکیہ ہے۔ ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے کہ یہ مدنیہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نصف اول مکہ میں نازل ہوا اور نصف اخیر مدینے میں۔ مقاتل اور کلبی نے کہا کہ اس میں عاص بن وائل السہمی کی مذمت ہے جو نصف اول میں ہے اور اخیر میں ابن ابی سلول منافق کی مذمت ہے۔
(مواہب الرحمٰن ۶۸۷/۳۰)

فیصلے کے دن کی تکذیب

۳،۱۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۞ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۞ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۞

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

الدِّیْن: مذہب، جزا، بدلہ دینا، اطاعت، مصدر و اسم۔ جمع اَدْیَانٌ

یَدُعُّ: وہ دھکے دیتا ہے۔ دَعٌّ سے مضارع۔

یَحُضُّ: وہ آمادہ کرتا ہے، وہ ترغیب دیتا ہے، وہ تاکید کرتا ہے۔ حَضٌّ سے مضارع۔

تشریح: اس سورت میں کفار و منافقین کے بعض مذموم افعال کا ذکر اور ان پر جہنم کی وعید ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت اور اعمال کی جزا وسزا کے دن یا دین اسلام کو جھٹلاتا ہے اور غرور تکبر کے نشے میں مست یہ سمجھتا ہے کہ نہ قیامت ہوگی، نہ انصاف ہوگا اور نہ اچھے اور برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ یہ شخص یتیم کے ساتھ ہمدردی وغم خواری تو کیا کرتا الٹا اس پر ظلم وستم کرتا ہے اور اس کا حق مارتا ہے۔ چونکہ اس کو جزا وسزا کا یقین ہی نہیں اس لئے نہ وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر اپنے نفس کو ابھارتا ہے اور نہ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو اس کار خیر پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے اور نہ تم باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ (الفجر۔ ۱۷، ۱۸)

ظاہر ہے یتیموں اور محتاجوں کی خبر گیری کرنا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارم اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلا متفق ہیں۔ پس جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو تو گویا وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔

نماز میں غفلت کرنے والے

۴، ۷۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

سو خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور جو ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز عاریتاً نہیں دیتے۔

سَاهُوْنَ: بے خبر، بھولنے والے، غافل۔ سَهْوٌ سے اسم فاعل۔ واحد سَاهِيْ

يُرَاءُوْنَ: وہ ریا کاری کرتے ہیں۔ وہ دکھاوا کرتے ہیں۔ مُرَاءَةٌ سے مضارع۔

الْمَاعُوْنَ: برتنے کی خانگی چیزیں، معمولی چیزیں، حسن سلوک۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ الخ منافقوں کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے تھے لیکن اگر مسلمان موجود نہ

ہوتے تو نماز نہیں پڑھتے تھے اور عام استعمال کی چیزیں دینے سے انکار کرتے تھے۔ (مظہری ۱۰/۳۵۰)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو دکھانے اور اپنے اسلام کے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے نماز پڑھتے ہیں مگر چونکہ وہ نماز کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتے اس لئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ نماز کی۔ جب دکھانے کا موقع ہوا پڑھ لی ورنہ ترک کر دی۔ عن صلاتھم ساھون کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اصل نماز سے بے پروائی اختیار کی جائے۔ یہ منافقین کی عادت ہے۔ رہا نماز کے اندر سہو ونسیان ہو جانا جس سے کوئی مسلمان خالی نہیں، وہ یہاں مراد نہیں۔ اگر یہ مراد ہوتی تو عن صَلَاتِهِمْ کی بجائے فی صلاتھم ہوتا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے نمازیوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل اور بے خبر ہیں۔ نہ اس کی پابندی کرتے ہیں اور نہ اس کو وقت پر ادا کرتے ہیں۔ اگر پڑھتے بھی ہیں تو نہ رکوع وسجود پورا کرتے ہیں اور نہ قاعدہ وقیام۔ بس یونہی ٹکریں سی مار کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ نہ اس میں خشوع وخضوع اور سکون وطمانیت ہوتی ہے اور نہ ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہیں اور اس کے سامنے کس کیفیت سے کھڑا ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کی نماز ہی کیا ان کے دوسرے اعمال بھی ریاکاری اور نمود ونمائش سے خالی نہیں ہوتے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

بلاشبہ منافق اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ انہی کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں۔ (النساء: ۱۴۲)

امام احمد نے شداد بن اوس سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لئے روزا رکھا اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا۔ (مظہری: ۱۰/۳۵)

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق

کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملا لے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مارے جس میں اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرے۔ (ابن کثیر ۴/۵۵۴)

پھر فرمایا کہ یہ لوگ زکوۃ وصدقات تو کیا دیتے یہ تو عام برتنے کی چیزیں مثلاً رسی، ڈول، دیگچی، کلہاڑی، سوئی، دھاگہ وغیرہ بھی مانگنے پر کسی کو نہیں دیتے۔ حالانکہ ان چیزوں کے دینے کا عام رواج ہے۔ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ یہ تو ان بدبختوں کا شیوہ ہے جو اللہ اور روز جزا کو نہیں مانتے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ کلہاڑی، ڈول، ہانڈی، اور انہی جیسی چیزیں ماعون ہیں۔ عکرمہ نے کہا ماعون سے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر چیز مراد ہے۔ اعلیٰ چیز فرض زکوۃ ہے اور ادنیٰ چیز مستعار لیا ہوا استعمال کا گھریلو سامان ہے۔

(روح المعانی ۲۴۲/۳۰ معارف القرآن مفتی محمد شفیع /۸۲۶/۸)

سورۃ الکوثر

وجہ تسمیہ: اس میں الکوثر (ایک جنتی نہر) اور النحر (قربانی) کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الکوثر بھی ہے اور النحر بھی ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں تین آیات، دس کلمات اور ۴۲ حروف ہیں۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت عائشہ وغیرہ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ حسن، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے، اس میں بے شمار مطالب اور اسرار و حکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح و بلیغ ادیب و شاعر نہ کر سکا۔ (مواہب الرحمٰن ۸۷۷/۳۰)

نماز اور قربانی کی تاکید

۱، ۲۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲

(اے رسول) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔ سو اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔

شانِ نزول: بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے درمیان تھے کہ اچانک آپ پر کچھ غفلت طاری ہوئی۔ پھر کچھ دیر بعد مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے مسکرانے کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے بسم اللہ ...... ھو الابتر پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کوثر کیا چیز ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جنت کی ایک نہر ہے جس کو عطا فرمانے کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر قیامت کے روز میری امت پانی پینے کے لئے آئے گی۔ اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے تاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ایک شخص کو حوض سے ہٹادیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میرا امتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد اس نے (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالی تھیں۔

حوض کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گریں گے جو حوض کو نہر کوثر کے پانی سے بھر دیں گے۔ مسند بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ معظمہ آیا تو قریشیوں نے اس کے پاس جا کر اس سے کہا کہ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے حالانکہ ہم محتاج کی خدمت کرتے ہیں، بیت اللہ کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ یہ سن کر کعب نے کہا کہ نہیں تم لوگ اس سے بہتر ہو۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی ((ابن کثیر ۴/۵۵۶۔ مظہری ۱۰/۳۵۱)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطاء کی۔ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ کوثر میں دنیا اور آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے۔ یعنی اس میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور نعمتیں داخل ہیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت مشہور حوض کوثر ہے جس کے پانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حشر میں اپنی امت کو سیراب فرمائیں گے۔

صحیحین میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (شب معراج میں) میں جنت میں گیا تو وہاں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے خیمے تھے۔ میں نے نہر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو (اس کا پانی) خالص مشک (کی طرح خوشبودار) تھا۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کیا ہے۔ جبرئیل نے کہا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کوثر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس کے کنارے دراز گردن والے پرندے بیٹھے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا وہ پرندے تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے۔ آپ نے فرمایا وہ کھانے میں بہت لذیذ ہوں گے۔ (ابن کثیر ۴/۵۵۷)

اتنے بڑے انعام اور احسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بدن اور مال سے خاص اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے، نماز پڑھتے رہئے اور قربانی کرتے رہئے تاکہ اس عظیم انعام کا حق بدنی اور مالی دونوں اعتبار سے ادا ہو جائے۔ بدنی عبادات میں نماز اور مالی عبادات میں قربانی کا ایک ممتاز مقام ہے۔ مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے اسی لئے یہاں صرف خالص اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا۔

مقطوع النسل

۳۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

شَانِئَکَ: تیرا دشمن۔ شَنَأٌ سے اسم فاعل۔

اَبْتَرُ: بے اولاد، بے نسل، مقطوع النسل۔ بَتْرٌ سے صفت مشبہ۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ جب کسی شخص کی نرینہ اولاد مرجاتی (اور کوئی لڑکا باقی نہ رہتا) تو قریش کہتے فلاں شخص کی نسل کٹ گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے کی وفات ہوگئی تو عاص بن وائل نے کہا کہ محمد ﷺ کی نسل کٹ گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۲۸/ ۸)

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لا رہے تھے اور عاص بن وائل اندر داخل ہو رہا تھا۔ دونوں کی ملاقات ہوگئی اور باب بنی سہم کے پاس دونوں باتیں کرنے لگے۔ قریش کے سردار اس وقت بیت اللہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ عاص جب قریش کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگے کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے کہا ابتر تھا (یعنی آپ ﷺ) اس زمانے میں آپ کے صاحبزادے کی وفات ہو چکی تھی جو حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔ (مظہری ۳۵۱/ ۱۰)

تشریح: عرب میں جب کسی کی نرینہ اولاد مرجاتی تو وہ کہتے کہ یہ ابتر یعنی تنہا ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں کے انتقال پر دشمنی کی وجہ سے مشرکین مکہ نے آپ کے بارے میں بھی یہی خیال کیا کہ آپ کے لڑکے تو انتقال کر گئے جن کے ذریعے دنیا میں آپ کا نام باقی رہتا، اس لئے آپ کے انتقال کے بعد آپ کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بیشک آپ کے دشمن ہی کا نام مٹنے والا ہے۔ آپ کا نام تو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی رفعت وعظمت عطا فرمائی کہ آپ کے عہد مبارک سے لیکر آج تک پوری دنیا کے چپے چپے پر آپ کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ مساجد کے مناروں پر پکارا جاتا ہے۔ آخرت میں آپ کو شفاعت کبریٰ کے مقام محمود پر فائز کیا جائے گا۔ اس کے برعکس عاص بن وائل اور کعب بن اشرف وغیرہ کی اولاد کہاں ہے اور ان کا خاندان کیا ہوا۔ خود ان کا نام بھی قرآنی آیات کی تفسیر کے ذیل میں محفوظ ہوگیا ورنہ آج دنیا میں ان کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۳۱/ ۸، ابن کثیر ۵۵۹/ ۴)

سورۃ الکافرون

وجہ تسمیہ: اس میں کفار کے بعض سرداروں کی ایک پیش کش کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الکفرون ہے۔ اس کو سورۃ العبادۃ اور سورۃ الاخلاص اور سورۃ المقشقشہ بھی کہتے ہیں۔ آخری دو نام قل ھو اللہ کے ساتھ مشترک ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۶ آیات، ۲۶ کلمات اور ۹۴ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکے میں نازل ہوئی لیکن قتادہ ابن الزبیر اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ معبود حقیقی کی عبادت کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رخ نہ کرے گا۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قل ھو اللہ تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یایھا الکفرون چوتھائی قرآن کے برابر۔
ابو یعلیٰ اور طبرانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے نجات پاؤ۔ سوتے وقت قل یا یھا الکفرون پڑھ لیا کرو۔

(روح المعانی ۲۴۹/۳۰، مواہب الرحمٰن ۷۸۷، ۷۸۸/۳۰)

مشرکین مکہ کی پیشکش

۱،۵۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! میں تمہارے معبودوں کو نہیں پوجتا اور تم (بھی) میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کو

پوجوں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی عبادت کرو گے۔

شانِ نزول: طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں گے اور جس عورت سے چاہیں گے آپ کا نکاح کر دیں گے لیکن ہمارے معبودوں کو گالیاں دینا چھوڑ دو اور ان کو برا نہ کہو۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یہ کریں کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں، آپ نے فرمایا میں دیکھ لوں میرے رب کی طرف سے کیا حکم آتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے سعید کی روایت بیان کی کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف آپ سے ملے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کی عبادت کریں جس کو ہم پوجتے ہیں اور ہم اس کی عبادت کریں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ اس تمام معاملے میں ہم اور آپ شریک ہو جائیں۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۰/۳۵۴)۔

تشریح: مشرکین کی پیشکش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کے دین سے پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں اور ان کو صاف صاف بتا دیں کہ خواہ تم میرے معبود برحق کی عبادت کرو یا نہ کرو میں تمہارے معبودوں کو جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ہرگز نہ پوجوں گا۔

اس سورت میں چند کلمات مکرر آئے ہیں۔ اس تکرار کو ختم کرنے کے لئے ایک تفسیر تو وہ ہے جو بخاری نے بہت سے مفسرین سے نقل کی ہے کہ یہاں دو کلمے مکرر آئے ہیں۔ ایک مرتبہ زمانہ حال کے لئے اور دوسری مرتبہ زمانہ مستقبل کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے کوئی تکرار نہیں۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ نہ تو اب ایسا ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کو پوجوں اور تم میرے معبود کی عبادت کرو اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں اپنے اپنے طریقے پر یعنی میں اپنی توحید پر قائم رہتے ہوئے اور تم اپنے کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں۔

دوسری تفسیر وہ ہے جو ابن کثیر نے بیان فرمائی ہے کہ لغت میں حرف ما جس طرح اسم موصول الذی کے معنیٰ میں آتا ہے اسی طرح کبھی مصدر کے معنیٰ میں بھی آتا ہے یعنی وہ جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اس سورت میں پہلی جگہ تو ما اسم موصول الذی کے معنیٰ میں ہے اور دوسری جگہ ما مصدریہ ہے، سو **لا اعبد ماتعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد** کے معنیٰ

یہ ہوئے کہ جن معبودوں کو تم پوجتے ہو میں ان کو نہیں پوجتا اور جس معبود کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی عبادت تم نہیں کرتے ۔ دوسرے جملے و لا انا عابد ما عبدتم و لا انتم عبدون ما اعبد میں حرف ما مصدریہ ہے ۔ اس لئے معنی یہ ہیں کہ ہماری اور تمہاری عبادت کے طریقے ہی الگ الگ ہیں لہذا میں تمہاری طرز کی عبادت نہیں کرسکتا اور تم جب تک ایمان نہ لاؤ میری طرز کی عبادت نہیں کر سکتے ۔ پس پہلے جملے میں معبودوں کا اختلاف ظاہر کیا ہے اور دوسرے جملے میں عبادت کے طریقے کے اختلاف کو ظاہر کیا گیا ہے ۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۳۳)

علیحدہ دین

۶۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿٦﴾

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ۔

تشریح : اے مشرکین تمہارے لئے تمہاری راہ ہے جس پر تم بھٹک رہے ہو اور جس کو تم چھوڑنے کے لئے تیار نہیں سو تم اسی پر بھٹکتے رہو ۔ میرے لئے میرا راستہ ہے جس پر میں قائم ہوں ۔ اور میرے رب کا پسندیدہ اور بتایا ہوا ہے ۔ اس لئے اس کو ترک نہیں کرسکتا ۔ اس کے برعکس تمہارا طریقہ نفسانی خواہشات کے تابع ہے اس لئے اس میں گمراہی کے سوا کچھ نہیں ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے ۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے تم ذمہ دار نہیں اور جو تم کرتے ہو اس کا میں ذمے دار نہیں ۔ (یونس ۴۱)

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ

ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں ۔ (الشوریٰ ۱۵)

صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام ۔

سورۃ النصر

وجہ تسمیہ: اس کو سورۂ النصر اور التودیع کہتے ہیں۔ تودیع کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے ہیں۔ اس سورت میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا وقت قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس کو سورۃ التودیع بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۳ آیات ۱۶ کلمات اور ۷۹ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاجماع مدنیہ ہے اور مکمل سورت نازل ہونے کے اعتبار سے یہ سب سے آخری سورت ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد الیوم اکملت لکم (مائدہ:۳) نازل ہوئی۔ ان کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسّی دن رہے۔ ان دونوں کے بعد کلالہ (نساء:۱۷۶) نازل ہوئی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے کل پچاس دن رہ گئے تھے۔ پھر آیت واتقوا یوما ترجعون (بقرہ:۲۸۱) نازل ہوئی جس کے بعد صرف ۲۱ روز اور مقاتل کے مطابق سات روز بعد وفات ہوئی۔
(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۳۶/ ۸، مواہب الرحمٰن ۷۹۳، ۷۹۴، ۸۰۰/ ۳۰)

سورۃ اذا الزلزلت کے ذیل میں حضرت انس کی روایت سے گزر چکا کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

تکمیل بعثت

۱، ۳۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور آپ نے لوگوں کو دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت طلب

کیجئے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔

تشریح: متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورت میں آپ کی وفات کا زمانہ قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اب آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار میں لگ جایئے۔

مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائے گا۔ مجھے میرے انتقال کی خبر دیدی گئی ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عمرو بن سلمہ سے روایت ہے مکہ معظّمہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی۔ ان سب کو اسی کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو اور دیکھو اگر یہ نبی برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آجائیں گے اور مکہ معظّمہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ معظّمہ کی فتح سے سرفراز فرمایا تو تمام قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے اور صرف دو سال کے عرصے میں سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ ابن کثیر نے سورت کی یہ تفسیر بھی بیان فرمائی ہے کہ بعض صحابہ نے حضرت عمر کے سامنے اس سورت کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ ہم پر شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو گویا ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریف بیان کریں، اس کا شکر ادا کریں اور اس کی پاکیزگی بیان کریں، نماز ادا کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں ان کلمات کا ورد اکثر فرماتے تھے **سبحان الله وبحمده استغفر الله و اتوب اليه** ''اللہ کی ذات پاک ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے سزاوار ہیں، میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں'' اور آپ فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب نے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ معظّمہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بکثرت کہوں۔ چنانچہ بحمد اللہ میں اسے دیکھ چکا، لہٰذا اب ان کلمات میں مشغول ہوں۔ (روح المعانی ۳۰/۲۵۷، ابن کثیر ۵۶۲، ۴/۵۶۳)

ابو ہریرہ سے روایت ہے اس سورت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا یہاں تک آپ کے پاؤں مبارک ورم کر گئے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۳۷)

سورۃ الہب

وجہ تسمیہ: اس سورت کا مضمون ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الہب ہے۔ اس کو سورۂ تبت اور سورۃ المسد بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں پانچ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۷ حروف ہیں۔ یہ سورت بلا خلاف مکے میں نازل ہوئی۔ ابولہب کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا۔ یہ آپ کا چچا تھا۔ اس کی کنیت ابوعتبہ تھی۔ سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اس کو ابولہب کہتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا۔ آپ کو سخت ایذائیں دیتا تھا اور جب آپ لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تو یہ آپ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس کی بیوی بھی آپ کی سخت دشمن تھی۔ (مواہب الرحمٰن ۸۱۰، ۸۱۱/ ۳۰)

ابولہب کی بدبختی

۱۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ①

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

تَبَّتْ: وہ ہلاک ہوئی، وہ برباد ہوئی، وہ ٹوٹ گئی۔ تَبٌّ و تَبَابٌ سے ماضی۔

لَهَبٍ: آگ بھڑکنا، شعلہ۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: بخاری و مسلم اور احمد میں ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی۔ جب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا جانو گے؟ سب نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تمہیں آنے والے عذاب شدید سے پہلے ڈراتا ہوں۔ ابولہب کہنے لگا آپ کو ہلاکت ہو، کیا اسی لئے آپ نے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۶۷/ ۱۰)

تشریح: جب ابولہب نے آپ کی شان میں تبًّا کہا تو مسلمانوں کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ

آپ اس کے لئے بددعا فرمائیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات خود ہی فرما دی کہ ابولہب ہلاک و برباد ہو۔ پھر تَبَّ کہہ کر یہ خبر بھی دیدی کہ یہ بددعا اس کو لگ گئی اور وہ ہلاک ہوگیا۔ چنانچہ واقعہ بدر کے سات روز بعد اس کو طاعون کی گلٹی نکلی۔ مرض دوسرں کو لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے اس کو بالکل علیحدہ ایک طرف ڈال دیا اور اسی بے کسی کی حالت میں اس کو موت آگئی۔ تین روز تک اس کی لاش اسی حالت میں پڑی رہی۔ جب سڑنے لگا تو گھر والوں نے ایک گڑھا کھود کر لکڑی کے ذریعے اس کی لاش کو گڑھے میں ڈال دیا اور اس کو پتھروں اور مٹی سے پاٹ دیا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک روز ابولہب نے لوگوں سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں کام ہوں گے۔ پھر اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا کہ ان ہاتھوں میں ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں آیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو مخاطب کرکے کہنے لگا کہ برباد ہو جاؤ۔ میں تمہارے اندر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا جن کے ہونے کی خبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۳۹)۔

مال و اولاد کام نہ آنا

۲،۳۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝

نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب شعلے والی آگ میں داخل ہوگا۔

شانِ نزول: حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا کہ اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد اللہ کو فدیئے میں دیکر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔ اس پر آیت مَآ اَغْنٰى عنہ الخ اتری۔ (ابن کثیر ۴/۵۶۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابولہب ہلاک و برباد ہوگیا۔ کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد اور نہ عزت و سرداری اور نہ قبائل عرب میں اس کی مقبولیت و محبوبیت اس کے کچھ کام آئی۔ اللہ کا فیصلہ نافذ ہوکر رہا اور لوگوں نے دنیا ہی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ کس طرح ذلت و رسوائی اور بے کسی میں مرا۔ کوئی اس کے قریب آنے کو بھی تیار نہ تھا۔ بلاشبہ

یہ بھی اللہ کا عذاب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور توہین کی سزا تھی جو اس کو دنیا میں بھگتنی پڑی۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جس کے بارے میں فرمایا وہ بہت جلد ایسی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا جو سخت جلانے والی اور بڑے شعلے برسانے والی ہوگی۔

ربیعہ بن عباد دیلی سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ میری جوان عمر تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، مجھے سچا جانو، مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تاکہ میں اس کام کو بجالاؤں جس کا حکم دیکر مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔ آپ یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے تو آپ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو یہ شخص تمہیں لات وعزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں کو تم سے دور کر رہا ہے اور تمہیں اپنی لائی ہوئی گمراہی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ خبردار اس کی نہ سننا اور نہ ماننا۔ (ابن کثیر ۴/۵۶۴)۔

ابولہب کی بیوی کا انجام

۳،۴۔ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

اور اس کی بیوی (بھی) جو لکڑیاں اٹھا کر لانے والی ہے اس کی گردن میں کھجور کے پوست کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

حَمَّالَةَ: خوب اٹھانے والی۔ حَمْلٌ سے مبالغہ

الحَطَبِ: لکڑی، ایندھن۔ جمع اَحْطَابٌ

جِيْدِ: گردن، جمع اَجْيَاد

حَبْلٌ: رسی، سلسلہ، عہد، جمع حِبَالٌ

مَسَدٍ: خوب بٹی ہوئی، مونج، کھجور کی چھال۔

تشریح: ابولہب کی بیوی جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور اللہ کے پیغمبر کی ایذا رسانی میں اپنے شوہر کی مددگار رہے اسی طرح جہنم میں بھی اس کے ساتھ ہی داخل ہوگی۔ اس طرح یہ بدبخت ابولہب بھی ہلاک وبرباد ہوگا اور اس کی بدنصیب بیوی بھی تباہ وبرباد ہوگی۔

ابولہب کی بیوی کی کنیت ام جمیل تھی اور نام اُرْ وٰی تھا۔ یہ حرب بن امیہ کی لڑکی اور ابو سفیان کی بہن تھی۔ اپنے خاوند کے کفر وعناد اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ قیامت کے دن عذابوں میں بھی یہ اسی کے ساتھ ہوگی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہوگا اس پر ڈالتی جائے گی۔ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہے گی۔

ابن عباس نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن کر لاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بچھاتی تھی تاکہ آپ کو تکلیف پہنچے۔

ابن مسیّب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس نفیس ہار تھا اور کہتی تھی کہ میں اسے فروخت کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت میں خرچ کروں گی، تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا (تاکہ گردن ہار سے خالی نہ رہے)۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس بدبخت کی موت بھی طوق سے ہی واقع ہوئی کہ لکڑیوں کے گٹھے کی رسی اس کے گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں ایک نوکیلا پتھر لئے یہ کہتی ہوئی آپ کی طرف آئی کہ ہم مذمم کے منکر ہیں، اس کے دین کے دشمن اور اس کے نافرمان ہیں۔ اس وقت آپ بیت اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میرے والد حضرت ابوبکر بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر نے عرض کی یارسول اللہ یہ آرہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو دیکھ لے۔ آپ نے فرمایا صدیق بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ پھر آپ نے قرآن کی تلاوت شروع کردی جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿٤٥﴾

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ (الاسراء:۴۵)

پھر وہ آکر حضرت ابوبکر کے پاس کھڑی ہوگئی۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ بھی حضرت ابوبکر کے پاس ہی بیٹھے تھے لیکن اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکی۔ (ابن کثیر ۴/۵۶۵)

سورۃ الاخلاص

وجہ تسمیہ: سورۂ فاتحہ کی طرح اس کے بھی بہت سے نام ہیں۔ ان میں سے الاخلاص سب سے زیادہ مشہور ہے۔ چوں کہ اس میں توحید خالص کا بیان ہے اس لئے اسے اخلاص کہتے ہیں، دوسرے ناموں میں التفرید، التوحید، الصمد اور المعرفہ وغیرہ ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں چار آیتیں، ۱۵ کلمات اور ۴۷ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی لیکن قتادہ وضحاک وسدی کہتے ہیں کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن ۳۰/۸۱۹)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ قل ھواللہ پڑھ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ میں نے عرض کیا کیا واجب ہوگئی۔ آپ نے فرمایا جنت۔ (مواہب الرحمٰن ۳۰/۸۲۳)

حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابہ پر بھاری پڑا اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اتنی طاقت کس کو ہے۔ آپ نے فرمایا سنو قل ھو اللہ احد تہائی قرآن ہے۔ (ابن کثیر ۴/۵۶۶)

واحد وصمد ذات

۱۔۴ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ کوئی اس سے پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

الصَّمَدُ: بے نیاز، بے احتیاج، جو کھاتا پیتا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔

كُفُوًا: مرتبے میں برابر، ہمسر، مثل۔

شان نزول: امام احمد، ترمذی ابن خزیمہ، ابن جریر اور حاکم نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعب سے روایت کی کہ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ (حقانی ۵/۵۱۸)۔

بغوی نے ضحاکؒ، قتادہ اور مقاتل کے حوالے سے لکھا کہ کچھ یہودی عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے رب کی صفات بیان کیجئے ممکن ہے ہم آپ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ نے توریت میں اپنے احوال بیان کر دیئے ہیں اور ہمیں بتا دیا ہے کہ وہ کس چیز سے (بنا ہوا) ہے اور کھاتا پیتا ہے (یا نہیں) اور وہ کس کا وارث ہوا ہے اور کون اس کا وارث ہوگا۔ اس کے جواب میں اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی (مظہری ۱۰/۳۶۹)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مشرکین جو آپ سے آپ کے رب کی صفت پوچھتے ہیں تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی ذات و صفات میں واحد واحد ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہی قادر مطلق اور علیم و خبیر ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں، خواہ ظاہر ہو یا باطن حتیٰ کہ وہ دلوں میں آنے والے خیالات بلکہ جو خیالات آئندہ آئیں گے وہ ان کو بھی جانتا ہے۔ کوئی بھی اس جیسا نہیں، نہ اس کا کوئی وزیر اور نہ شریک، نہ کوئی اس کا ہمسر اور برابر اور نہ ہم جنس۔ وہ بے نیاز ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں، اپنی شرافت میں، اپنی بزرگی میں، اپنی عظمت میں، اپنے حلم و علم میں اور اپنی حکمت و تدبیر میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہیں اس لئے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ ایسے خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک کرنا عقل و فطرت کے خلاف اور بدترین ظلم ہے۔ پس وہ اپنی ذات و صفات میں ایسا یکتا اور بے نظیر ہے کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے کوئی اولاد ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ
صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

وہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کی اولاد کیسے ہوگی اور اس کے بیوی نہیں، ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ (انعام:۱۰۱)

اور ارشاد ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾
أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

وہ کفار کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے۔ بیشک تم تو بہت بھاری (بری) بات (زبان پر) لائے۔ کچھ بعید نہیں اس (گستاخی) پر ابھی آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر پڑیں اس بات پر کہ وہ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں اور رحمٰن کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ (مریم:۸۸۔۹۲)

اس کی شان احدیت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی ہمسر و برابر اور مثال و نمونہ نہ ہو جیسے ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ (الشوریٰ ۱۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور وہ پھر بھی انہیں رزق دیتا ہے اور عافیت وتندرستی عطا فرماتا ہے۔ (ابن کثیر ۴/۵۷۰)

سورۃ الفلق

وجہ تسمیہ: لفظ الفلق اس سورت کی ابتدا میں آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام الفلق (صبح) ہے۔
تعارف وخلاصہ: اس میں پانچ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۴ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ یہی صحیح اور قوی تر ہے۔ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کو کچھ وہم سا ہونے لگ گیا تھا کہ جو کام آپ نے ابھی کیا نہیں اس کے بارے میں آپ کو یہ خیال ہو جاتا تھا کہ آپ نے اس کام کو کر لیا ہے۔ پھر آپ نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعے آپ کو اس کی خبر دی۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات مجھ پر چند ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں تین سورتیں نہ سکھاؤں کہ ان جیسی نہ توریت میں نازل ہوئیں اور نہ انجیل میں اور نہ زبور میں اور نہ فرقان میں۔ وہ سورتیں یہ ہیں: قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس (ابن کثیر ۴/۵۷۲)

ہر شر سے پناہ

۱، ۵۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، تمام مخلوق کے شر سے اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے اور ان عورتوں کے شر سے

جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

الفَلَقِ: تڑکا، صبح سویرے، علی الصبح، جمع فُلُوْقٌ

غاسِقٍ: اندھیری رات، تاریک رات، غَسْقٌ سے اسم فاعل۔

وَقَبَ: وہ داخل ہوا، وہ چھا گیا، وہ چھپ گیا۔ وُقُوْبٌ سے ماضی۔

النَّفّٰثٰتِ: گرہوں میں پھونکنے والیاں، خوب دم کرنے والیاں مراد جادوگر عورتیں۔ نَـفْـثٌ سے مبالغہ، واحد نَفَّاثَةٌ

العُقَد: گرہیں۔ واحد عُقْدَةٌ

شانِ نزول: بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے آپ پر سحر کیا تو اس کا اثر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کرلیا ہے مگر وہ کام کیا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک روز آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے۔ دوسرے نے کہا کہ سحر زدہ ہیں۔ پہلے نے پوچھا کہ سحر کس نے کیا ہے۔ اس نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے۔ اس نے پوچھا کس چیز پر جادو کیا ہے۔ دوسرے نے بتایا کہ ایک کنگھے اور اس کے دانتوں میں۔ پھر اس نے پوچھا کہ وہ (چیزیں) کہاں ہیں۔ اس نے بتایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل ہوتا ہے اور بنی زریق کے کنویں ذروان میں پتھر کے نیچے مدفون ہیں۔ آپ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور ان چیزوں کو نکال لیا اور فرمایا مجھے خواب میں یہی کنواں دکھایا گیا تھا۔ اس پر یہ سورتیں نازل ہوئیں۔

آپ اس یہودی کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملے میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی اس لئے آپ نے عمر بھر اس یہودی سے کچھ نہیں کہا۔

تشریح: آپ کہہ دیجئے کہ میں اس رب کی پناہ میں آتا ہوں جس نے ایسی روشنی پیدا کی جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے اور سارے جہان پر چھا جاتی ہے اور اس کو روشن کردیتی ہے۔ چونکہ خالق ہی مخلوق کے شر سے بچا سکتا ہے اس لئے میں ہر ایسی مخلوق کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہو اور جس میں کوئی برائی اور بدی ہو، اسی خالق حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔ جب ظلمت و تاریکی پھیل جائے تو میں اس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کیونکہ عموماً بدکار و مفسدین، درندے، موذی جانور، ساحر،

جنات، شیاطین، حشرات الارض، چور، ڈاکو وغیرہ رات کی تاریکی میں اپنے شر سے مخلوق خدا کو ایذا پہنچاتے ہیں نیز جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے۔ میں گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں، جماعتوں اور نفوس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر ساحر عورتیں شیاطین و جنات کے اسماء پڑھ پڑھ کر پھونک مار کر رسی، یا تانت یا بالوں پر گرہیں لگاتی تھیں جیسے لبید بن الاعصم اور اس کی بیٹیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں پر اسی طرح ساحرانہ عمل کیا تھا۔

میں حاسد کے شر سے بھی اللہ کی پناہ میں آتا ہوں جبکہ وہ حسد کرے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ کا مطلب یہ ہے کہ جب حاسد اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے تو اس بدی اور شر سے پناہ مانگنی چاہئے۔ حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے خود اس کو بھی حاصل نہ ہو۔ یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو ابلیس نے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کر کے کیا اور یہی سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا۔ البتہ یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی ہے حسد میں داخل نہیں۔

سورۃ الناس

وجہ تسمیہ: اس کا نام سورۃ الناس ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۶ آیات، ۲۰ کلمات اور ۹۹ حروف ہیں۔ سورۂ فلق کی طرح یہ بھی مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کا شان نزول بھی وہی ہے جو سورۂ فلق کا ہے۔

جنوں اور انسانوں کے شیاطین

۱، ۶۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ
النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

آپ کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی۔ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے،

الوَسْوَاسِ: وسوسہ، برا خیال، وَسْوَسَۃٌ سے مبالغہ۔

الخَنَّاسِ: پیچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا، کھسک جانے والا خَنْسٌ مبالغہ۔

تشریح: اس سورت میں اللہ عز وجل کی تین صفات بیان ہوئی ہیں۔ پالنے اور پرورش کرنے کی، مالک و شہنشاہ ہونے کی اور معبود و لائق عبادت ہونے کی۔ تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں۔ اس لئے جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو ۔۔۔ پاک و برتر صفات والے خدا کی پناہ میں آجائے۔ شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے برائیوں کو مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے، اور اس کو بہکانے اور راہ راست سے ہٹانے میں کوئی کمی نہیں کرتا، اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ بچالے۔ اس لئے انسان کو شیطان

کے شر اور بدی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنی چاہئے خواہ وہ شیطان جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یا وہ ابلیس ہو۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے اپنی پناہ میں رکھے۔

شیطان چونکہ نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا اور پھسلاتا ہے اس لئے اس کے وساوس بہت باریک اور سخت ہوتے ہیں۔ وہ غفلت کا موقع تلاش کرتا ہے۔ جونہی انسان اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پھر جیسے ہی اس کی غفلت دور ہوتی ہے اور وہ اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے تو شیطان فوراً فو چکر ہو جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی کے دل میں دو خانے ہوتے ہیں۔ ایک فرشتے کا اور دوسرا شیطان کا۔ جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ اللہ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل میں چبھو دیتا ہے اور اس کو بہکا دیتا ہے۔ (مظہری ۳۸۰/۱۰، ابن کثیر ۵۷۴۔۵۷۵/۴)

تمت بعون اللہ و توفیقہ ، والحمد للہ علی ذالک

اَللّٰھُمَّ آنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ
الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَاماً وَّنُوْراً وَّرَحْمَةً اَللّٰھُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ
مَانَسِیْتُ وَ عَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ آنَاء
الَّیْلِ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً
یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ